

حیاتِ طیبہ میں

پیر

کے دِن کی اہمیّت

شہناز کوثر

اختر کتابِ گھر لاہور

حیاتِ طیّبہ ﷺ

پیر کے دِن کی اہمیت

شہناز کوثر

اختر کتاب گھر
اظہر منزل نیو شالیمار کالونی
ملتان روڈ — لاہور

حیاتِ طیّبہ ضیاء

پیر کے دن کی اہمیّت

شہناز کوثر

اختر کتاب گھر
اظہر منزل نیو شالیمار کالونی
ملتان روڈ — لاہور

کتاب : حیات طیبہ میں پیر کے دن کی اہمیت
مصنفہ : شہناز کوثر۔ بی اے
مصححین : راجا رشید محمود۔ شمیم اختر۔ کوثر پروین۔
ناشرین : اظہر محمود۔ اختر محمود
خوشنویس : محمد یوسف نوری
اشاعتِ اوّل : ۱۹ اگست ۱۹۹۱ء (پیر)
تعداد : گیارہ سو
مطبع : یونس پرنٹرز، لاہور
قیمت : اسّی روپے

اختر کتاب گھر
اظہر منزل۔ نیو شالامار کالونی۔ ملتان روڈ۔ لاہور ۔۔۔ ۵۴۵۰۰

☎ ۴۶۳۶۸۴ ☎

پیر کے دن
کثرت سے درود شریف پڑھنے والوں
کے نام

فہرست

فہرست

دیباچہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیائے آب وگل میں تشریف لانے کی تاریخ کے بارے میں تو مکی کیلنڈر اور مدنی کیلنڈر کے اختلاف کے سبب یا کسی اور وجہ سے سیرت نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے اگرچہ بعد میں جمہور علماء کا ۱۲ ربیع الاوّل کے دن پر اتفاق بھی ہو گیا۔ اور دنیا بھر میں حضور فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد کا دن اسی تاریخ کو منایا جاتا ہے (اس موضوع پر کچھ اجمالی تفصیل "ولادت پاک" کے باب میں موجود ہے) لیکن ولادت پاک کے دن کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف ہو ہی نہیں سکتا کہ پیر کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا ذکر حدیث پاک میں موجود ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے لیے پیر کا دن منتخب فرمایا۔ انہیں اس دن دنیا میں بھیجا۔ اگر شاعرِ دربارِ رسالت حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے منسوب اس شعر کو ذہن میں رکھیں کہ

خلقت مبرأ من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

(آپ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں۔ آپ کو تو آپ کی خواہش کے مطابق پیدا کیا گیا)

تو کہا جا سکتا ہے کہ ہفتے کے سات دنوں میں سے، ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ولادت پاک کے لیے دوشنبہ (پیر) کے دن کو منتخب فرمایا۔ حضور سرورِ کونین سلطان دارین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت کی فلاح

کے لیے دنیا میں تشریف لانے کے لیے پیر کے دن کا انتخاب فرمایا۔ تو اس سے پیر کی اہمیت تو ظاہر ہو گئی لیکن جب ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے یوم ولادت کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، اس دن آپ اس نعمت کبریٰ اور اس وجود مسعود کے لیے شکر بجا لاتے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا اور جس سے ہر شے فیض یاب ہوئی تھی۔ (ڈاکٹر محمد عبدہٗ یمانی۔ علموا اولادکم محبت رسول اللہ۔ مطبوعہ سعودی عرب ۱۹۸۷) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن روزہ رکھا کرتے تھے۔

صحیح مسلم کی کتاب الصیام میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پاک میں ہے کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیر کے روزہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا" اس دن میری ولادت ہوئی تھی اور مجھ پر وحی کا نزول ہوا تھا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے یوم پیدائش پر، ہر ہفتے روزہ رکھتے دیکھ کر کئی صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے بھی روزہ رکھنا شروع کر دیا ہوگا مگر میری کم نگاہی اور کم ہمتی نے بھی دو صحابیہؓ کے بارے میں تو معلوم کر ہی لیا۔ ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کی اہلیہ جن کا اصل نام لبابہ یا سمانہؓ تھا اور ام الفضل کی کنیت سے مشہور تھیں۔ انہوں نے خواتین میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ ان کو ایک خصوصیت یہ بھی حاصل ہے کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث ان کی سگی بہن تھیں۔ انہوں نے حضرت امام حسینؓ کو پالا تھا اور انہیں دودھ بھی پلایا تھا۔ ان سے تین احادیث بھی مروی ہیں۔ (علی اصغر چوہدری۔ عہد نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۳۳، ۳۴) حضرت ام الفضلؓ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوم پیدائش کے حوالے سے ہر دوشنبہ کو روزہ رکھتی تھیں۔ (مولانا سعید انصاری۔ سیر الصحابیات ص ۱۴۱)۔

ان کے علاوہ حضرت اسامہؓ بن زید بھی ہر دوشنبہ (پیر) کو روزہ رکھتے تھے حضرت اسامہؓ حضرت ام ایمنؓ کے بیٹے تھے۔ ام ایمن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آیا اور پرورش کرنے والی تھیں، جن کا اصل نام برکہ تھا۔ حضرت ام ایمنؓ کے پہلے شوہر کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ام ایمنؓ میری ماں ہیں، ان سے کون شادی کرے گا تو حضرت زیدؓ نے ان سے شادی کر لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زیدؓ بن حارثہ سے بھی بے حد محبت فرماتے تھے۔ حضرت اسامہؓ سے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا تو یہ عالم تھا کہ یہ "حبّ رسول" کے لقب سے مشہور ہوتے۔ طبقاتِ ابن سعد، حصہ چہارم میں ہے۔ حضرت اسامہؓ کے غلام کہتے ہیں کہ وہ دوشنبہ اور پنج شنبہ کو روزہ رکھتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ سفر میں بھی روزہ رکھتے ہیں حالانکہ آپ بوڑھے ہو گئے ہیں، فرمایا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ دوشنبہ اور پنج شنبہ کو روزہ رکھتے تھے (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ہفتم۔ ص ۴۸۰)

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ میرا گزر حضرت عامر انصاریؓ کے مکان کی طرف ہوا۔ ہم نے دیکھا کہ عامر اپنے کنبہ والوں اور بیٹوں کو آنحضرتؐ کے واقعاتِ ولادت سُنا رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ یہی دن تھا (یعنی پیر کا دن) جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس عالم دنیا میں رونق افروز ہوئے تو حضورؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا "ان اللّٰہ فتح لک ابواب الرحمۃ و الملٰئکۃ کلھم یستغفرون لک من فعل فعلک یحل بحالک" بیشک اللہ نے تمہارے لیے رحمت کے دروازے کھول دیئے اور تمام فرشتے تمہارے لیے بخشش کی دعا مانگتے ہیں۔ جو شخص تمہارے جیسا کام کرے گا وہ ایسا ہی اجر پائے گا۔ (رسعل الکلام فی بیان المولد والقیام (۱۳۰۱ھ)/ التنویر فی مولد السراج المنیر از امام عمر بن حسن محدّث اندلسی۔ ص ۴۴، ۵، ۶۲۳/ "الفقیہ" امرتسر۔ میلاد نمبر ۱۹۳۲ء۔ ص ۱۹)

ایسے حالات پڑھ کر ہمیں کرید ہوئی کہ پیر کے دن کی اہمیّت پر کچھ اور حقائق بھی معلوم کیے جائیں۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ گرامی اور والدہ مکرمہ (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا) کی شادی بھی پیر کے دن ہوئی تھی، اس دن جمادی الاخریٰ کی پہلی تھی (ماہنامہ الوارث کراچی۔ اپریل ۱۹۹۱۔ ص ۳۷، ۳۸۔ مضمون اسلامی مہینوں کے فضائل از سید معراج جامی) پھر جیسا کہ کتاب کے آئندہ ابواب میں تفصیلی ذکر آئے گا، ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح بھی پیر ہی کے دن ہوا تھا اور پیر ہی کی اہمیت اور فضیلت کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسی دن کی ہوگی۔

پیر کے دن کی ایک اہمیت کے حوالے سے حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوشنبہ (پیر) کے دن درخت کو پیدا کیا۔ (ڈاکٹر محمد عبدہٗ یمانی "علموا اولادکم محبت رسول اللّٰہ" ص ۴۶) درخت کو کئی خصوصیات حاصل ہیں، ایک یہ کہ یہ سایہ دار ہوتا ہے، اس کی ٹھنڈی چھاؤں میں انسان، حیوان سب کو آرام ملتا ہے۔ انسانیّت کے لیے اس کے مفید ہونے کے بارے میں ماہرین جمادات بہت کچھ لکھتے ہیں لیکن اہل محبّت کے نزدیک درخت سبز ہوتا ہے۔ گویا یہ گنبدِ خضر کے رنگ میں رنگا ہوا ہوتا ہے اور سب سے اہم خصوصیّت یہ ہے کہ یہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک سراپا کو دیکھ کر آپؐ کی طرف جھک جاتا تھا۔ بحیرا راہب سے جب حضرت ابوطالبؓ نے پوچھا کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے کا یقین کیسے ہے تو اس نے جواب دیا کہ جب یہ پہاڑ سے اتر رہے تھے تو درخت انہیں سجدہ کرتے تھے درخت کی اہمیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنّت میں اس کا وجود رکھا ہے۔ کتابوں میں ہے کہ درخت بھی محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں۔ یہ

بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھولوں کے بادشاہ گلاب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پسینہ مبارک سے پیدا کیا۔ (شہناز کوثر۔ قوس قزح۔ ص ۱۳۵)

حضور صلی اللہ علیہ وبارک وسلم سے درخت کی نسبت کئی لحاظ سے بہت وقیع ہے۔ جب آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غارِ ثور سے پیر کے دن نکلے۔ اور امّ معبدؓ کے خیمے پر قیام فرمایا۔ وہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز کے وقت وضو فرمایا جس جگہ وضو کا پانی ٹھہرا تھا وہاں ایک عجیب و غریب درخت درخت پیدا ہوا جس پہ نہایت خوش ذائقہ پھل لگتے تھے۔ یہ پھل بیماروں کے کام آتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات تک وہ درخت رہا۔ وصال کے بعد وہ درخت بھی سوکھ گیا۔ (عبد العزیز ہزاروی۔ سیرۃ مصطفیٰ ؐ۔ ص ۱۸۶) یعنی اس درخت کی ابتدا پیر کے دن ہوئی اور پیر کے دن ہی یہ سوکھ گیا۔

جوں جوں پیر کے دن کی خصوصیات اور اہمیت کے متعلق تحقیق کی گئی، نئی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ پتا چلا کہ پیر کے دن اور پنج شنبہ کے دن امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں (طبقاتِ ابنِ سعد، حصہ چہارم) "ہر پیر (دوشنبہ) اور جمعرات (پنج شنبہ) کو امت کے اعمال حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ اگر امت کے اعمال نیک ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شکر ادا فرماتے ہیں اور اگر اعمال بد ہوں تو خدا تعالیٰ سے اپنی گنہگار امت کی بخشش کی دعا فرماتے ہیں۔" (سید محمد عابد۔ رحمۃ للعالمین ؐ۔ ص ۳۶۱)

پیر کے دن کی اہمیت کے ان دلائل کے پیشِ نظر، کوشش کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیّبہ میں پیر کے دن کے حوالے سے جو خاص واقعات ہوئے، ان کے بارے میں تحقیق کی جائے چنانچہ معلوم ہوا کہ حجرِ اسود کی تنصیب کے معاملے پر قبائلِ عرب میں متوقع لڑائی کو بھی پیر کے دن روکا گیا۔ اللہ کریم نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی نازل کی تو ان کے پسندیدہ دن پیر کو۔ نزولِ وحی کے قریباً تین سال بعد اعلانِ نبوت بھی اسی دن کیا گیا۔ سرکار

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے معراج پر بلایا تو پیر کو۔ حضرت عمرؓ کو خدا سے مانگنے کی دعا بھی پیر کے دن کی گئی۔ ہجرتِ مدینہ میں بھی پیر کے دن کو خاص اہمیت حاصل رہی۔ کفار سے جو جنگیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قیادت میں لڑی گئیں، ان میں سے بہت سے غزوے یا تو پیر کے دن لڑے گئے یا ان غزوات کے لیے سفر کا آغاز پیر کے دن کیا گیا۔ غزوۂ احزاب (خندق) کے لیے فتح کی دعا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے خیمۂ مبارک میں (جہاں اب مسجد فتح ہے) پیر کے دن مانگی۔ مختلف سرایا بھی دوشنبہ سے متعلق دکھائی دیتے ہیں۔ صلح حدیبیہ، عمرۃ القضا، فتح مکہ اور حجۃ الوداع میں بھی دوشنبہ صاف نظر آتا ہے۔ جب حضور آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طبیعت خراب ہوئی تو دوسری بیویوں سے اجازت لے کر آپ پیر کے دن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں منتقل ہو گئے۔ اس کے بعد دوسرے پیر ۱۲ ربیع الاول کو وصال ہوا۔ (مولانا عبد الرؤف داناپوری۔ اصح السیر۔ ص ۵۱۱، ۵۱۲) ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پیر کے دن دنیا میں بھیجا اور پیر ہی کے دن انہیں واپس بلا لیا۔

اللہ کریم نے پیر کے دن کو مختلف حیثیتوں سے اہمیت عطا کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پیر کا دن بہت واضح دکھائی دیتا ہے تو ہمارے لیے ضروری ٹھہرتا ہے کہ ہم بھی اس دن کو بہت اہمیّت دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت پاک کے حوالے سے بھی اس دن کو یاد رکھیں اور منائیں۔ روزہ رکھیں، درود وسلام کی کثرت کریں۔ محافلِ میلاد برپا کریں۔ اس دن ابولہب نے حضرت ثویبہ کو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا تو پیر کا دن عورتوں کی آزادی کا روزِ اوّل ٹھہرا۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید، احادیثِ مقدسہ اور سیرتِ طیّبہ میں جتنی آزادی عورتوں کو دی گئی ہے اور جو اہمیّت انہیں حاصل ہے اس سے سرِ مو انحراف نہ کریں۔

والدینِ مصطفیٰؐ کی شادی پیر کے دن ہوئی، سیدہ خدیجہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نکاح پیر کو ہوا۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت امِ کلثومؓ کی شادی بھی اسی دن ہوئی تو کیا یہ مناسب ہوگا کہ آج کل بھی لوگ شادیاں پیر کے دن کیا کریں۔ حجرِ اسود کو کعبۃ اللہ کی دیوار میں رکھنے پر، قبائل میں جو جھگڑا ہونے والا تھا، وہ بھی پیر کے دن ٹلا تو کیا پیر کو صلح صفائی اور لڑائی جھگڑے ختم کرنے کے دن کے طور پر منایا جانا بہتر نہ ہوگا۔ اسی طرح ہمیں انفرادی اور اجتماعی کاموں کا آغاز اس مبارک دن سے کرنا زیادہ اچھا ہوگا اور جب پیر کو امت کے اعمال حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں تو کتنا اچھا ہو، اگر ہمارے اعمال اس کیفیت میں پیش ہوں کہ ہم اس وقت اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور ہدیۂ درود و سلام پیش کر رہے ہوں۔

خدا کرے، ہم پیر کے دن کے پیشِ نظر اپنے کاموں کی ابتدا اس دن کریں اور اس دن زیادہ سے زیادہ عبادت کریں اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں زیادہ سے زیادہ درودِ پاک پیش کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہوں۔ آمین۔

شہناز کوثر

ڈپٹی ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور

ولادتِ پاک

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا میں تشریف لانے کے لیے پیر کے دن کا انتخاب کیا گیا۔ نور بخش توکلی کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۱۲ ربیع الاوّل[۱] کو دوشنبہ کے دن فجر کے وقت پیدا ہوئے۔ جس وقت آسمان پر ستارے نظر آ رہے تھے[۲] اس بات پر تمام سیرت نگار متفق ہیں کہ پیر کا دن تھا اور ربیع الاوّل کا مہینا تھا[۳] حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دوشنبہ کو پیدا ہوئے۔ دوشنبہ ہی کو نزولِ وحی ہوئی اسی دن ہجرت کی اور دوشنبہ ہی کو مدینہ منورہ میں داخل ہوئے[۴] حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپؐ پیر کے دن روزہ کیوں رکھتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ میں اسی دن پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پہ وحی کی ابتدا ہوئی[۵]

سیرت نگاروں کے ساتھ ساتھ شعراء کرام نے بھی عیدِ میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے موضوع پر شعر کہتے ہوئے دوشنبہ (پیر) کا ذکر کیا ہے فارسی کی ایک منظوم سیرت "نبیؐ نامہ عرف حملۂ احمدی" کی جلد اوّل ہمارے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے لیکن اس کے اوّلین صفحات پر شاعر کا نام درج نہیں ہے کتاب مطبع مفید عام اکبر آباد سے ۱۲۹۹ھ میں چھپی۔ کتاب ناقص الآخر ہے۔ اس میں پیر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادتِ پاک کے متعلق یہ شعر ہیں۔

بگویند جملہ ز اہلِ سِیَر ... کہ روزِ دوشنبہ سعادت اثر
بود روزِ میلادِ خیر الانامؐ ... علیہ الصلوٰۃ و علیہ السلام[۶]

اردو کے چند نعت گو شعراء کرام کے اس موضوع پر اشعار ملاحظہ فرمائیں

حسن رضا خاں بریلوی:

قربان اے دوشنبے تجھ پر ہزار جمعے
وہ فضل تو نے پایا صبحِ شبِ ولادت ۷

حافظ پیلی بھیتی:

۶۷۵۰
بعدِ آدم شش ہزار و ہفصد و پنجاہ سال
جب ہوئے پورے تو وہ نورِ خدا پیدا ہوتے
دن دوشنبہ کا تھا وہ، اور بارہویں تاریخ تھی
صبحِ صادق تھی کہ وہ شمس الضحیٰ پیدا ہوتے ۸

حافظ جونپوری:

دوشنبہ کو ہوئے پیدا محمد سرورِ عالم
دوازدہ تھی ربیع اوّل کی شانِ مولدِ حضرت ۹

مفتی احمد یار خاں سالک نعیمی:

ماہِ ربیع الاوّل آیا — رب کی رحمت ساتھ میں لایا
وقتِ مبارک رات سہانی — صبح کا تڑکا ہے نورانی
پیر کا دن، تاریخ ہے بارہ — فرش پہ چمکا عرشی تارا ۱۰

ضیاء القادری بدایونی:

مبارک بارہویں تاریخ تھی اور پیر کا دن تھا
شرف کی رات، عزت کی سحر، توقیر کا دن تھا ۱۱
دوشنبہ کی مبارک صبح تکبیروں کے نغموں میں
محمد مصطفےٰ روحی فداہ، صلِّ علیٰ آتے ۱۲

اختر الحامدی الضیائی:

ہے اوج پہ کوکبِ دوشنبہ
آئی سحرِ شبِ دوشنبہ ۱۳

عزیز حاصل پوری

افضل الایّام ہے یومِ دوشنبہ نور کا
اس مبارک یوم کا ہے لمحہ لمحہ نور کا ۱۴

صابر براری (کراچی)

بوقتِ صبحِ صادق، بارھویں شب، روزِ دوشنبہ
ہوئے ماہِ ربیع الاوّل میں شاہِ دیں پیدا ۱۵

رانا بھگوان داس بھگوان (لاڑکانہ)

وہ ربیع الاوّل و دوشنبہ و وقتِ سحر
مرحبا اہلاً و سہلاً حضرتِ خیر البشر ۱۶

صائم چشتی (فیصل آباد)

پیر کے دن جہانوں کا پیر آگیا
بے مثال آگیا۔ بے نظیر آگیا ۱۷

راجا رشید محمود (ایڈیٹر ماہنامہ "نعت"، لاہور)

دن ایک سے خدا نے بنائے سبھی مگر
اک "روز" محترم نہ کیوں سارے دنوں سے ہو
یہ دن خدا کا ہم پہ ہے احسان بہت بڑا
تشریف لائے دنیا میں سرکار پیر کو ۱۸
ہوا جب ہم پہ احسان کبریا کا
تولّد جب ہوئے سرکارِ والا
مہینا تھا ربیع الاوّلیں کا
دوشنبہ دوسرا، تاریخ بارہ ۱۹

حواشی

١ ـــ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخِ ولادت بعض سیرت نگاروں نے ٨ ربیع الاوّل بتائی ہے آج کل محمود پاشا فلکی کے حوالے سے لوگ ٩ ربیع الاوّل بھی لکھنے لگے ہیں۔ (شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل مطبوعہ دینی کتب خانہ لاہور۔ ص ١٧٦/ سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد اوّل۔ ص ٤٠/ پرویز، غلام احمد۔ معراجِ انسانیت۔ ص ٧٠/ افضل حق، چودھری۔ محبوبِ خدا۔ ص ٢٠/ ابوالکلام آزاد۔ رسولِ رحمت (مرتبہ غلام رسول مہر) ص ٣٧)

لیکن البدایہ والنہایہ (حصہ دوم۔ المکتبۃ المعارف، بیروت ١٩٧٧ء ص ٢٦٠) بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی (جلد دوم۔ مطبوعہ بیروت ص ١٨٩) اور السیرۃ النبویہ (از ابنِ کثیر حصہ اوّل۔ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت۔ ص ١٩٩) میں حضرت جابرؓ اور حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت نقل ہے کہ حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں پیر کے دن بارہویں ربیع الاوّل کو ہوئی۔ سیرتِ ابنِ اسحاق کا انگریزی ترجمہ لندن یونیورسٹی کے عربی پروفیسر اے گلیوم نے کیا ہے جو آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے ١٩٥٥ء میں چھپا۔ اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا دن ١٢ ربیع الاوّل (پیر) لکھا ہے (ص ٦٩) ابنِ ہشام، ابنِ کثیر، ابنِ جوزی، ابنِ حجر عسقلانی، طبری اور یوسف بن اسماعیل نبہانی (رحمہم اللہ) سب ١٢ ربیع الاوّل ہی لکھتے ہیں (سیرۃ ابنِ ہشام (اردو ترجمہ عبدالجلیل صدیقی) جلد اوّل۔ ص ١٨٢/ السیرۃ النبویہ از ابی الفدا اسمٰعیل ابنِ کثیر حصہ اوّل۔ ص ١٩٩/ الوفا باحوال المصطفیٰؐ (مترجم عبدالحلیم شرر) دلگداز پریس لکھنؤ۔ ص ٤٠/ احمد بن حجر۔ الردّ الشافی الوافر۔ دار الارشاد بیروت۔ ص ٣٢/

نقوش۔ رسولؐ نمبر جلد اوّل۔ ص ١٨/ الانوار المحمودیہ۔ مترجم پروفیسر غلام ربانی عزیز ص ٤٣ (یہ کتاب علامہ قسطلانی کی مشہور زمانہ تصنیف "المواہب اللدنیہ" کی تلخیص ہے جو علّامہ نبہانی نے کی)

برِّ صغیر کے مشہور علماء کرام کی اکثریت نے ١٢ ربیع الاوّل ہی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا یوم ولادت لکھا ہے (شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی۔ سرور المحزون ترجمہ نور العیون۔ مطبع محمدی لاہور۔ ١٩٩١۔ ص ٣/ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ مدارج النبوۃ (مترجم غلام معین الدین نعیمی) ص ٢٣/ احمد رضا خاں بریلوی، اعلیٰ حضرت۔ نطق الہلال بارخ ولاد الحبیب والوصال۔ ص ٤/ تبرکاتِ صدر الافاضل (مرتبہ غلام معین الدین نعیمی) ص ١٩٩/ عنایت احمد کاکوروی، مفتی۔ تواریخِ حبیبِ الٰہ۔ ص ١٣/ سرسیّد احمد خاں۔ سیرتِ محمدیؐ ص ٢١٠/ سیّد امیر علی۔ روحِ اسلام (مترجم محمد ہادی حسین) ص ٨١/ امۃ اللہ تسنیم (مولانا ابوالحسن علی ندوی کی ہمشیرہ) ہمارے حضورؐ۔ ص ٢٢/ محمد ولی رازی۔ ہادیِ عالمؐ۔ ص ٣٤/ خاتونِ پاکستان (ماہنامہ) کراچی۔ رسولؐ نمبر ١٩٦٤۔ ص ١١٠ (مشہور ماہرِ تقویم مولانا سیّد عبدالقدوس ہاشمی مصنّف "تقویم تاریخی" کا مضمون "سیرت کی بعض ضروری تاریخیں")/ عمر ابوالنصر۔ نبیؐ اُمی۔ (مترجم شیخ محمد احمد پانی پتی) ص ٥٦/ محمد سلیمان ندوی، سیّد۔ رحمتِ عالمؐ۔ ص ١٣/ نور بخش توکلی۔ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ٣٤/ ساجد الرحمٰن۔ سیرتِ رسولؐ۔ ص ٦/ عبدالشکور فاروقی لکھنوی۔ ذکرِ حبیبؐ۔ ص ٢٧/ محمد کرم شاہ، پیر۔ ضیاء القرآن جلد پنجم۔ ص ٦٦٥/ الفقیہ (ہفت روزہ) امرتسر۔ میلاد نمبر۔ ١٩٣٢۔ ص ٤٠ (مضمون مجالسِ میلادِ نبویؐ از مولانا حکیم محمد عالم آسی) اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ جلد ١٩۔ ص ١٢/ محمد عاشق الٰہی میرٹھی، مولانا۔ تاریخِ اسلام۔ ص ٣٥/ خواجہ حسن نظامی۔ میلاد نامہ اور رسولؐ بیتی۔ اشاعت دہم ١٩٣٨۔ ص ٢٤/ حیرت دہلوی، میرزا۔ المحمدؐ۔ مطبوعہ دہلی۔ ص ١٣٥۔ اور بہت سے دوسرے۔

ماہنامہ نعت لاہور نے اپنے خاص نمبر "میلاد النبی ﷺ حصہ اوّل" (اکتوبر ۱۹۸۸) کے لیے سیّد محمد سلطان شاہ سے مقالہ "یومِ ولادت رسولِ خدا ﷺ" لکھوایا جو بعد میں اضافوں کے ساتھ "یومِ ولادت مصطفیٰ ﷺ" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس کتاب میں تفصیلی بحث کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یومِ ولادت ۱۲ ربیع الاوّل ہی ہے۔ پیر (دوشنبہ) کے دن میں تو کوئی اختلاف ہے ہی نہیں!۔

علّامہ شبلی نے محمود پاشا فلکی کی "تحقیق" پر انحصار کیا ہے اور ان کے تتبع میں بہت سے لوگ اب محمود پاشا کا نام لے کر ۹ ربیع الاوّل لکھنے لگے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے کے تقویمی حسابات ممکن ہی نہیں (تفصیل کے لیے دیکھیے سیّد محمد سلطان شاہ کی کتاب۔ ص ۱۱۔۴۷) چنانچہ دورِ حاضر کے مشہور عالم مفتی محمد شفیع مرحوم لکھتے ہیں "اس پر اتفاق ہے کہ ولادتِ باسعادت ماہِ ربیع الاوّل میں دوشنبہ کے دن ہوئی لیکن تاریخ کی تعیین میں چار اقوال مشہور ہیں۔ دوسری، آٹھویں، دسویں، بارہویں ...... مشہور قول بارھویں تاریخ کا ہے۔ یہاں تک کہ ابن البزار نے اس پر اجماع نقل کر دیا اور اسی کو کامل ابن اثیر نے اختیار کیا ہے اور محمود پاشا فلکی مصری نے جو نویں تاریخ کو بذریعہ حسابات اختیار کیا ہے، یہ جمہور کے خلاف بے سند قول ہے" (محمد شفیع، مفتی۔ سیرتِ خاتم الانبیاء ﷺ۔ ناشر بیگم عائشہ باوانی وقف کراچی، ۱۴۰۲ھ۔ ص ۱۸/ نعت (ماہنامہ) لاہور۔ میلاد النبی ﷺ حصہ اوّل۔ اکتوبر ۱۹۸۸۔ ص ۳۲۔ ایڈیٹر نعت کا نوٹ)

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں "ربیع الاوّل کی کون سی تاریخ تھی اس میں اختلاف ہے لیکن ابن ابی شیبہ ؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کا قول نقل کیا ہے کہ آپ ۱۲ ربیع الاوّل کو پیدا ہوئے تھے۔ اس کی تصریح محمد بن اسحاق نے کی ہے اور جمہور اہلِ علم میں یہی تاریخ مشہور ہے (ابو الاعلیٰ مودودی، علامہ۔ سیرتِ سرورِ عالم ﷺ۔ ص ۹۳، ۹۴)

مشہور شیعہ عالم آقائے جعفر سبحانی اس موضوع پر یوں رقمطراز ہیں۔ "محدثینِ شیعہ میں معروف ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سترہ ربیع الاوّل بروز جمعہ طلوعِ فجر کے بعد دنیا میں آئے۔ اور اہلِ تسنّن کے درمیان معروف یہ ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ولادت سوموار کے دن بارہ ربیع الاوّل کو ہوئی ہے۔ مقریزی نے تمام اقوال کو جمع کیا ہے" (جعفر سبحانی۔ فروغِ ابدیت (مترجم نصیر حسین) ص ۱۰۱) یہی بات ہاشم رسولی محلاتی نے اپنے مضمون "پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے والدین" میں لکھی ہے لیکن حاشیے میں یہ بھی ہے "البتہ شیعہ محدّثین کے درمیان ثقۃ الاسلام کلینی ؒ بھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تاریخ ولادت کے سلسلے میں اہلِ سنّت کے ہم عقیدہ ہیں اور انہوں نے بارہ ربیع الاوّل ہی کو اختیار کیا ہے۔ (دوماہی "توحید" قم (ایران) اگست ستمبر ۱۹۹۱۔ ص ۱۶۳)

یہ شیعہ محدّث (کلینی) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے متعلّق بھی دوسرے شیعہ سیرت نگاروں سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ چنانچہ نقوش میں ہے "ابنِ سعد نے اس (پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت) کی تاریخ دوشنبہ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ بیان کی ہے۔ یہ تاریخ اس اعتبار سے متفق علیہ ہے کہ کلینی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے (کلینی الواب التاریخ بحوالہ نقوش۔ رسول ﷺ نمبر۔ جلد دوم۔ صفحہ ۶۰۔ مضمون "سیرتِ نبوی ﷺ توقیت کی روشنی میں" از مولوی اسحٰق النبی علوی) دورِ حاضر کے نامور مؤرخ ڈاکٹر حمید اللہ کہتے ہیں "سُنّی مسلمانوں میں یومِ ولادت ربیع الاوّل کی بارھویں کو منایا جاتا ہے۔ (حمید اللہ، ڈاکٹر، محمد۔ رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی۔ ص ۴۷)

"سیرۃ الرسول ﷺ من القرآن" (صفحہ ۸۸) از سیّد محمد رضوان اللہ اور انتظام اللہ

شہابی میں بھی ۱۲ ربیع الاوّل بروز دوشنبہ لکھا ہے۔ اور خواجہ عبدالقدوس صدیقی نے اپنی تالیف "رسول اللہ کا نظامِ زندگی" (صفحہ ۱۴) میں بھی ۱۲ ربیع الاوّل ہی کو تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح خواجہ محمد مرتضیٰ کی تالیف "خدا کی رحمت" طبع سوم۔ ۱۲۹۷ھ مطبع نولکشور، کانپور۔ ص ۱۰، ۱۱) اور حکیم رحمان علی کی "المشاہد" (طبع اوّل۔ ماہِ اگست ۱۹۰۶ء مطابق رجب المرجب ۱۳۲۴ھ مطبع منشی نولکشور ص ۳) میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش مبارک ۱۲ ربیع الاوّل روز دوشنبہ کو تسلیم کی گئی ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنی پیدائش کا دن پیر بتایا۔ جب صحابہ کرام اور تابعین اور بعد کے جلیل القدر علماء کرام، سیرت نگاروں اور مؤرخین نے یہ دن ۱۲ ربیع الاوّل کو قرار دیا ـــــ تو کسی محمود پاشا فلکی یا اس کے متبع کا کہنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور ۱۲ ربیع الاوّل ہی کو عیدِ میلادالنبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تسلیم کرنا درست ہے۔

۲ ـــــ نور بخش توکلی۔ سیرتِ رسولِ عربی ؐ۔ ص ۴۳

۳ ـــــ اشرف علی تھانوی، مولانا۔ حبیبِ خدا۔ ص ۲۹ / ابوالحسن علی ندوی، مولانا نبیٔ رحمت ؐ۔ ص ۱۰۲ / غلام احمد حریری۔ سیرۃ سرورِ انبیاء ؐ۔ ص ۱۷ / سیّد اولاد حیدر فوق بلگرامی۔ اُسوۃ الرسول ؐ۔ جلد دوم۔ ص ۸ / محمد میاں صدیقی۔ خطباتِ رسول ؐ ص ۱۷ / عطاء اللہ خاں عطار، مولانا۔ رحمتِ دو عالم۔ ص ۶۷ / غلام نبی، حکیم ایم اے۔ سراپائے اقدس۔ ص ۵ / ماہِ نو۔ سیرتِ پاک ؐ کے مضامین کا انتخاب مطبوعہ ۱۹۶۶ء ص ۱۵ / شبلی۔ سیرت النبی ؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۷۶ / محمد صالح النقشبندی سرورِ عالم ؐ۔ ص ۲۷۔

۴ ـــــ احمد بن حنبل ؒ / بیہقی / عزیز الرحمٰن، مفتی۔ رسالتمآب ؐ۔ ص ۹۔

۵ ـــــ مسلم شریف بروایت حضرت قتادہ ؓ / نعت (ماہنامہ) لاہور۔ اکتوبر۔ میلاد

النبی ؐ نمبر (حصہ اوّل) ص ۳۴ (مضمون بالمولد النبوی الشریف از ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی / نعت (ماہنامہ) لاہور نومبر ۱۹۸۸ء۔ میلاد النبی ؐ نمبر (حصہ دوم) ص ۴۱ (مضمون محافلِ میلاد از راجا رشید محمود)

۶ ـــــ نبی ؐ نامہ عرف حملۂ احمدی۔ جلد اوّل۔ مطبوعہ مطبع مفیدِ عام، اکبر آباد ۱۲۹۹ھ ص ۱۷۔

۷ ـــــ حسن رضا بریلوی۔ ذوقِ نعت۔ ص ۲۸ / نعت (ماہنامہ) لاہور۔ میلاد النبی ؐ حصہ دوم۔ نومبر ۱۹۸۸ء۔ ص ۱۰۵۔

۸ ـــــ حافظؔ پیلی بھیتی، حافظ خلیل الدین حسن۔ نغمۂ روح۔ نظامی پریس بدایوں بار اوّل۔ ۱۳۲۸ھ / راجا رشید محمود (مرتّب) نعتِ حافظ۔ ص ۲۴۹ / نعت (ماہنامہ) لاہور۔ میلاد النبی ؐ حصہ سوم۔ دسمبر ۱۹۸۸ء۔ ص ۱۰

۹ ـــــ حافظؔ جونپوری۔ حافظ الاسلام۔ حصہ دوم۔ ص ۲۳۔

۱۰ ـــــ سالکؔ نعیمی، مفتی احمد یار خاں۔ دیوانِ سالک۔ ص ۱۰، ۱۱۔

۱۱ ـــــ ضیاء القادری، بدایونی، علامہ یعقوب حسین۔ نغمۂ ربّانی۔ آستانہ بک ڈپو دہلی۔ ص   / نعت (ماہنامہ) لاہور۔ میلاد النبی ؐ حصہ اوّل۔ ص ۳۷۔

۱۲ ـــــ انیس احمد نوری (مرتب) مجموعۂ نعت حصہ دوم۔ ص ۱۸۱

۱۳ ـــــ اخترؔ الحامدی، سیّد محمد مرغوب۔ نعت محل۔ ص ۱۶۷ / نعت (ماہنامہ) لاہور میلاد النبی ؐ حصہ سوم۔ دسمبر ۱۹۸۸ء۔ ص ۹۔

۱۴ ـــــ عزیزؔ حاصل پوری۔ جامِ نور۔ ص ۵۔

۱۵ ـــــ صابر براری۔ جامِ طہور۔ ص ۲۳۔

۱۶ ـــــ محفل (ماہنامہ) لاہور۔ خیر البشر ؐ نمبر۔ ص ۲۱۹۔

۱۷ ـــــ صائمؔ چشتی۔ بہاراں مسکراپیاں۔ ص ۱۰۔

۱۸ ـــــ ملتان روڈ نیوز (ہفتہ وار اخبار) لاہور۔ ۱۷ اگست ۱۹۹۰ء۔ ص ۳۔

۱۹ ـــــ راجا رشید محمود کے زیرِ ترتیب مجموعہ قطعاتِ نعت سے۔

پہلے دوشنبہ (پیرؔ) کے معجزاتؔ

حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کائناتِ عالم میں تشریف آوری دوشنبہ (پیر) کو ہوئی۔ حیاتِ طیبّہ کے اس پہلے پیر کو ایوانِ کسریٰ میں زلزلہ آگیا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے۔ نارِ فارس بجھ گئی جو ایک ہزار سال سے نہیں بجھی تھی اور اس کے علاوہ بحیرہ ساوہ خشک ہوگیا۔[1]

حضور حبیبِ خالق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب آپؐ پیدا ہوئے تو میرے بدن سے ایک نور طلوع ہوا جس سے شام کے محل روشن ہوگئے۔ آپؐ کسی گندگی کے بغیر پاک صاف پیدا ہوئے۔[2] عثمان بن ابی العاص کی والدہ فرماتی ہیں کہ ولادت کے وقت جدھر نظر جاتی تھی، نور ہی نور تھا۔[3]

قریشِ مکہ کے چند معتبر افراد ورقہ بن نوفل، زید بن عمر بن نفیل، عبیداللہ بن جحش اور عثمان بن حویرث ایک بت کے پاس جمع ہوا کرتے تھے۔ ایک رات انہوں نے اس بت کو منہ کے بل گرا ہوا پایا۔ انہوں نے اس بات کو مکروہ جانتے ہوئے اس بت کو سیدھا کھڑا کر دیا۔ مگر وہ پھر منہ کے بل گر گیا۔ بعد میں عثمان بن حویرث نے بتایا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت کی رات تھی۔[4]

سید محمد عابد اس واقعے میں یوں اضافہ کرتے ہیں کہ جب بت ہر بار اوندھا گرتا رہا تو عثمان بن حویرث نے کہا کہ آج ضرور کوئی اہم واقعہ ہوگیا ہے۔ اس پر بت کے اندر سے آواز آئی کہ بت گرنے کی وجہ ایک نوری فرزند ہے جن کے نور نے مشرق سے مغرب تک کے میدان نور سے روشن کر دیئے ہیں۔ اور روئے زمین کے تمام بت اس کی تعظیم میں سربسجود ہوگئے ہیں۔ اس کی وجہ سے دنیا بھر کے بادشاہوں کے دل دہل گئے ہیں۔ شاہِ فارس کی آگ بجھ گئی ہے

جس کا شاہِ فارس کو بہت صدمہ ہے۔ کاہنوں کے جنّات نے انہیں خبریں دینا بند کر دیا ہے۔ اسے اولادِ قصیٰ! تم اپنی بت پرستی اور گمراہی سے باز آکر اسلام اور جنت کی طرف چلو۔ بت کی یہ بات سن کر اس گروہ کے چند آدمی اسی دن اسلام کی طرف راغب ہو کر (بعد میں) مشرف بہ اسلام ہوئے۔[5]

مفتی عنایت احمد کاکوروی لکھتے ہیں کہ یہ بات سوائے اہلِ اسلام کے زردشتیوں کی تاریخ میں بھی لکھی ہے کہ روئے زمین کے سارے بت آپؐ کی ولادت کے وقت سرنگوں ہوگئے تھے۔[6]

آپؐ کے میلادِ اقدس پر گرے بت منہ کے بل
"اللہ اللہ" دہر کی ہر شے پکاری۔ واہ واہ
(ابوالطاہر فدا حسین فدؔا)[7]

حضرت عبدالمطلب فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت کے وقت وہ طوافِ کعبہ میں مصروف تھے۔ وقتِ ولادت انہوں نے کعبہ کو مقامِ ابراہیم کی طرف سجدہ کرتے اور اللہ اکبر کی آوازیں بلند کرتے دیکھا اور کہتے سنا کہ اب مجھے مشرکوں کی نجاستوں اور زمانہ جہالت کی ناپاکیوں سے پاک و صاف کر دیا گیا۔ اور پھر تمام بت جھک گئے اور ایک صدا سنائی دی کہ حضرت آمنہؓ کے ہاں محمدؐ پیدا ہو چکے ہیں۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب کوہ صفا پر چلے گئے۔ کوہ صفا کو انہوں نے پُرغوغا دیکھا۔ یوں لگتا تھا کہ تمام پرندے اور بادل مکہ پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔[8]

عبدالرحمٰن بن عوف کی والدہ شفا فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدا ہوئے تو میں نے ایک آواز سنی۔ کوئی کہہ رہا تھا "آپؐ پر اللہ کی رحمت ہو"۔[9]

حضرت آمنہؓ فرماتی ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدا ہوئے تو آپ سجدہ میں پڑ گئے اور دونوں انگلیاں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے۔[10]

آپ نے سجدہ میں جانے کے بعد انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر فصیح زبان میں فرمایا "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں"۔[11]

حضرت آمنہ رضؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت حضرت حوا، سارہ، ہاجرہ اور آسیہ موجود تھیں۔ ان چاروں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک زرّیں طشت پر آبِ کوثر سے نہلایا اور سر مبارک پر سبز کپڑا باندھ کر اور عطرِ بہشت مل دیا اور حضرت آمنہ کی گود میں لٹایا تو اس وقت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کیا اور کہا "ربِّ ھَبْ لِی اُمَّتِیْ" یعنی خدایا میرے واسطے میری امت کو بخش دے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں نے تیری بلند ہمتی کی وجہ سے تیری امت کو بخش دیا۔ پھر فرشتوں سے فرمایا کہ اے فرشتو! گواہ رہنا کہ میرا حبیب اپنی ولادت کے وقت بھی اپنی امت کو نہیں بھولا، تو قیامت کے دن کس طرح بھولے گا [۱۲]

امام سُہیلی نے روایت بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوتے تو آپ نے کلام فرمایا اور کہا میرے پروردگار کا جلال بہت بلند ہے ایک دوسری روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے اسی کے لیے کبریائی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے بہت تعریفیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے صبح وشام پاکیزگی ہے [۱۳]

عثمان بن ابی العاص اپنی والدہ سے راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت کعبہ نور سے معمور ہو گیا اور ستارے زمین سے اس قدر نزدیک آگئے کہ مجھے یوں لگا کہ یہ مجھ پر گر پڑیں گے [۱۴]

عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس وقت سے خاتم النبیین ہوں کہ ابھی آدمؑ کیچڑ میں پڑے تھے۔ نیز میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا، حضرت عیسیٰؑ کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں جو اس نے اور انبیاء کی ماؤں نے دیکھا تھا [۱۵]

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میرے رب کی عنایتوں سے جو اس نے مجھ پر کی ہیں ایک یہ بھی ہے کہ

مادرزاد مختون پیدا ہوا۔ کسی شخص نے میرا ستر نہیں دیکھا [۱۶]

علامہ قسطلانی، مولانا عبدالرحمٰن جامی اور شیخ عبدالحق محدّث دہلوی لکھتے ہیں "آپؐ مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے" [۱۷]

"سرور القلوب بذکر المحبوبؐ" میں ہے کہ فرشتے آپؐ کو آسمان کی طرف لے گئے۔ پروردگار نے تاجِ کرامت اور خلعتِ عظمت عنایت فرمایا [۱۸]

حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا جس کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے ایک آواز سنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عالم کی سیر کرائی گئی ہے تاکہ تمام مخلوق آپؐ کی صفات آپؐ کی صورت اور اسمِ گرامی سے آشنا ہو جائے۔ یہ بادل صرف ایک لمحہ کے لیے متوزر رہا۔ اس کے بعد پہلے سے بڑا بادل آیا۔ اس میں میں نے انسانوں، گھوڑوں کی آوازیں سنیں، ایک آواز سنائی دی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام جن وانس اور چرند پرند دکھائے گئے۔ پھر آپ کو آدمؑ کی صفوت و بزرگی، نوحؑ کی رقت، حضرت ابراہیمؑ کی سی آزمائش، حضرت اسماعیلؑ کی زبان، یوسفؑ کا جمال، یعقوبؑ کا بُشرہ، داؤدؑ کی صورت، ایوبؑ کا صبر، یحییٰؑ کا زہد، عیسیٰؑ کی سخاوت عطا ہوئیں۔ یہ بادل بھی صرف لمحہ بھر کے لیے روشن ہوا [۱۹]

عربوں کا رواج تھا کہ رات کے وقت پیدا ہونے والے بچے کو پتھر کی ہنڈیا یا کونڈے کے نیچے ڈھانک دیتے تاکہ صبح سے پہلے لوگ اسے نہ دیکھ سکیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کے وقت پیدا ہوئے اس لیے آپؐ کو بھی پتھر کے کونڈے تلے ڈھانکنے کی کوشش کی گئی مگر پتھر کا برتن پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور آپؐ اس وقت آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے اور اپنے انگوٹھے مبارک کو چوس رہے تھے جس سے دودھ جاری تھا [۲۰]

دایہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت آپؐ کو نہلانے کا ارادہ کیا تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فصیح زبان سے فرمایا۔ میں آب

رحمت سے غسل دیا گیا ہوں، ازل میں بھی پاک تھا اور اب بھی پاک پیدا ہوا ہوں [۲۱]

وقتِ ولادت ملکِ یمن میں عامر نامی ایک شخص اپنے بت خانہ میں بیٹھا تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نور ہر جگہ مشرق، مغرب، شمال، جنوب اور زمین و آسمان پر پھیل گیا۔ عامر اپنے دروازے سے آسمان سے ملائکہ کو اترتے اور پہاڑوں اور درختوں کو سجدہ کرتے دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ اس کا بت اوندھا گر گیا اور اس میں سے آواز آئی کہ وہ نبیؐ جن کا سینکڑوں برس سے انتظار تھا، اس دنیا میں تشریف لے آئے ہیں۔ ان سے درخت اور پتھر کلام کریں گے۔ ان کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوگا۔ عامر کی بیوی نے یہ سن کر بت سے معلوم کیا کہ اس نبی کا کیا نام ہے اور کہاں پیدا ہوئے۔ بت نے آپؐ کا نام بتایا۔ اس عامر کی ایک اپاہج بیمار لڑکی تھی، جب اس نے ولادت مبارک کا نور دیکھا تو عرض کی، الٰہی! اس نور میں اگر برکت ہے تو اس کا حصہ مجھے بھی ملے۔ اس پر وہ فوراً تندرست ہو گئی۔ عامر اپنی بیٹی کی اس تندرستی پر سخت حیران ہوا اور آپؐ کی زیارت کے لیے مکہ مکرمہ پہنچا۔ تلاش کے بعد حضرت آمنہؓ کے درِ دولت پر پہنچا۔ عرض کی کہ خدا کے واسطے مجھ غریب الوطن عاشقِ زار کو اپنے صاحبزادے کا جمال دکھا دیں۔ حضرت عبدالمطلبؓ آپؐ کو گود میں اٹھا کر لے آئے۔ آپؐ کو دیکھتے ہی عامر آپؐ کے قدموں پر جاں بحق ہو گیا [۲۲]

حواشی

۱ ـــــ جلال الدین سیوطی۔ الخصائص الکبریٰ جلد اول۔ ص ۱۰۱/ الوفا ص ۱۲۷

۲ ـــــ الخصائص الکبریٰ (جلد اوّل) ص ۹۴/ مدارج النبوت (دوم) ص ۲۴

۳ ـــــ مودودی، علامہ۔ سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ ص ۹۵

۴ ـــــ بشیر محمد خاں اعوان، ملک۔ مقامِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۲۵

۵ ـــــ محمد عابد، سید۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ ص ۱۲۷، ۱۲۸

۶ ـــــ عنایت احمد کاکوری۔ تواریخِ حبیب الہٰ۔ ص ۳/ الخصائص الکبریٰ جلد اوّل (مترجم راجا رشید محمود، سید حامد لطیف) ص ۱۰۳

۷ ـــــ نعت (ماہنامہ) لاہور۔ اگست ۱۹۹۱ء۔ "فیضانِ رضا" ص ۴۳

۸ ـــــ شواہد النبوۃ۔ ص ۵۷/ محمد عابد، سید۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ ص ۱۲۴، ۱۲۵/ عبدالمصطفیٰ محمد اشرف۔ سیرتِ سید المرسلینؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۶۰، ۳۶۱۔

۹ ـــــ یوسف بن اسماعیل نبہانی۔ انوارِ محمدیہ (مترجم پروفیسر غلام ربانی) ص ۴۰

۱۰ ـــــ سیرتِ سید المرسلینؐ جلد اوّل۔ ص ۳۵۷/ آغا اشرف۔ مرقعِ نبوت ص ۵۴/ عبدالمالک بن عثمان نیشاپوری۔ شرف النبیؐ (مترجم اقبال احمد فاروقی) ص ۴۳/ محمد رضا، شیخ۔ محمد رسول اللہ۔ (مترجم مولوی محمد عادل قدوسی) ص ۳۰/ احمد بن زین دحلان مکی قاضی، سیرتِ دحلانیہ۔ (مترجم صائم چشتی) ص ۱۴۰۔

۱۱ ـــــ عبدالعزیز، ہزاروی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۴۵/ محمد عابد، سید۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ ص ۱۲۱/ عبدالرحمٰن جامی۔ شواہد النبوۃ۔ ص ۵۶

۱۲ ـــــ شاہ نقی علی خاں، مولانا۔ انوارِ جمالِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۰۴

۱۳ ـــــ سیرتِ دحلانیہ۔ ص ۱۴۲

۱۴ ـــــ نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ۔ ص ۱۴/ انوارِ محمدیہ۔ ص ۳۹/ مدارج النبوت (دوم) ص ۱۴/ بنت منظور حسین اہلیہ ظریف احمد تھانوی۔ ذکر النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ ص ۲۹۔

۱۵ ـــــ انوارِ محمدیہ۔ ص ۳۹، ۴۰

۱۶ ـــــ مقامِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۲۵

۱۷ ـــــ شواہد النبوة ۔ ص ۵۷ / مدارج النبوة (دوم) ، ص ۲۷ / انوارِ محمدیہ ص ۴۲ (المواہب اللدنیہ علامہ قسطلانی کی تالیف ہے جس کی تلخیص علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی نے "انوارِ محمدیہ" کے نام سے کی ہے زیرِ نظر کتاب پروفیسر غلام ربانی عزیز کی مترجمہ ہے ۔)

۱۸ ـــــ نقی علی خاں، مولانا ۔ سرور القلوب بذکر المحبوب ۔ ص ۱۲

۱۹ ـــــ عبدالرحمٰن جامی ۔ شواہد النبوة ۔ ص ۵۵، ۵۶

۲۰ ـــــ سیرتِ حلبیہ ۔ ص ۱۴۵ / الخصائص الکبریٰ جلد اوّل ۔ ص ۱۰۱ / ابنِ جوزی ۔ الوفا ۔ ص ۱۲۴

۲۱ ـــــ انوارِ جمالِ مصطفیٰ ۔ ص ۱۰۶

۲۲ ـــــ عبدالمصطفیٰ محمد اشرف ۔ سیرتِ سید المرسلین جلد اوّل ۔ ص ۳۸۲ تا ۳۸۴ / محمد عابد، سید ۔ رحمۃ للعالمین ۔ ص ۱۲۸، ۱۲۹ ۔



عورتوں[4] کی آزادی کا آغاز

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت کی خوش خبری لے کر حضرت ثویبہؓ[1] بھاگی بھاگی اپنے مالک ابولہب جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چچا بھی تھا کے پاس پہنچیں اور فرمایا کہ تمہارے بھائی عبداللہؓ کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے ۔ ابولہب نے خوشی کی یہ خبر سن کر اپنی لونڈی حضرت ثویبہؓ کو آزاد کر دیا[2] گویا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس دنیا میں تشریف لاتے ہی سب سے پہلے عورتوں کو آزادی کی نوید سنائی ۔ بعد میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات کی وجہ سے ہر قسم کی خاندانی طاقتوں کے ہر قسم کے بندھنوں سے جس طرح عورتوں کو آزادی ملی، وہ حضرت ثویبہؓ کی آزادی کا تکملہ تھا ۔

الوفا اور مدارج میں ہے کہ ابولہب نے ثویبہؓ کو آزاد کرنے کے بعد حکم دیا کہ وہ آپ کو دودھ پلائیں[3] بہرحال حضرت ثویبہؓ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت کے بعد حیاتِ طیبہ کے پہلے پیر کو آزاد ہوئیں اور انہیں آپ کی رضاعی ماںؓ بننے کا شرف حاصل ہوا[5] حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ مکرمہ میں، اور مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے بعد بھی، اس رضاعی ماں کے لیے کپڑے، اشیاء اور تحفے تحائف بھیجے اور جب حضرت ثویبہؓ کی وفات کی خبر سنی تو آپ غمگین ہو گئے[6]

حواشی

۱ ـــــ اردو زبان میں لکھی جانے والی سیرت کی بیشتر کتابوں میں ثوبیہ لکھا جاتا ہے حالانکہ اصل نام ثویبہؓ ہے ۔

۲ ـــــ انوارِ محمدیہ ۔ ص ۴۳ / مسلم شریف / محمد عابد، سید ۔ رحمۃ للعالمین ۔ ص ۱۲۹ /

عبدالعزیز ہزاروی ۔ سیرتِ مصطفےٰ ؐ ۔ ص ۶۰ / عبدالمصطفیٰ محمد اشرف ۔ سیرتِ سیّد المرسلین ؐ (جلد اوّل) ص ۳۸۰ ، ۳۸۱ / معارج النبوۃ (جلد دوم) ص ۱۱۰ / عبدالمصطفیٰ اعظمی ۔ سیرتِ مصطفیٰ ؐ ۔ ص ۶۰ / نور بخش توکلی ۔ سیرتِ رسول عربی ؐ ۔ ص ۴۳ ۔

۳ ـــــ الوفا ۔ ص ۱۲۸ / مدارج النبوت (جلد دوم) ص ۲۹

۴ ـــــ حضرت ثویبہؓ نے اپنے بیٹے مسروح کے علاوہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو بھی چند دن دودھ پلایا تھا ۔ اس طرح مسروح کے علاوہ حضرت حمزہؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رضاعی بھائی تھے ۔ حضرت حمزہؓ رضاعی بھائی ہونے کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خالہ زاد بھائی بھی تھے کیونکہ حضرت حمزہؓ کی والدہ ہالہ حضرت آمنہؓ کی حقیقی بہن تھیں (الوفا ص ۱۲۷ ، ۱۲۸ / سیرت دحلانیہ ۔ ص ۱۳۳)

حضرت حمزہؓ مقوم اور صفیہ کی ماں ہالہ بنت اُہیب تھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نانا وہیب اور حضرت حمزہؓ کے نانا اُہیب حقیقی بھائی تھے (سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ؐ ص ۵۲ / ابن عبدالشکور ۔ سیرتِ سیّد الشہداء حضرت حمزہؓ ۔ ص ۱۷ / عبدالرؤف داناپوری ۔ اصح السیر ۔ ص ۳ ۔

۵ ـــــ مدارج النبوت (جلد دوم) ص ۲۹ / معارج النبوت جلد دوم ص ۱۱۰ / عبدالمصطفیٰ اعظمی ۔ سیرتِ مصطفیٰ ؐ ۔ ص ۶۱ / انوارِ محمدیہ ص ۴۳ / الوفا ص ۱۲۸ / سیرتِ رسولِ عربی ؐ ص ۴۶ / نقوش ۔ رسولؐ نمبر جلد اوّل ۔ ص ۷۰۳ / عزیزالرحمٰن ، مفتی ۔ رسالتمآب ؐ ۔ ص ۱۴

۶ ـــــ معارج النبوت (جلد دوم) ص ۱۱۱ ، ۳۰ / الوفا ۔ ص ۱۳۸

ابولہب کے عذاب میں تخفیف

حضرت ابن عباسؓ بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ ابولہب کی وفات کے بعد میں نے ابولہب کو خواب میں دیکھا ۔ میں نے پوچھا ، تیرا کیا حال ہے ۔ اس نے کہا جس روز سے میری کشتی گرداب حمات میں پھنسی ہے ۔ عذاب وعتاب کی موجوں کے تلاطم میں گرفتار ہوں لیکن ہر دوشنبہ کی رات جس میں ثویبہؓ آزاد ہوئی تھیں ، میرے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے ۔ میری دونوں انگلیوں سبابہ اور وسطیٰ سے پانی کا قطرہ مل جاتا ہے ۔" [1]

مدارج النبوت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں ثویبہؓ کو آزاد کرنے پر ہر پیر کے دن ابولہب پر سے اٹھا لیا جاتا ہے ۔ [2]

حواشی

۱ ـــــ معارج النبوت (جلد دوم) ص ۱۱۰ ، ۱۱۱ / انوارِ محمدیہ ۔ ص ۴۳ ، ۴۴ / محمد عابد ، سیّد ۔ رحمۃ للعالمین ؐ ص ۱۲۹ / عبدالعزیز ہزاروی ۔ سیرتِ مصطفیٰ ؐ ۔ ص ۶۰ ، ۶۱ / عبدالمصطفیٰ ۔ سیرتِ مصطفیٰ ؐ ص ۶۰ / الوفا ۔ ص ۱۲۸ / عبدالمصطفیٰ محمد اشرف ۔ سیرتِ سیّد المرسلین ؐ (جلد اول) ص ۳۸۱ / سیرتِ رسولِ عربی ؐ ۔ ص ۴۴

۲ ـــــ مدارج النبوت ۔ ص ۲۹ ۔



حضرت خدیجہؓ سے نکاح

حضرت خدیجہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نکاح بھی دوشنبہ کے دن ہوا۔[۱] سید معراج جامی اپنے مضمون میں اس بات کا اضافہ کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عقد مبارک جب کہ آپؐ کی عمر ۲۵ سال کی تھی، ماہ جمادی الاوّل کی ۱۹ تاریخ بروز دوشنبہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ سے ہوا۔[۲] ام المومنین حضرت خدیجہ رضؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبوب بیوی تھیں۔ انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شرافت اور ایمانداری سے متاثر ہو کر خود نکاح کا پیغام بھجوایا۔[۳] ۲۵ برس تک آپؐ کے ساتھ رہیں۔ ان ۲۵ برسوں میں وہی آپؐ کی مشیر اور وزیر رہیں۔[۴] آپؐ سے بے پناہ محبت کرتی تھیں۔ اپنے پیغمبر شوہر پر سب سے پہلے ایمان لائیں۔[۵] حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رفاقت میں سب مصائب ومشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتیں۔ ہر معاملے میں آپؐ کی مونس وغم خوار رہیں۔[۶] انہوں نے اپنی تمام دولت یتیموں، بیواؤں، بے کسوں اور حاجت مندوں کے لیے وقف کر دی۔[۷] جب پانچ نمازیں فرض نہ تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نوافل ادا کرتے تھے تو آپؓ ان کے ساتھ نوافل پڑھتیں۔[۸]

حضرت ابراہیمؑ کے سوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تمام اولاد حضرت خدیجہؓ سے ہوئی۔[۹] انہیں جبریل علیہ السلام نے سلام بھیجا اور جنت میں ایسا گھر ملنے کی بشارت دی جو موتیوں کا ہوگا۔[۱۰] حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت خدیجہ رضؓ کی زندگی میں دوسری شادی نہ کی۔[۱۱] جب فوت ہوئیں تو آپؐ قبر میں خود اترے۔[۱۲] آپؐ اکثر انہیں یاد کرتے اور تعریف کرتے۔[۱۳] حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد جب بھی قربانی کرتے تو ان کی سب سہیلیوں کو پہلے بھجواتے اور بعد میں کسی اور کو دیتے۔[۱۴]

جب ان کا کوئی رشتہ دار آتا تو آپؐ اس کی بے حد خاطر مدارات فرماتے۔[۱۵]

حواشی

۱ —— ضیائے حرم (ماہنامہ) لاہور۔ میلاد النبیؐ نمبر۔ نومبر، دسمبر ۱۹۸۹ء ص ۳۳۵

۲ —— الوارث (ماہنامہ) کراچی۔ اپریل ۱۹۹۱ء۔ ص ۲۷ (مضمون "اسلامی مہینوں کے فضائل" تحریر سید معراج جامی)

۳ —— شبلی نعمانی۔ سیرت النبیؐ (حصہ اوّل) ص ۱۹۰/ سیرتِ رسولِ عربیؐ ص ۵۶/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ ص ۱۱۰/ سعید انصاری ندوی، عبد السلام ندوی۔ سیر الصحابیات مع اسوۂ صحابیات۔ ص ۲۲/ طالب الہاشمی۔ تذکارِ صحابیات ص ۳۹/ سعید انصاری، مولانا۔ سیر الصحابیات ص ۲۲/ سلمان منصورپوری رحمۃ للعالمینؐ (حصہ اول) ص ۴۲/ الرحیق المختوم ص ۱۱۰، ۱۱۱/ محمد شریف قاضی۔ اسوۂ حسنہ۔ ص ۲۷/ عبد العزیز ہزاروی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۸۶/ عبد المصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ ص ۷۷

۴ —— سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔ ص ۵۹/ عبد المصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ ص ۱۱۷

۵ —— تذکارِ صحابیات۔ ص ۴۱/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ ۱۲۵، ۱۷۰/ سیر الصحابیات مع اسوۂ صحابیات۔ ص ۲۷، ۳۱/ سیر الصحابیات۔ ص ۳۱/ سلمان منصورپوری رحمۃ للعالمینؐ (حصہ اوّل) ص ۶۵، ۴۹/ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۴۳/ محمد شریف، قاضی۔ اسوۂ حسنہ۔ ص ۵۳/ عبد العزیز ہزاروی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۹۶۔

۶ —— سیر الصحابیات مع اسوۂ صحابیات۔ ص ۲۶/ تذکارِ صحابیات۔ ص ۴۱، ۴۲/

سیرالصحابیات ۔ص ۲۷/ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک ۔ص ۵۹/ عبدالمصطفیٰ اعظمی، سیرتِ مصطفیٰؐ ۹۷، ۱۱۷۔

۷ —— تذکارِ صحابیات ۔ص ۴۱، ۴۲

۸ —— سیرالصحابیات مع اسوۂ صحابیات ۔ص ۲۵/ سیرالصحابیات ۔ص ۲۶

۹ —— سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ ۔ص ۱۱۲/ سیرالصحابیات مع اسوۂ صحابیات ۔ص ۲۹/ تذکارِ صحابیات ۔ص ۴۴، ۵۰، ۴۵/ سیرالصحابیات ۔ص ۳۰/ الرحیق المختوم ۔ص ۱۱۱/ محمد شریف قاضی ۔ اسوۂ حسنہ ۔ص ۴۰/ عبدالمصطفیٰ اعظمی ۔ سیرتِ مصطفیٰؐ ص ۹۷۔

۱۰ —— الرحیق المختوم ۔ص ۲۰۱/ سیرالصحابیات مع اسوۂ صحابیات ۔ص ۳۰، ۳۱/ سیرالصحابیات ۔ص ۳۳

۱۱ —— سیرالصحابیات مع اسوۂ صحابیات ۔ص ۲۹، ۳۰/ تذکارِ صحابیات ۔ص ۴۳/ سیرالصحابیات ۔ص ۳۱/ الرحیق المختوم ۔ص ۱۱۱/ سیرتِ رسولِ عربیؐ ۔ص ۵۶/ عبدالمصطفیٰ اعظمی ۔ سیرتِ مصطفیٰؐ ۔ص ۹۷۔

۱۲ —— عبدالمصطفیٰ اعظمی ۔ سیرتِ مصطفیٰؐ ۔ص ۱۱۷/ سیرالصحابیات ۔ص ۲۹/ سیرالصحابیات مع اسوۂ صحابیات ۔ص ۲۸

۱۳ —— تذکارِ صحابیات ۔ص ۴۳، ۴۴۔

۱۴ —— سیرالصحابیات مع اسوۂ صحابیات ۔ص ۳۰/ تذکارِ صحابیات ۔ص ۴۴/ سیرالصحابیات ۔ص ۳۲۔

۱۵ —— تذکارِ صحابیات ۔ص ۴۴ ۔سعید انصاری ایک واقعہ اس انداز میں نقل کرتے ہیں۔

"ایک دفعہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے آئیں اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ ان کی آواز حضرت خدیجہؓ سے بہت ملتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آواز

سنی تو آپؐ کو حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں۔ آپ جھجک اٹھے اور فرمایا کہ "ہالہ ہوں گی"۔ (سیرالصحابیات مع اسوۂ صحابیات ص ۳۱/ سیرالصحابیات۔ ص ۳۲)

حضرت خدیجہؓ اور ہالہ حقیقی بہنیں ہیں۔ ان دونوں کی والدہ کا نام فاطمہ تھا ہالہ کا صرف ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام ابوالعاص بن الربیع ہے جسے امین بھی کہتے تھے یہ ابوالعاص وہی ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی زینب کا نکاح کیا تھا۔ (اللہ یار خاں، مولانا۔ بنات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ص ۵)



حجرِ اسود کی تنصیب

خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرِ اسود اپنے دستِ مبارک سے رکھا اور وہ پیر کا دن تھا [1]

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ۳۵ برس میں قریش نے خانہ کعبہ کے اس شگاف کو بند کرنا چاہا جو بارش کے سیلاب سے پڑ گیا تھا اور از سرِ نو اس کی تعمیر کرنا چاہی۔ روم سے یاقوم نامی ایک شخص آیا ہوا تھا جو فنِ تعمیر کا ماہر و استاد تھا اس سے کہا گیا کہ اس کی تعمیر کرے۔ تمام قریش پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے .... حجرِ اسود کو اپنی جگہ نصب کرتے وقت قریش میں نزاع و اختلاف واقع ہو گیا۔ ہر قبیلہ اس اعزاز کا دعویدار تھا۔ قریب تھا کہ ان میں جنگ اور خون ریزی کی نوبت آ جائے۔ مگر ان میں یہ قرار پایا کہ جو شخص صبح کے وقت سب سے پہلے مسجدِ حرام میں داخل ہو اسے ثالث بنا لیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے مسجدِ حرام میں داخل ہوتے۔ سب نے کہا امین تشریف لائے۔ اور سب آپ کی ثالثی پہ راضی ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کو بچھایا اور حجرِ اسود کو اس کے درمیان رکھا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی آئے اور اس کا کنارہ پکڑے۔ جب وہ سب اٹھا کر اس کی جگہ لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرِ اسود کو اٹھا کر اپنے دستِ مبارک سے اس کی جگہ نصب فرما دیا [2]

اس طرح ہر قبیلہ اس ثواب یا اس سعادت میں بھی شریک ہو گیا اور کسی کو ایک دوسرے پر کوئی فوقیت بھی حاصل نہ ہوئی جو باعثِ فساد ہو سکتی تھی [3]

حواشی

۱ ـــــ عبد الرحمٰن چشتی، شیخ۔ حضرت محمد مصطفیٰ ؐ۔ ص ۵ (مترجم واحد بخش سیال) / باڈلے۔ الرسول ؐ۔ ص ۶۴ (مترجم ایم ایس ناز، ڈاکٹر) / عزیز الرحمٰن، مفتی۔ رسالتمآب ؐ۔ ص ۹ / عبد الرحمٰن ابن جوزی "الوفا"۔ ص ۲۹۹

۲ ـــــ عبد الحق محدث دہلوی، شیخ۔ مدارج النبوت (جلد دوم) ص ۴۵

۳ ـــــ مولوی (ماہنامہ) دہلی۔ رسول ؐ نمبر۔ صفر و ربیع الاول ۱۳۵۱ھ۔ ص ۵۷ (مضمون "رسالت سے پہلے" از ڈاکٹر سعید احمد)



نزولِ وحی

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو حضور نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ پیر کو میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھے پیغمبر بنایا گیا یا جس میں مجھ پر وحی نازل کی گئی [1]۔

علی اصغر چودھری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ "جب آپؐ کی عمر کے انتالیس سال تین ماہ اور سولہ دن گزر چکے تو نو ربیع الاول بروز دوشنبہ بمطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء رات کے وقت جب کہ آپؐ غارِ حرا محوِ تحنث تھے، جبریلِ امین حاضر ہوئے [2]

"الرحیق المختوم" میں ہے کہ ہماری تحقیق کے مطابق یہ واقعہ ۲۱ رمضان المبارک دوشنبہ کی رات پیش آیا اس روز اگست کی ۱۰ تاریخ تھی، پس قمری حساب سے آپؐ کی عمر چالیس سال چھ ماہ بارہ دن اور شمسی حساب سے ۳۹ سال ۳ ماہ ۲۲ دن تھی [3]

"مدارج النبوت" کے مطابق اس واقعہ کے وقت آپؐ کی عمر چالیس سال چھ ماہ تھی۔ دوشنبہ ۲۷ رمضان المبارک تھا [4] محمد کلیم ارائیں کے مطابق اس وقت آپؐ کی عمر مبارک چالیس سال گیارہ دن تھی اور نو ربیع الاول ام میلاد مطابق ۱۲ فروری ۶۱۱ء بروز دوشنبہ یہ واقعہ ہوا [5] کچھ سیرت نگار کہتے ہیں کہ اس وقت آپؐ کی عمر مبارک چالیس برس ایک دن تھی [6] سلمان منصور پوری کا خیال ہے کہ ۹ ربیع الاول ۴۱ میلادی مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء بروز دوشنبہ حضرت جبریلؑ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے [7]

نزولِ وحی کے وقت آپؐ کی عمر تقریباً تمام سیرت نگاروں نے الگ الگ بیان کی ہے۔ نزولِ وحی کی تاریخ اور عیسوی اور ہجری مہینے کی تعیین کے معاملے میں بھی اختلافات ہیں لیکن تمام سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ نزولِ وحی کا واقعہ پیر کے دن ہوا۔

سیرت کی تقریباً تمام کتابوں میں نزولِ وحی کا واقعہ ایک ہی انداز میں لکھا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر ڈر گئے اور اس واقعہ کے

بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوراً گھر میں آئے اور لیٹ گئے۔ بیوی (حضرت خدیجہؓ) سے کہا کہ مجھ پر کپڑا ڈال دو۔ جب طبیعت میں ذرا سکون ہوا تو بیوی سے فرمایا کہ میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہو گیا ہے۔ خدیجۃ الکبریٰ نے کہا "نہیں آپؐ کو ڈر کاہے کا۔ میں دیکھتی ہوں کہ آپؐ اقربا پر شفقت فرماتے، سچ بولتے، رانڈوں، یتیموں، بیکسوں کی دستگیری کرتے، مہمان نوازی فرماتے اور مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے ہیں۔ خدا آپؐ کو کبھی اندوہ گیں نہ فرمائے گا۔ اب خدیجۃ الکبریٰؓ کو خود بھی اپنے اطمینان قلب کی ضرورت ہوئی اس لیے وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو ساتھ لے کر اپنے رشتے کے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں ..... وہ جھٹ بول اٹھا کہ یہی ہے وہ ناموس جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا [8] کتنی عجیب بات ہے کہ ورقہ بن نوفل تو آپؐ کی بات سن کر پکار اٹھتا ہے کہ آپؐ نبی ہیں یعنی آپؐ کی نبوت کی تصدیق کرتا ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس بات سے بے خبر ہیں۔

شبلی کی کتاب میں ہے کہ حافظ ابن حجر کے مطابق نبوت سے پہلے سفرِ شام میں (بمقام بصریٰ) جس درخت کے نیچے آپؐ بیٹھے تھے اس کی تمام شاخیں آپؐ پر جھک آئیں جس سے بحیرا نے آپؐ کے نبی ہونے کا یقین کیا۔ جب کہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔" جب کہ صحاح میں موجود ہے کہ نبوت سے پہلے فرشتوں نے آپؐ کا سینہ چاک کیا اور جسمانی آلائش نکال کر پھینک دی۔ تو خود ان روایتوں کے روایت کرنے والے کیوں کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ فرشتہ کا نظر آنا ایسا واقعہ تھا جس سے آپؐ اس قدر خوف زدہ ہو جاتے تھے کہ ایک دفعہ تسکین ہو کر بھی بار بار اضطراب ہوتا تھا اور آپؐ اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تھے اور بار بار حضرت جبریلؑ کو اطمینان دلانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ کیا اور کسی پیغمبر کو بھی ابتدائے وحی سے کبھی شک ہوا تھا؟ حضرت موسیٰؑ نے درخت سے آواز سنی کہ میں خدا ہوں "تو کیا ان کو کوئی شبہ پیدا ہوا؟" [9] اس پر شبلی لکھتے ہیں "حافظ

ابنِ حجر وغیرہ کی پیروی کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں۔ ہم کو پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ خود اصل روایت بہ سندِ مرفوع متصل ہے یا نہیں۔ یہ روایت امام زہری کے بلاغات میں سے ہے یعنی سند کا سلسلہ زہری تک ختم ہو جاتا ہے اور آگے نہیں بڑھتا۔ چنانچہ خود شارحینِ بخاری نے تصریح کر دی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کے لیے سندِ مقطوع کافی نہیں"۔ ۱۰

قرآن مجید کی تفسیر میں شیعہ عالم مولانا حافظ سید فرمان علی نزولِ وحی کے واقعے کے متعلق اپنے موقف کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

" بروایتِ حیات القلوب، آپؐ جب کوہِ حرا سے عازمِ خانہ ہوئے تو ہر وہ چیز جو راستے میں پڑی، وہ چاہے درخت ہوں یا گُل بوٹے، اس نے آپؐ کو "السلام علیک یا رسول اللہؐ" کہہ کر سلام کیا۔ جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو آپؐ کو انوارِ باری گھیرے ہوئے تھے۔ خدیجہؓ نے پوچھا کہ میں آج کیا دیکھ رہی ہوں۔ فرمایا جبریل آئے تھے اور انہوں نے کارِ رسالت شروع کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے اور سورۂ اقرأ کی تلاوت کی ہے۔ یہ سن کر خدیجۃ الکبریٰ کی باچھیں کھل گئیں۔ کہا میں اس کے آثار آپؐ میں پہلے سے ہی دیکھ رہی تھی، پھر فوراً کلمہ پڑھا" ۱۱

ہمارے نزدیک ابن حجر، شبلی اور حافظ فرمان علی وغیرہ کا موقف درست ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ ولادت، بچپن، لڑکپن، جوانی اور اس کے بعد نزولِ وحی تک کی حیاتِ طیبہ کا ہر لمحہ تو یہ گواہی دے کہ یہ نبی ہیں۔ اور بحیرا راہب دیکھے تو وہ پکار اٹھے کوئی اور نیک آدمی اٹھے تو وہ مان لے، شجر و حجر تک تو شہادت دے رہے ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے محبوب پیغمبر ہیں اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ پتا نہ ہو!! جبریلؑ کی آمد اور نزولِ وحی کا آغاز انہیں پریشان کر دے۔ انہیں کچھ تسلی حضرت خدیجہ دیں اور باقی یقین ورقہ بن نوفل دلائیں کہ وہ نبی ہیں۔ در آنحالیکہ خود آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہوں کہ وہ تو اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدمؑ کی ابھی مٹی بھی نہ گوندھی گئی تھی، پھر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اس

دنیا میں تشریف لاتے ہی نہ صرف یہ جانتے ہوں بلکہ اعلان بھی فرما دیں کہ وہ اللہ کے بندے اور صاحبِ کتاب نبی ہیں ——— اور نبی الانبیاء، سرتاج الانبیاء، امام الانبیاءؑ علیہ التحیۃ والثناء کو چالیس برس کے بعد بھی ورقہ بن نوفل کی یقین دہانیوں کے بغیر کپکپی سے نجات نہ ملے۔ العیاذ باللہ۔!

حواشی

۱ ——— الرحیق المختوم ص ۱۱۸

۲ ——— علی اصغر چودھری "عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات" ص ۱۱

۳ ——— الرحیق المختوم ص ۱۱۸

۴ ——— معارج النبوت (جلد دوم) ص ۲۰۸

۵ ——— محمد کلیم ارائیں "سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک" ص ۵۳

۶ ——— محمد شفیع، مفتی، مولانا "سیرۃ رسولِ اکرمؐ" ص ۸۶ / عبد الرحمٰن ابن جوزی، علامہ "النبی الاطہر" ص ۵۴

۷ ——— محمد سلیمان سلمان منصور پوری، قاضی۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد اوّل ص ۴۲

۸ ——— سلمان منصور پوری۔ "رحمۃ للعالمین" ص ۴۷، ۴۸

۹ ——— شبلی سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۰۵، ۲۰۶۔

۱۰ ——— ایضاً ص ۲۰۶

۱۱ ——— سید فرمان علی، حافظ، مولانا "ترجمہ و تفسیر القرآن الکریم" ناشرین چاند کمپنی لاہور۔ ص ر (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸)

اعلانِ نبوّت

شروع شروع میں آپؐ اسلام کی دعوت خفیہ طریقے سے دیتے۔ ایک ایک دو دو کر کے آدمی آتے اور مسلمان ہوتے۔ اس طرح تین سال گزر گئے۔ تین سال بعد آیت نازل ہوئی کہ "جس چیز کا آپؐ کو امر ہوا ہے، اس کی علانیہ دعوت دیجیے اور مشرکین سے اعراض کیجیے"۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ "اپنے قریبی خاندان والوں کو ڈرائیے اور اپنے تابع مومنین کے لیے بازوؤں کو جھکائے رکھیے"[1]

صبح سویرے آپؐ نے صفا کی چوٹی سے پکارا "یاصباحاہ یاصباحاہ" یعنی ہائے صبح کا خطرہ، یہ نعرہ اس وقت لگایا جاتا جب کوئی شدید خطرہ لاحق ہو۔ عرب چونکہ رات میں شب خون نہیں مارتے تھے۔ اس لیے ہتھیار کھول دیتے تھے۔ شب خون کا وقت صبح کا مقرر کر رکھا تھا۔ جب کبھی یہ نعرہ لگتا تو اسے صبح کا ڈاکا سمجھا جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی بداعمالیوں سے آنے والے عذاب کے حملے سے ڈرانے کے لیے یہ نعرہ لگایا۔ تمام اہلِ شہر دامنِ صفا میں سمٹ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

لوگو! اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کی اس جانب ایک بھاری لشکر تم پر حملہ کرنے کے لیے تیار کھڑا ہے تو کیا تم میری بات کو سچ مانو گے؟

سب نے بیک زبان جواب دیا۔ تم صادق ہو اور امین بھی۔ ہم نے تمہیں کبھی جھوٹ کہتے نہیں سنا اور تم بلندی سے دوسری طرف بھی دیکھ سکتے ہو۔

فرمایا تو سنو۔ میں تمہیں شدید عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ اپنی جانوں کو بچاؤ۔ اللہ نے مجھے اپنے قریب ترین عزیزوں کو خبردار کرنے کا حکم دیا ہے تم قریش کے لوگ میرے اقارب ہو۔ میں تم کو اللہ سے کچھ دلوانے اور آخرت میں

تمہیں کسی حصہ سے بہرہ ور کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اِلّا یہ کہ تم لاالٰہ الااللہ کے قائل ہو جاؤ۔ تب میں تمہارے رب کے یہاں اس کی شہادت دوں گا۔ اس کلمہ کی بدولت عرب تمہارے تابع اور عجم تمہارا مطیع ہو جائے گا"[2]

یہ اعلانِ نبوت بھی دوشنبہ کے دن ہوا[3] پیر کے اس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی چالیس سالہ مثالی زندگی اہلِ قریش کے سامنے رکھ کر نبوّت کا باقاعدہ اعلان کیا۔

تمام انبیاءِ کرامؑ نے اپنی دعوت کا آغاز عام طور پر کسی معجزے سے کیا۔ جب اس معجزے سے لوگوں کی عقلیں عاجز آگئیں کہ یہ بات عقل سے ماوراء ہے تو ان انبیاءِ کرام کے مخاطبین اس حقیقت کا سامنا کرنے کے لیے عملاً تیار ہو گئے کہ اب جو بات یہ کہیں گے، وہ اگرچہ ہماری سمجھ سے ماوراء ہی کیوں نہ ہو، اس میں کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور ہوگی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی نبوت کا باقاعدہ اعلان کرتے ہوئے قریشِ مکہ کے سامنے کوئی معجزہ پیش کر کے کفار کی عقلوں کو سلب کرنے کے بجائے ان کے سامنے اپنی زندگی کے چالیس برس رکھے کہ ان چالیس برسوں میں کفار کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بچپن اور جوانی گزری تھی۔ اور ادھیڑ عمر تک پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پہلے اس بات کی دعوت دی کہ میری زندگی کے ان چالیس برسوں کے کسی ایک لمحے پر بھی انگلی اٹھا سکتے ہو تو بتاؤ۔ اس بات کا مقصد صرف لوگوں کی عقلوں کو عاجز کرنے کے بجائے ان کو سوچنے اور غور و فکر کرنے پر اکسانا تھا۔ اس پر قریشِ مکہ، جن کے درمیان آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے چالیس سال گزرے تھے، کسی ایک لمحہ پر بھی انگلی نہ اٹھا سکے۔ وہ سب پکار اٹھے کہ آپؐ نے کبھی جھوٹ تک نہیں بولا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو ہماری امانتوں کے امین ہیں۔ آپ کے کردار پر تو ہم کسی آلائش سے گرد آلود ہونے کا شبہ بھی نہیں کر سکتے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کفارِ مکہ کو عقل سے کام لینے کی راہ پر چلایا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی چالیس سالہ حیاتِ مبارکہ پر نظر دوڑائی اور کہیں کوئی خامی نہ پاکر اس حقیقت کا اعلان کیا کہ حضورؐ صادق اور امین ہیں۔ تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے ایک ہونے اور اپنے اس کا رسول ہونے کا اعلان فرمایا۔ جب سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یقین کر لیا کہ اب کفار نے سوچنا سمجھنا شروع کر دیا ہے اور اب عقل کی بات شاید ان کی سمجھ میں آئے تو اعلانِ نبوت فرمایا[4]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انبیاء سابقہ سے الگ انداز میں اپنی نبوت و رسالت کا یہ اعلان پیر کے مقدس دن فرمایا۔ جس کی بنیاد یہ ہے کہ اپنے مخاطبین کو غور و فکر کی دعوت دی جائے، اور اپنے ماننے والوں کو بھی عقل استعمال کرنے کی راہ سمجھائی جائے۔ دعوتِ اسلام کے آغاز کا یہ انداز "افلا یتدبرون القرآن" تک پہنچا[5] اسی رخ نے مسلمانوں کو علم الابدان، علم الافلاک، علم الجبال اور علم الارض حاصل کرنے کی راہ پر لگایا۔ افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت و الی السماء کیف رفعت و الی الجبال کیف نصبت و الی الارض کیف سطحت [6]

حواشی

۱ ــــ رسالتمآبؐ۔ ص ۴۶، ۴۷

۲ ــــ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ ص ۲۱۵ / رسالت مآبؐ۔ ص ۴۷

۳ ــــ الوفا۔ ص ۲۹۹

۴ ــــ اس واقعے کے چند دن بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ "اور جس کو اللہ کے سوا تم پوجتے ہو، جہنم کے ایندھن ہوں گے اور تم سب اس میں داخل ہو کر رہو گے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان فرمایا۔ کفارانِ قریش کے نزدیک یہ حرم کی توہین تھی ہر طرف سے آپؐ پر پل پڑے۔ اہلِ ایمان کو اطلاع ہوئی تو دوڑے

آئے۔ انہی میں حضرت حارث بن ابی ہالہ حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر کی اولاد بھی تھے۔ شمعِ رسالتؐ کو بچانے کے لیے پروانہ وار ٹوٹ پڑے ہر طرف سے تلواریں پڑیں۔ جانثار نقدِ جاں ہار گیا۔ حرم کعبہ میں حق و باطل کی پہلی آویزش میں کسی حق پرست کا یہ اوّلین نذرانۂ جان و تن تھا ـــ (سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ ص ۲۱۸)

محشر بدایونی نے اپنی کتاب "حرفِ ثنا" میں اس واقعے کو یوں نظم کیا ہے

گھرا تیغوں کے جھرمٹ میں اکیلا دین کا ہادیؐ
حقیقت میں یہی ہے بندۂ مؤمن کی آزادی
برہنہ ہو کے چمکیں اس طرف ناپاک شمشیریں
ادھر تقدیر کی دمساز تھیں پہلے سے تدبیریں
یہ سننا تھا کہ حارثؓ بن ابی ہالہ کو جوش آیا
جھپٹ کر نرغۂ کفار میں وہ سرفروش آیا
بچایا حملۂ کفار سے ختمِ رسالتؐ کو
شہادت پا کے خود رخصت ہوا گلزارِ جنت کو
کوئی جذبہ تو دیکھے صف شکن مردِ مسلماں کا
ہوا تھا سب سے پہلا خون یہ ایک اہلِ ایماں کا

(محشر بدایونی: "حرفِ ثنا"۔ ص ۱۱۹، ۱۲۰ / نعت (ماہنامہ) لاہور۔ مئی ۱۹۹۱ء شہیدانِ ناموسِ رسالتؐ نمبر حصہ پنجم۔ ص ۶۔

۵ ــــ النساء۔ ۴ : ۸۲ (یہ لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے)

۶ ــــ الغاشیہ۔ ۸۸ : ۱۷ تا ۲۰ (تو کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف غور نہیں کرتے کہ کیسا پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کی طرف کہ کیسا بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح نصب کیے گئے ہیں اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔)

حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کی دعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ "اے اللہ! عمر بن خطاب اور ابوجہل بن ہشام (عمرو بن ہشام یعنی ابوجہل) میں سے جو شخص تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس کے ذریعے سے اسلام کو قوت پہنچا"[۱] جب وحی کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ عمرو بن ہشام یعنی ابوجہل اسلام سے محروم رہے گا تو دعا کی "اے اللہ! عمرؓ سے اسلام کی مدد کر"۔[۲] حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے حضرت عمرؓ کو اسلام کے لیے مانگنے کی یہ دعا دوشنبہ (پیر) کے دن کی تھی[۳]۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حمایت کے لیے حضرت عمرؓ کو مشرف باسلام کر کے اپنے سچے رسولِ مقبول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعا کو قبول کیا"[۴]۔ اسلام میں حضرت عمرؓ کی شمولیت مسلمانوں کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے سے اسلام کو تقویت ملی اور اسلام مضبوط ہوا۔

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ تلوار لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربارِ اقدس کی طرف برے ارادے سے جا رہے تھے کہ راستے میں نعیمؓ بن عبداللہؓ مل گئے[۵]۔ انہیں جب حضرت عمر کے ارادے کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی ـــ مسلمان ہو چکے ہیں۔ پہلے ان کی خبر تو لے لو۔ غصے سے بھرے بہن کے گھر پہنچے۔ دیکھا کہ بہن قرآن مجید کی آیات پڑھ رہی ہیں۔ انہیں اور ان کے خاوند کو مارا پیٹا مگر جب ان آیات کا مطالعہ کیا تو

دل پر بہت ہیبت طاری ہو گئی اور دل آیاتِ قرآنی سے منوّر ہو گیا۔ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور اسلام قبول کر لیا[۶]۔

ایک اور روایت ہے کہ حضرت عمر سے منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا "میں اسلام سے کوسوں دور تھا۔ جاہلیت میں شراب پیتا تھا اور بڑے چاؤ سے پیتا تھا۔ ہماری ایک محفل جمتی تھی جس میں قریش کے اکثر نوجوان شامل ہوتے تھے ایک رات میں اس محفل میں پہنچا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ میں نے دل میں کہا اگر میں مکہ کے فلاں مے فروش کے پاس چلوں تو شاید مجھے شراب مل جائے اور میں پی سکوں لیکن وہ بھی مجھے نہ ملا۔ اب میں نے سوچا کہ چلوں! کعبے کے سات یا ستر طواف کر لوں۔ اسی نیت سے مسجد میں پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ رخ شام کی طرف تھا اور کعبہ آپؐ کے اور شام کے درمیان تھا۔ آپ رکن اسود اور رکن یمانی کے درمیان نماز ادا فرما رہے تھے۔ آپ کو دیکھ کر مجھے خیال آیا۔ آپؐ کا کلام سننے کا یہ بہترین موقعہ ہے سنوں تو سہی۔ آخر آپؐ کہتے کیا ہیں؟ لیکن اندیشہ یہ تھا کہ اگر قریب گیا تو مجھے دیکھ کر آپؐ ڈر جائیں گے۔ اس خیال سے میں حجرِ اسود کی طرف سے غلافِ کعبہ میں گھس گیا اور دبے پاؤں چلنے لگا۔ آپؐ نماز میں قرآنِ پاک کی تلاوت فرما رہے تھے۔ چلتے چلتے میں آپؐ کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اب میرے اور آپؐ کے درمیان غلافِ کعبہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ قرآنِ پاک کی آیات سن کر میرے دل پر رقت طاری ہو گئی۔ میں رو پڑا اور اسلام میرے باطن میں در آیا۔ میں اپنی جگہ کھڑا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ختم کر لی اور گھر جانے کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گھر کے نزدیک پہنچے تو میں قریب آ چکا تھا۔ آہٹ سن کر آپؐ نے مجھے پہچان لیا اور ڈانٹ کر پوچھا۔ ابنِ خطاب! اس وقت تم کیوں آئے ہو؟ میں نے عرض کی "اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کی وحی پر ایمان لانے"

آپؐ نے حضرت عمرؓ کو ہدایت ملنے پر خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا "عمرؓ! اللہ نے تمہیں ہدایت بخش دی" یہ کہہ کر آپؐ نے میرے سینے پہ ہاتھ پھیرا اور میرے ثبات و استقلال کی دعا فرمائی۔ اس طرح میں آپؐ کے دین کی دولت سے مالا مال ہو کر آپؐ کی خدمت سے واپس ہوا"۔

یہی روایت دوسری صورت میں جس سے شاید پہلے مفہوم کی تکمیل ہوتی ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل میں بھی آئی ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اسلام سے پہلے میں اس ارادے سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تکلیف پہنچاؤں، گھر سے نکلا۔ آپؐ مجھ سے پہلے ہی مسجد میں موجود تھے۔ میں جا کر آپؐ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے سورۂ الحاقہ کی تلاوت شروع فرمائی۔ قرآن کے اسلوب نے مجھے حیرت میں ڈال دیا اور میں نے دل میں کہا "خدا کی قسم! قریش سچ کہتے ہیں یہ شخص شاعر ہے۔" اسی وقت آپؐ نے یہ آیت پڑھی
ترجمہ:۔ بے شک یہ ایک بزرگ پیغمبر کا قول ہے۔ کسی شاعر کا کلام نہیں تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔

اب میرے دل نے کہا "یہ کاہن ہے" اور اسی وقت زبانِ نبوت پہ یہ آیات جاری ہو گئیں۔ "اور نہ کسی کاہن کا قول ہے۔ تم بہت کم نصیحت اندوز ہوتے ہو۔ یہ پروردگارِ عالم کی طرف سے اتارا گیا ہے اور اگر وہ ہم پر کوئی بات گھڑ لاتا تو ہم ضرور اس کا دایاں ہاتھ پکڑتے اور اس کے بعد اس کی گردن کاٹ ڈالتے اور تم میں سے کسی کی قوت اسے بچا نہ سکتی" جب آپؐ نے یہ سورت ختم کی ہے تو اسلام پوری قوت سے میرے دل پر اثر انداز ہو چکا تھا"۔ یہ روایت شہرت میں پہلی روایت کے قریب قریب ہے۔ ابن اسحاق نے ان دونوں روایتوں کے اثبات کے بعد لکھا ہے "اللہ بہتر جانتا ہے کون سی صحیح ہے"۔ ؎

حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر ہم حق پہ ہیں تو پھر چھپ کر نماز پڑھنے کا کیا فائدہ، جب کہ کافر اعلانیہ اپنے بتوں کو پوجتے ہیں۔ خدا کی قسم ہم خانہ کعبہ میں سب کے سامنے نماز ادا کریں گے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضور صلی اللہ وآلہٖ وسلم نے تمام صحابۂ کرام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ میں علانیہ نماز ادا کی۔ اس موقع کے متعلق حضرت فرماتے ہیں کہ قریش نے مجھے اور حمزہؓ کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ شامل دیکھا تو ان کے دلوں پر زبردست چوٹ لگی۔ اسی دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کا لقب "فاروق" رکھ دیا۔ ؎

حواشی

۱۔ الرحیق المختوم۔ ص ۱۷۶/ جلال الدین سیوطی۔ تاریخ الخلفاء۔ ص ۱۳۷، ۱۴۰/ شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہ۔ ص ۱۹۸/ ہیکل۔ حضرت عمرؓ فاروقِ اعظم ص ۵۶، ۵۷، ۶۳/ محمد ولی رازی۔ ہادیٔ عالمؐ۔ ص ۱۰۰، ۱۰۱/ رسالتمآبؐ ص ۵۹/ سید محمد عابد، رحمۃ للعالمینؐ۔ ص ۲۰۶، ۲۰۷/ نقی علی خان، مولانا انوارِ جمالِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۱۵/ مودودی، سید ابو الاعلیٰ۔ سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۶۰۹/ پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ص ۳۱۴/ ساجد الرحمٰن۔ سیرتِ رسولؐ ص ۳۹/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۴۲/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۱۹۲، ۱۹۶/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۰۷/ عبد العزیز عرفی۔ جمالِ مصطفیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۱۰ (حاشیہ)/ محمد ابراہیم سیالکوٹی۔ سیرت المصطفیٰؐ۔ ص ۲۸۷/ نبیٔ رحمتؐ۔ ص ۱۳۸/ علی اصغر چوہدری۔ حضرت محمدؐ نزولِ وحی سے ہجرت تک۔ حصہ دوم۔ ص ۱۶۹/ محمد ادریس کاندھلوی۔ سیرۃ المصطفیٰؐ۔ جلد اول۔ ص ۲۵۸/ محمد صالح، نقشبندی۔ سرورِ عالمؐ۔ ص ۶۹/

سیّد رضوان اللہ و انتظام اللہ شہابی - سیرۃ الرسولؐ من القرآن - ص ۱۱۶ / حیاتِ رسالتمآبؐ - ص ۱۲۱ ، ۱۲۳ / پیغمبرِ انسانیتؐ - ص ۱۵۰ -

۲ —— محمد ولی رازی ، ہادیٔ عالمؐ - ص ۱۰۱ / سیوطی - تاریخ الخلفاء - ص ۱۳۷ / سیرتِ رسولؐ - ص ۳۹ ، ۴۰ / نقوش - رسولؐ نمبر - جلد ۱۱ - ص ۱۹۳ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ - جلد اوّل - ص ۳۰۸ / محمد ادریس کاندھلوی - سیرت المصطفیٰؐ - جلد اوّل - ص ۲۵۸ ، ۲۶۲ / سیرتِ نبویؐ رسولِ کریمؐ - ص ۷۸ -

۳ —— تاریخ الخلفاء - ص ۱۴۰ / شیخ محمد رضا - محمد رسول اللہ - ص ۱۹۸ / محمد جعفر شاہ پھلواروی - پیغمبرِ انسانیت - ص ۱۵۰ / فیض الاسلام (ماہنامہ) راولپنڈی اگست ۱۹۹۱ء - ص ۵ - (اداریہ)

۴ —— ابراہیم سیالکوٹی - سیرت المصطفیٰؐ - جلد دوم - ص ۲۹۳ -

۵ —— کچھ کتابوں میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضرت عمرؓ جب بُرے ارادے سے گھر سے نکلے تو راستے میں نعیمؓ بن عبد اللہ سے ملاقات ہوئی (شبلی - سیرت النبیؐ - جلد اوّل - ص ۲۲۲ / اصح السیر - ص ۴۷ / پیغمبرِ اعظم و آخرؐ - ص ۳۱۵ / سیرتِ رسولؐ - ص ۴۰ / شبلی نعمانی - الفاروق - حصہ اوّل و دوم مکمل - ص ۷۷ ، ۷۸ / ہیکل - حیاتِ محمدؐ - ص ۱۸۱ / اسوۃ الرسولؐ - جلد دوم ص ۲۳۹ / نقوش رسولؐ نمبر - جلد ۱۱ - باب ۲۴ - حضرت عمر کا اسلام لانا - ص ۱۹۱ ، ۱۹۲ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ - جلد اوّل - ص ۳۰۵ / ۳۰۶ / محمد ولی رازی ، ہادیٔ عالمؐ - ص ۱۰۱ (حاشیہ) / ابراہیم سیالکوٹی - سیرت المصطفیٰؐ - ص ۲۸۶ / نبیٔ رحمتؐ - ص ۱۳۷ / علی اصغر چوہدری - حضرت محمد - نزولِ وحی سے ہجرت تک - حصہ دوم - ص ۱۷۶ / محمد صالح نقشبندی - سرورِ عالمؐ - ص ۶۷ / سیرۃ الرسول من القرآن - ص ۱۱۶ / محمد ادریس کاندھلوی - سیرت المصطفیٰؐ - جلد اوّل ص ۲۵۹ ، ۲۶۰ / عبد المصطفیٰ اعظمی - سیرتِ مصطفیٰؐ - ص ۱۱۰ / مودودی سیرتِ سرورِ عالمؐ - جلد دوم - ص ۶۰۸ ، ۶۰۹ / حیاتِ رسالتمآبؐ - ص ۱۲۰ / عبد الصمد

صارم - محمد رسول اللہؐ - ص ۸۷ / محمد جعفر شاہ پھلواروی - پیغمبرِ انسانیتؐ - ص ۱۴۸ / ہیکل - حضرت عمرؓ فاروقِ اعظم - ص ۵۶ / سیّد آلِ احمد رضوی - ہمارے پیارے نبیؐ - ص ۴۷ / اور کہیں سعدؓ بن ابی وقاص سے ملنے کا ذکر ہے (محمد عابد سیّد - رحمۃ للعالمینؐ - ص ۲۰۸ / عبد العزیز عرفی - جمالِ مصطفیٰؐ - جلد اوّل - ص ۲۰۸ (حاشیہ))

۶ —— رسالتمآبؐ - جلد اوّل و دوم - ص ۵۸ ، ۵۹ / محمد عابد ، سیّد - رحمۃ للعالمینؐ ص ۲۰۸ ، ۲۰۹ / تاریخ الخلفاء - ص ۱۳۸ — ۱۴۱ / الرحیق المختوم - ص ۱۷۹ — ۱۸۱ / سیرتِ محمدیہؐ - جلد اوّل - ص ۲۳۶ ، ۲۳۷ / ہیکل - حضرت عمرؓ فاروقِ اعظم ص ۵۶ ، ۵۷ / شبلی - سیرۃ النبیؐ - جلد اوّل - ص ۲۲۱ — ۲۲۳ / مدارج النبوت - جلد دوم - ص ۷۱ - ۷۳ / اصح السیر - ص ۴۷ ، ۴۸ / پیغمبرِ اعظم و آخرؐ - ص ۳۱۵ ، ۳۱۷ / حفظ الرحمٰن سیوہاروی - سیرتِ نبویؐ - رسولِ کریمؐ - ص ۷۷ / سیرتِ رسولؐ - ص ۴۰ ، ۴۱ / اسوۃ الرسولؐ - جلد دوم - ص ۲۳۹ — ۲۴۱ / شیخ محمد رضا - محمد رسولؐ اللہ - ص ۱۹۷ ، ۱۹۸ / نقوش - رسولؐ نمبر - جلد ۱۱ - باب ۲۴ حضرت عمرؓ کا اسلام لانا - ص ۱۹۲ ، ۱۹۳ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ - جلد اوّل - ص ۳۰۶ ، ۳۰۷ / ہادیٔ عالمؐ - ص ۱۰۱ ، ۱۰۲ / جمالِ مصطفیٰؐ - جلد اوّل - ص ۲۰۹ — ۲۱۱ (حاشیہ) / سلیمان ندوی رحمتِ عالمؐ - ص ۳۳ ، ۳۴ / محمد ابراہیم سیالکوٹی - سیرت المصطفیٰؐ - ص ۲۸۶ — ۲۸۸ / نبیٔ رحمتؐ - ص ۱۳۷ — ۱۳۹ / پیغمبرِ انسانیت - ص ۱۴۸ — ۱۵۱ / سیّد آلِ احمد رضوی - ہمارے پیارے نبیؐ - ص ۷۷ — ۷۸ / حضرت محمدؐ نزولِ وحی سے ہجرت تک - حصہ دوم - ص ۱۷۷ — ۱۷۹ / شبلی - الفاروق - حصہ اوّل و دوم مکمل - ص ۷۸ — ۷۹ / محمد صالح نقشبندی - سرورِ عالمؐ - ص ۶۷ — ۶۹ / سیرۃ الرسولؐ من القرآن - ص ۱۱۶ ، ۱۱۷ / محمد ادریس کاندھلوی - سیرت المصطفیٰؐ - جلد اوّل - ص ۲۶۰ ، ۲۶۱ / عبد المصطفیٰ اعظمی - سیرتِ مصطفیٰؐ - ص ۱۱۰ ، ۱۱۱ / مودودی - سیرتِ سرورِ عالمؐ - جلد دوم - ص ۶۰۹ ، ۶۱۰ / حیاتِ رسالتمآبؐ

ص ۱۲۰، ۱۲۱/ سردار گوردت سنگھ۔ محمدؐ کی سرکار۔ ص ۴۴/ عبدالصمد صارم۔ محمد رسول اللہ۔ ص ۸۷۔ ۸۹/

۷۔ ــــ محمد حسین ہیکل۔ حضرت عمرؓ فاروق اعظم۔ ص ۵۰، ۵۸/ فیض الاسلام (ماہنامہ) راولپنڈی۔ اگست ۱۹۹۱ء۔ ص ۵، ۶ (اداریہ) / سیوطی تاریخ الخلفاء۔ ص ۱۳۷، ۱۳۸/ الرحیق المختوم۔ ص ۱۷۷، ۱۷۸/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۴۳۔ ۲۴۵/ مودودی۔ سیرت سرور عالمؐ جلد دوم۔ ص ۲۰۷/ سیرت احمد مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۱۲۔

۸۔ ــــ "حضرت عمرؓ قبیلۂ قریش کے ایک معزز شخص تھے۔ وہ بہت بارعب، پرجلال اور طاقتور شخصیت کے مالک تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی بڑی خواہش اور آرزو تھی کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ آپؐ اس کے لیے دعا بھی فرمایا کرتے تھے۔ (نبیؐ رحمت۔ ص ۱۴۲)

حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کے چند دن بعد ہی آپؓ کو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنا وزیر بنا لیا تھا۔ بروایت ابوسعید خدریؓ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا "میرے دو وزیر آسمان والوں میں سے ہیں۔ وہ تو جبرائیلؑ اور میکائیلؑ ہیں اور میرے دو وزیر زمین والوں میں سے ہیں۔ وہ ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔" (حیاتِ رسالتمآبؐ ص ۱۴۴)

سردار گوردت سنگھ حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کے واقعہ میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے بارگاہِ رسالتمآبؐ میں اسلام قبول کر لیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ آپؐ نے مجھ پر کیا کر دیا تھا آپ کے کلام اور زبان میں کیا تاثیر ہے کہ مجھے وہ آنکھ نصیب ہوئی ہے جس سے میں آپؐ کا حسن و جمال دیکھوں۔ اے شاہِ امم مجھ پہ رحمت کی نظر کریں۔ (سردار گوردت سنگھ۔ محمدؐ کی سرکار۔ ص ۴۸)

"یہ بلند قامت انسان، قوی شانوں والا۔ دونوں کھانوں کے وقت صرف پانچ لقمے کھاتا۔ اس سے زیادہ کبھی نہ کھاتا۔ کچھ بعید نہیں اگر مافوق العادۃ کاموں کے انجام دینے کا سرچشمہ ان کی یہی عادت ہو۔ جب آپ خلیفہ بنے تو ہمیشہ مسلسل پندرہ رات دن بلا انقطاع کام کرتے اور کسی قسم کی تھکن محسوس نہ کرتے۔ آپ کبھی بھی کسی مجرم کی سزا سے صرفِ نظر نہ کرتے، نہ سزا میں تخفیف کرتے مگر یہ بھی محال تھا کہ کسی بے گناہ کو ستائیں۔

آپؓ دس سال خلیفۃ المسلمین رہے اور قلیل عرصہ میں دنیا کی تین بڑی بھاری سلطنتوں کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ یعنی ایران، مصر اور شام کو داخلِ اسلام کر لیا مگر باوجودیکہ آپؓ دنیائے قدیم کے ایک بڑے حصہ پر حکومت کر رہے تھے، زمین پر بوریا بچھا کر بیٹھتے جو کھجور کے پتوں سے بنا ہوتا تھا..... سردارانِ قریش نے جو یہ دیکھا کہ حضرت عمرؓ نے رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنی حمایت میں لے لیا ہے جب کہ اس سے پیشتر حضرت حمزہؓ بھی انہیں اپنی حمایت میں لے چکے تھے۔ تو وہ ڈر گئے۔ حضرت حمزہؓ ایک پہلوان تھے مگر اہلِ قریش ان کی بہ نسبت حضرت عمرؓ سے زیادہ ڈرتے تھے۔ کیونکہ وہ آپؓ کی دلیری، عزم، غیرت اور وفاداری سے خوب شناسا تھے۔ اہلِ مکہ کہا کرتے تھے "شیطان، حضرت عمرؓ بن الخطاب سے بھاگتا ہے۔" (عبدالصمد صارم۔ محمد رسول اللہ۔ ص ۹۰)

ابراہیم سیالکوٹی مسٹر برٹ کی کتاب "اسلام اینڈ اٹس فونڈیشن" کے حوالے سے لکھتے ہیں "اس زمانہ یعنی ۶۱۶ء میں ایک شخص عمر بن خطاب نے اسلام قبول کیا۔ جس کے طویل قد و قامت اور نہایت جسمانی قوت اور بہادرانہ دلیری اور شجاعانہ جوانمردی نے اس کو امیر حمزہؓ کا ایک موزوں ساتھی اور جوڑ بنا دیا" (ابراہیم سیالکوٹی۔ سیرت المصطفیٰؐ۔ جلد

دوم ۔ص ۲۹۳، ۲۹۴)

۹۔۔۔ حضرت عمرؓ نے اپنے مسلمان ہونے کا کھل کر اعلان کیا۔ یہ بات قریش میں فوراً پھیل گئی۔ وہ حضرت عمرؓ سے بھی لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے اور حضرت عمرؓ بھی پوری طرح مقابلہ پر آ گئے۔ اور آخر کار مخالفین اور دشمنانِ اسلام شکستہ و نامراد ہو کر ہمت ہار کر بیٹھ رہے" (سیرتِ ابن ہشام۔ ص ۳۴۰/ نبیِ رحمتؐ۔ ص ۱۴۰/ شبلی۔ الفاروق۔ حصہ اوّل و دوم مکمل۔ ص ۸۰)

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے پر کفار نے انہیں مارنا شروع کر دیا حضرت عمرؓ نے کہا "جو بن پڑے کر لو۔ خدا کی قسم۔ اگر ہم لوگ تین سو کی تعداد میں ہوتے تو پھر مکّے میں یا تم ہی رہتے یا ہم ہی رہتے۔" (الرحیق المختوم ص ۱۸۲/ پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۱۵۲، ۱۵۳)

"بزاز اور حاکم نے ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو مشرکین نے کہا کہ مسلمانوں نے آج ہم سے سارا بدلہ لے لیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے " يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ " نازل فرمائی۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جب سے حضرت عمرؓ اسلام لائے ہم عزت دار ہو گئے۔

ابن سعد اور طبرانی میں ابنِ مسعود سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کا اسلام، اسلام کی فتح تھی۔ آپ کی ہجرت نصرت تھی اور آپ کی امامت رحمت تھی۔ ہم میں طاقت نہیں تھی کہ ہم بیت اللہ شریف میں نماز پڑھ سکیں لیکن جب حضرت عمرؓ اسلام لے آئے تو آپ نے مشرکین سے اتنا لڑائی جھگڑا کیا کہ انہوں نے ہمارا پیچھا چھوڑ دیا اور ہم بیت اللہ شریف میں نماز پڑھنے لگے۔ (تاریخ الخلفاء۔ ص ۱۴۳، ۱۴۴/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۱ ص ۱۹۶۔ باب نمبر ۲۴ "حضرت عمرؓ کا اسلام لانا")۔

۱۰۔۔۔ الرحیق المختوم۔ ص ۱۸۳، ۱۸۴/ شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۲۴/ مودودی سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۶۱۰، ۶۱۱/ اصح السیر۔ ص ۴۸، ۴۹/ سلیمان ندوی رحمتِ عالمؐ۔ ص ۳۴، ۳۵/ انوارِ جمالِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۱۵/ پیغمبرِ اعظم و آخرؐ ص ۳۱۷/ سیرتِ رسولؐ۔ ص ۱۴۱/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۱۹۵/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۰۸، ۳۰۹/ شبلی۔ الفاروق۔ حصہ اوّل و دوم مکمل ص ۸۰/ محمد صالح۔ سرورِ عالمؐ۔ ص ۷۰/ سیرۃ الرسولؐ من القرآن۔ ص ۱۱۷/ شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۱۹۹/ محمد ادریس کاندھلوی۔ سیرت المصطفیٰؐ جلد اوّل۔ ص ۲۶۲، ۲۶۳/ راجا محمد شریف۔ حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۱۲۳/ عبدالصمد صارم۔ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۹۰/ عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۶۴/ پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۱۵۳، ۱۵۴/ سیّد آلِ احمد رضوی۔ ہمارے پیارے نبیؐ ص ۸۰/ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔ سیرت المصطفیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۹۳۔

"رسالتمآبؐ" میں ہے کہ جب مسلمان خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کے ارادے سے نکلے تو حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ تلوار لیے سب سے آگے آگے جا رہے تھے۔ ان کے پیچھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور سب سے پیچھے باقی تمام صحابہؓ۔ قریش نے انہیں آتے دیکھا تو حضرت عمرؓ سے کہا۔ عمرؓ! آپ تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کے ساتھیوں سمیت پکڑ کر لے آئے۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں کافروں کو کلمہ طیبہ سنا دیا تو کافر حیران رہ گئے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ پر حملہ کر دیا مگر حضرت عمرؓ نے جوابی حملہ کر کے انہیں بھگا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام صحابہ کے ہمراہ خانہ کعبہ میں نماز ادا کی۔ ایک روایت کے مطابق اس روز تک صرف ۳۹ لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ اور حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام سے مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی۔ (رسالتمآبؐ۔ حصہ اوّل و دوم۔ ص ۵۹، ۶۰/ ابراہیم سیالکوٹی سیرت المصطفیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۹۴)

حضرت عمرؓ کے لقب فاروق کے بارے میں "ابنِ سعد کہتے ہیں کہ ذکوان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ حضرت عمرؓ کا نام فاروق کس نے رکھ دیا۔ آپؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ ابنِ ماجہ اور حاکم نے حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ اسلام لائے تو حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوتے اور کہا "یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اہلِ آسمان بھی حضرت عمرؓ کے اسلام کی وجہ سے خوش ہو گئے ہیں"
(تاریخ الخلفاء۔ ص ۱۴۳/ سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۳۷/ مدارج النبوت جلد دوم۔ ص ۴۳/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۰۹/ محمد ادریس کاندھلوی سیرت المصطفیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۶۲)۔



واقعۂ معراج

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو وجۂ تخلیقِ کائنات ہیں، کو اپنے پاس ملاقات کے لیے بلایا۔ سیرت نگاروں کے مطابق یہ واقعہ پیر کے دن ہوا[1] مہینے کے متعلق سیرت نگار آپس میں متفق نہیں۔ ربیع الاوّل اور مختلف مہینوں کا ذکر کرتے ہیں[2] مگر زیادہ تر کے مطابق یہ معجزہ رجب میں ظہور پذیر ہوا[3] جب جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لینے آئے تو آپؐ اپنے چچا ابوطالبؓ کی بیٹی ام ہانیؓ کے گھر سو رہے تھے[4] معراج کا بلاوا خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دولت سرا میں کیوں نہ پہنچا اور حضرت جبریلؑ اس وقت کیوں حاضر ہوئے جب سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے گھر نہ تھے اس کی توجیہہ راجا رشید محمود یوں بیان کرتے ہیں۔

"شہادت کی کاملیت و اکملیت کے خیال سے اور اپنے محبوبؐ سے وصال کے لیے اللہ عزّوجل نے آپؐ کو بلا بھیجا۔ جبریلِ امین علیہ السلام پیغام لائے لیکن اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قیام گاہ سے بلایا جاتا تو جبریلؑ کے لیے دو ہی صورتیں تھیں یا آپؐ کی اجازت کے بغیر گھر میں داخل ہوتے یا باہر سے آپؐ کو اجازت کے لیے پکارتے مومنوں کے لیے یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں اس لیے اپنے گھر کے علاوہ کہیں اور سے بلا بھیجنے کا اہتمام کیا گیا"[5]

ابنِ قیمؒ لکھتے ہیں کہ "صحیح قول کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے جسم مبارک سمیت براق[6] پر سوار کر کے حضرت جبریل علیہ السلام کی معیت میں مسجدِ حرام سے بیت المقدس تک کی سیر کرائی گئی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نزول فرمایا اور انبیاءؑ کی امامت فرماتے ہوئے نماز پڑھائی اور براق کو مسجد کے دروازے کے حلقے سے باندھ دیا تھا"[7]

دو رکعت نماز پڑھ کر آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس سے باہر آئے تو جبریلؑ ایک برتن میں شراب اور دوسرے میں دودھ لے کر آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ کا پیالہ پسند فرمایا۔ تو حضرت جبریلؑ نے فرمایا کہ آپؐ نے فطرت کو اختیار کیا ہے ۸ "رسالت مآبؐ" میں ہے کہ اگر آپؐ شراب اختیار کر لیتے تو آپؐ کی اُمّت گمراہ ہو جاتی، دودھ پینے سے آپ کی اُمّت دینِ فطرت پر ثابت قدم رہے گی ۹

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انبیاء کرامؑ کی امامت فرمائی۔ اس کے بعد تمام انبیاء نے اپنا اپنا تعارف کروایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی نمایاں خوبیاں بیان کیں۔ سب کے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمۃ للعٰلمین بنایا اور تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا مجھے بشیر و نذیر قرار دیا، قرآن پاک مجھ پر نازل کیا جس میں ہر چیز کو واضح طور پر بیان کیا ہے، میری امت کو "امتِ وسط" بنایا، میرے نام کو بلند کیا اور مجھے فاتح اور خاتم قرار دیا۔"

حضرت ابراہیمؑ نے تمام انبیاء کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "آپؐ تمام حضرات سے افضل ہیں ۱۰

پھر حضرت جبریل علیہ السلام حضور محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسمانوں کی سیر کے لیے لے گئے۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰؑ بن مریم اور یحییٰؑ بن زکریا سے، تیسرے آسمان پر حضرت یوسفؑ سے، چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ سے، پانچویں آسمان پر حضرت ہارونؑ بن عمرانؑ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰؑ بن عمران اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم (علیہم السلام) سے ملاقات ہوئی۔ ان تمام انبیاء نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا۔ آپ پر سلام بھیجا اور معراج کی مبارک باد دی ۱۱

حضرت جبریلؑ سدرہ سے کچھ آگے ایک مقام پر رک گئے اور عرض کیا اگر اس مقام سے بال برابر بھی آگے بڑھوں تو جل کر خاک ہو جاؤں گا ۱۲

چنانچہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا آگے بڑھ گئے اور بارگاہِ جلالِ الٰہی تک پہنچے جہاں اللہ سے ہم کلامی کا شرف نصیب ہوا۔ اور اس موقعہ پر جو ارشادات ہوئے ان میں سے چند یہ ہیں۔

ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئیں، سورہ بقرہ کی آخری دو آیات (۲۸۵، ۲۸۶) تعلیم فرمائی گئیں، شرک کے سوا دوسرے سب گناہوں کی بخشش کا امکان ظاہر کیا گیا ارشاد ہوا کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرتا ہے، اس کے حق میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے مگر جو بُرائی کا ارادہ کرتا ہے، اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا جاتا اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے ۱۳ "سیرتِ احمدِ مجتبیٰ" میں اس بات کا اضافہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو نیکی کا ارادہ کرے اس کے اعمال میں ایک نیکی کا ثواب درج ہو گا مگر جو اس نیکی کو عملی جامہ پہنائے اس کو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا ۱۴

جب حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس چھٹے آسمان پہ پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ معراج کا کیا تحفہ لائے؟ فرمایا پچاس نمازیں حضرت موسیٰؑ نے کہا مجھے اپنی امّت کا تجربہ ہے۔ اس کی پابندی آپؐ کی امّت سے بھی نہ ہو سکے گی، تخفیف کی درخواست پر کم ہوتے ہوتے پانچ فرض نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰؑ نے مزید کمی کا مشورہ دیا۔ فرمایا مجھے بار بار اپنے رب سے عرض کرتے ہوئے حیا آتی ہے۔ اتنے میں ندا آئی، پانچ نمازیں نافذ کر دی گئیں۔ لیکن ان کا ثواب پچاس کے برابر ہو گا ۱۵ خود حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بعد میں میں جبریلؑ کے پاس واپس آیا تو انہوں نے بشارت دی کہ آج کی رات (پیر) آپ کو وہ مرتبہ حاصل ہوا کہ کسی نبی مرسل اور مقرب فرشتے کو حاصل نہ ہو سکا۔ اس کے بعد حضرت جبریلؑ نے مجھے جنت کے منازل کی سیر کرائی اور دوزخ کو میرے سامنے پیش کیا گیا ۱۶

معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واپسی پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے جنّت میں امِّ ہانی رضؓ کے قدموں کی آہٹ [۱۸] حضرت بلال رضؓ کی اذان کی آواز اور قدموں کی چاپ [۱۸] اور حضرت زید بن حارثہ رضؓ کو جنت میں ایک نہایت خوبصورت سرخ و سپید کنیز کی خوشخبری اور جنت کی بشارت دی [۱۹]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب معراج سے واپس تشریف لائے تو بستر کو گرم اور زنجیر کو ہلتا ہوا پایا [۲۰]

کفار کو معلوم تھا کہ آپ کبھی بیت المقدس نہیں گئے اس لیے آپ سے نشانیاں پوچھیں آپؐ نے ان کے تمام سوالات کے درست جوابات دیئے تو ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں [۲۱] حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا یہ اہم ترین واقعہ اور نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ بہت بڑا معجزہ پیر (دوشنبہ) کے دن ظہور میں آیا۔

اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ راز و نیاز

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معراج کی رات اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوتے۔ محبوب و محب کی ملاقات کی کیفیات کیا تھیں، قابَ قوسین کے قرب کی تفصیلات کیا ہیں، "او ادنیٰ" کی حدیں کیا تھیں "فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ" — جو کچھ خالق و مالک نے اپنے محبوب بندے اور رسول کو دینا تھا، دیا جو کہنا تھا، کہا۔ راز و نیاز کے انداز میں ہونے والی باتیں کیا تھیں، — کون کچھ بتا سکتا ہے۔ بس، جو کچھ ہمیں بتانا مقصود تھا، احادیثِ مبارکہ کے ذریعے ہم تک پہنچا دیا گیا ہے۔ زیرِ نظر موضوع کے پیشِ نظر سب سے اہم بات یہ ہے کہ محبوب و محب کا یہ وصال، راز و نیاز کی یہ باتیں پیر کے دن ہوئیں یعنی حیاتِ طیبہ کا یہ اہم واقعہ بھی پیر کے دن (دوشنبہ کو) ہوا۔

حواشی

۱ —— عزیز الرحمٰن، مفتی۔ "رسالتمآبؐ" حصہ اوّل، دوم۔ ص ۷۷/ محمد عابد، سیّد "رحمۃ للعٰلمینؐ" - ص ۲۵۹/ معارج النبوت۔ جلد دوم ص ۴۰۱/ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۷۵/ سیرۃِ محمدیہؐ ترجمہ المواہب اللدنیہ۔ ص ۲۵۶/ تاریخ الخمیس بحوالہ ماہنامہ نعت لاہور۔ مارچ ۱۹۸۹ء، مضمون "معراج، کیوں اور کیسے" (تحریر عبد التواب) ص ۳۱/ ماہنامہ نعت لاہور۔ اپریل ۱۹۸۹ء، مضمون "وصلِ حبیبؐ" (تحریر مولانا نعیم الدین مراد آبادی) ص ۱۵

۲ —— معارج النبوۃ (جلد دوم) ص ۴۰۱/ یوسف بن اسماعیل نبہانی، علامہ۔ جلد اوّل۔ انوارِ محمدیہ۔ ص ۴۲/ النجم (پندرہ روزہ) لکھنؤ۔ ربیع الاوّل ۱۳۳۱ھ ص ۱۶/ سیرتِ محمدیہ ترجمہ مواہب اللدنیہ۔ ص ۲۵۵، ۲۵۶/ مصباح الدین شکیل، شاہ۔ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ ص ۴۰۰، ۴۰۱/ الرحیق المختوم ص ۲۳۷/ رسالتمآبؐ ص ۷۷/ شہناز کوثر۔ "قوسِ قزح" ص ۱۸، ۱۹

۳ —— سیرتِ رسولِ عربیؐ ص ۹۴/ نقوش۔ رسولؐ نمبر جلد ۷۔ ص ۳۰۳/ محمد سلیمان سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمینؐ (جلد اوّل) ص ۷۰/ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک ص ۷۵/ محمد عابد، سیّد۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ ص ۲۵۹

۴ —— رسالتمآبؐ ص ۷۷/ ولید الاعظمی۔ معجزاتِ سرورِ عالمؐ (ترجمہ حافظ محمد ادریس) ص ۴۲/ "نعت"، ماہنامہ، لاہور۔ مارچ ۱۹۸۹ء۔ ص ۳۲

۵ —— "نعت" (ماہنامہ) لاہور۔ مارچ ۱۹۸۹ء، (مضمون "معراجِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" تحریر راجا رشید محمود) ص ۹۸۔
ماہنامہ "نعت" کے اسی شمارے میں راجا رشید محمود کی ایک نظم "خواہشِ وصل کی تکمیل" بھی شامل ہے۔ اس نظم کے آغاز میں بھی انھوں نے اس

پہلو پر ان الفاظ میں گفتگو کی ہے۔

کوئی محوِ خواب تھا، سویا ہوا تھا فرش پر
کوئی ملنا چاہتا تھا اس سے بامِ عرش پر
حکم کا بندہ کوئی سدرہ سے بڑھا آ گیا
وہ کسی کو اب کسی کے پاس لے جانے کو تھا
بے اجازت گھر میں وہ داخل نہ ہوتا تھا کبھی
کرنا پڑتا تو یقیناً اب بھی وہ کرتا یہی
آج چونکہ اپنے حجرے میں کوئی سویا نہ تھا
مسئلہ اذنِ حضوری کا نہ یوں پیدا ہوا
نیند سونے والے کی لیکن اہم اتنی رہی
کم عبادت کرنے کی تلقین کرتا تھا کوئی
کیا فرستادہ کسی کا ڈالتا اس میں خلل
ایک ہی نکلا بالآخر سارے ان عقدوں کا حل
سونے والے کے قدم سے مل رہا تھا پر کوئی
جاگ اٹھا لمسِ عقیدت آشنا پاکر کوئی

(صفحہ ۱۰۶)

۶ ــــــ معارج النبوت میں ہے کہ جب جبریلؑ خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق آپؐ کے لیے جنّت سے براق لانے کے لیے گئے تو وہاں چالیس ہزار براق چر رہے تھے اور ایک براق غمگین اور آزردہ ایک کونے میں سر جھکائے رو رہا تھا۔ جبریلؑ نے اس کے پاس جاکر اس کا حال پوچھا اس براق نے بتایا کہ ہزار سال پہلے میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام سنا تھا۔ اس روز سے آپؐ کی محبت و عشق میں مبتلا ہوں۔ جب سے آپؐ کا نام سنا ہے کچھ کھانے کو جی نہیں چاہتا۔ حضرت جبریلؑ

نے اس براق کو آپؐ کی سواری کے لیے پسند فرمایا (معارج النبوّت (جلد دوم) ص ۴۰۰)

جب آپؐ براق پر تشریف رکھنے لگے تو اس نے گزارش کی کہ آج رات میں سعادتِ وصال سے مشرف ہوں، آنجنابؐ کی روح افزا روح اور جاں بخش رائحے سے آسودہ اور مطمئن ہوں۔ کل قیامت کو جب فلک پیما، عالم آرا، برق آسا بے شمار براق آپؐ کی خدمت میں ہوں گے، ایسا نہ ہو کر آپؐ مجھ سے صرفِ نظر کرکے ان کی طرف ملتفت ہوں اور مجھے بیکار چھوڑ دیں۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مجھ میں اس بات کی طاقت نہ ہوگی۔ میری درخواست قبول فرمائیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو تسلّی دی اور وعدہ فرمایا کہ قیامت کے دن میں تجھ پر ہی سواری کروں گا۔ اس فیصلے پر براق خوش ہوکر آپ کے آداب بجالایا۔ (معارج النبوت جلد دوم ص ۴۰۶)

۷ ــــــ الرحیق المختوم۔ ص ۲۳۸/ الخصائص الکبریٰ (جلد اوّل) ص ۲۹۹، ۳۲۲/ رسالتمآبؐ ص ۷۸، ۷۹/ سیرتِ احمد مجتبیٰؐ ص ۴۰۷/ باڈلے۔ "الرسولؐ" (مترجم ایم ایس ناز) ص ۱۷۷/ غلام احمد حریری۔ سیرتِ سرورِ انبیاء۔ ص ۸۷/ سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔ ص ۸۰/ محمد عابد سیّد۔ رحمۃ للعالمینؐ ص ۲۶/ معارج النبوّت (جلد دوم) ص ۴۱۱۔

۸ ــــــ الخصائص الکبریٰ (جلد اوّل) ص ۲۹۹/ سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمینؐ جلد اوّل ص ۷۳/ الرحیق المختوم ص ۲۴۱/ "الرسولؐ" ص ۱۸۲/ سیرتِ احمد مجتبیٰؐ ص ۴۰۸۔

۹ ــــــ رسالتمآبؐ ص ۸۲

۱۰ ــــــ رسالتمآبؐ ص ۷۹، ۸۰/ معارج النبوت (جلد دوم) ص ۴۱۱، ۴۱۴/ سیرتِ احمد مجتبیٰؐ ص ۴۰۷۔

۱۱ —— الرحیق المختوم ص ۲۳۸، ۲۳۹/ الخصائص الکبریٰ ص ۲۹۹، ۳۰۰/ رسالتمآبؐ ص ۸۰، ۸۱/ "الرسولؐ" ص ۱۷۷—۱۸۱۔

۱۲ —— سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ ص ۴۱۲/ ملا معین واعظ الکاشفی الھروی "معارج النبوت" جلد دوم ص ۴۵۰/ الخصائص الکبریٰ (جلد اوّل) ص ۳۰۳۔

۱۳ —— سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک ص ۷۹، ۸۰/ محمد عابد، سیّد۔ رحمۃ للعٰلمینؐ۔ ص ۲۶۰/ رسالتمآبؐ۔ ص ۸۲، ۸۳/ باڈلے "الرسولؐ"۔ ص ۱۸۴/ الرحیق المختوم۔ ص ۲۳۹/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ ص ۴۱۲/ معارج النبوت جلد دوم ص ۴۵۵۔

۱۴ —— سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ ص ۴۱۴۔

۱۵ —— سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ ص ۴۱۳، ۴۱۴/ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک ص ۷۹، ۸۰/ الرحیق المختوم۔ ص ۲۳۹، ۲۴۰/ الخصائص الکبریٰ (جلد اوّل)۔ ص ۳۰۳، ۳۰۴/ باڈلے۔ "الرسولؐ" ص ۱۸۴/ محمد عابد، سیّد۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ ص ۲۶۰، ۲۶۱/ فوق بلگرامی، سیّد اولادِ حیدر۔ اسوۃ الرسولؐ جلد دوم۔ ص ۲۶۰/ رسالتمآبؐ ص ۸۸۔

۱۶ —— رسالتمآب ص ۸۸/ الرحیق المختوم ص ۲۴۱/ معارج النبوت (جلد دوم) ص ۵۰۷—۵۲۲۔

۱۷ —— سعید انصاری، مولانا۔ "سیر الصحابیات"۔ ص ۱۵۲

۱۸ —— سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ ص ۴۱۲

۱۹ —— محمد عابد، سیّد۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ ص ۲۶۱

۲۰ —— ولید الاعظمی۔ معجزاتِ سرورِ عالمؐ۔ ص ۴۹

۲۱ —— معارج النبوت (جلد دوم) ص ۵۰۴/ انوارِ محمدیہؐ ص ۷۲/ محمد عابد، رحمۃ للعالمینؐ ص ۲۶۱/ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک ص ۸۱، ۸۲/ شواہد النبوۃ۔ ص ۱۰۲/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ ص ۴۱۵۔

حضرت ابوبکرؓ کیلئے صدیقؓ کا لقب

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے جب اس مقدس سفر کے حالات قریشِ مکہ سے بیان فرمائے تو انہوں نے حسبِ معمول تالیاں بجائیں اور تمسخر اڑایا۔ کچھ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے دوست یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) یہ کہتے ہیں کہ میں آج رات بیت المقدس گیا اور صبح سے پہلے واپس آ گیا۔ کیا تم اس کی بھی تصدیق کرو گے؟ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کہ کیا رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ایسا ہی فرمایا ہے؟ لوگوں نے کہا، ہاں۔ اس پر انہوں نے کہا اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے تو بالکل سچ فرمایا ہے۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور میں تو اس سے بھی بڑھ کر آپؐ کی بیان کردہ آسمانی خبروں کی صبح و شام تصدیق کرتا رہتا ہوں، چنانچہ اسی روز سے آپؓ کا لقب "صدیق" ہو گیا[1] اس طرح حضرت ابوبکرؓ کو صدیق کا لقب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پیر جیسے مبارک دن کو ملا۔

حاشیہ

۱ —— نقوشِ رسولؐ نمبر جلد ۷۔ ص ۳۰۳/ رسالتمآبؐ ص ۹۰، ۹۱/ محمد عابد، سیّد رحمۃ للعالمینؐ ص ۲۶۱/ نبیِ رحمتؐ ص ۱۴۷، ۱۴۸/ انوارِ محمدیہؐ ص ۷۲/ معجزاتِ سرورِ عالمؐ ص ۴۴، ۴۵/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ ص ۴۱۵/ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۸۱/ معارج النبوت (جلد دوم) ص ۵۰۴۔

ہجرتِ مدینہ

طبری اور ابنِ سعد کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ مکرمہ سے دوشنبہ کے دن نکلے[1]۔

ابنِ اسحاق، واقدی، ابنِ سعد، مسعودی، مقدسی، طبری اور اکثر مستشرقین اور شیعہ علماء قائل ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۱۲ ربیع الاوّل کو دوشنبہ کے دن مدینہ پہنچے[2]۔ البتہ چند انگریز سیرت نگار اور مولانا شبلی کے نزدیک مدینہ پہنچنے کی تاریخ ۸ ربیع الاوّل ہے۔ اسحاق النبی علوی اس بات کو غلط ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "میرے نظریۂ تقویم کے بموجب ۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱ھ کو دوشنبہ ہی کا دن تھا کیونکہ اس سال مکی ماہِ ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ پنج شنبہ ۱۱ نومبر سنہ ۶۲۲ء کے مطابق تھی جس کے حساب سے ۱۲ ربیع الاوّل کو دوشنبے کا دن اور جولین تاریخ ۲۲ نومبر سنہ ۶۲۲ء ہونا چاہیے جو روایات کے عین مطابق ہے"[3]۔

شبلی لکھتے ہیں کہ قبا میں چودہ دن قیام کے بعد جمعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ شہر تشریف فرما ہوئے[4]۔

اسحاق النبی علوی شبلی کے جواب میں لکھتے ہیں کہ صحیح روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ "قبا میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا ورود دوشنبے کو ہوا تھا تو چودہ دن کے بعد پندرھویں دن پھر دوشنبہ ہی ہوگا نہ کہ جمعہ"[5]۔ اس کے بعد اسحاق علوی اپنا خیال یوں ظاہر کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصے میں آپ شہر آتے جاتے رہے[6]۔

مسلمانوں نے دس سال کا طویل عرصہ مکہ میں کفار کے ساتھ سخت مشکل میں گزارا۔ اس عرصے میں مسلمانوں کے ساتھ ظلم کی انتہا کی گئی مگر اسلام سے محبت

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق میں مسلمانوں نے ان مصائب و آلام کو برداشت کیا اور ان کے صبر و استقامت میں کوئی کمی نہ آئی۔ آخر ہجرت کا حکم ہوا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے اس محبوب اور پسندیدہ شہر مکہ سے ہجرت کر کے اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پسندیدہ شہر مدینہ میں تشریف لے آئے اور اس شہر کو اپنی دائمی رہائش کے لیے چن لیا۔ اسلام میں ہجرتِ مدینہ کو بہت اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہی وہ موڑ تھا کہ جب پہلی بار مسلمانوں کو کھل کر سانس لینا نصیب ہوا۔ ہجرتِ مدینہ میں دوشنبہ کا ذکر خصوصیت سے ہوا ہے۔ اہلِ سیر کے مطابق مکہ سے ہجرت، غارِ ثور سے روانگی، قبا میں نزول اور مدینہ میں قیام کے سلسلے میں دوشنبہ کا ذکر آتا ہے[7]۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنا بیعتِ عقبہ کے دو ماہ چند دن بعد ہوا۔ بعض نے ڈھائی ماہ کہا ہے اور بعض نے تین ماہ یا اس کے قریب۔ ماہِ ربیع الاوّل میں جمعرات کا دن کہا ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ "دوشنبہ" کا دن تھا[8]۔ بیعتِ عقبہ ثانیہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ تو صحابہؓ آہستہ آہستہ مکہ سے نکل گئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بدستور مکہ میں مقیم رہے حتیٰ کہ قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے تاکہ آپ کے بارے میں مشورہ کر سکیں۔ دارالندوہ میں قریش اس متفقہ فیصلے پر پہنچے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔ جب اندھیرا چھا گیا تو کفار اکٹھے ہو کر آپ کے دروازے پر جمع ہو گئے کہ اندھیرا ہونے پر حملہ کیا جا سکے۔ اتنے میں جبریلؑ نے کفار کا سارا منصوبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بتایا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی چارپائی پر حضرت علیؓ کو سلا دیا[9] اور حضرت علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چارپائی پر سبز چادر اوڑھ کر اطمینان سے سو گئے[10]۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باہر تشریف لے آئے۔ مشرکین کی صفیں چیریں اور ایک مٹھی سنگریزوں والی مٹی لے کر ان کے سروں پر ڈالی[11]۔ اللہ نے ان کی نگاہیں پکڑ لیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ نہ سکے

اس موقع پر کوئی بھی مشرک باقی نہ بچا جس کے سر پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹی نہ ڈالی ہو۔ اس کے بعد آپ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور پھر ان کے مکان کی ایک کھڑکی سے نکل کر دونوں حضرات نے رات ہی رات یمن کا رخ کیا۔ اور چند میل پر واقع ثور نامی پہاڑ کے ایک غار میں جا پہنچے[12]۔ قریش رات بھر آپس میں الجھتے رہے۔ وہ سوچتے تھے کہ بستر پر ہی حملہ کر کے آپ کو قابو کر لیے جاتے[13] صبح تک یہی گفتگو چلتی رہی۔ کوئی فیصلہ نہ کر پاتے[14]

صبح کو حسبِ معمول حضرت علی رضی اللہ عنہ خواب سے بیدار ہوئے تو کفار کے ہوش اُڑ گئے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت علی نے جواب میں انہیں پوچھا کہ کیا تمہاری جگہ میں پہرہ دے رہا تھا۔ تمہارا پہرہ تھا۔ تم لوگوں نے انہیں جانے دیا اور وہ چلے گئے۔ اس پر قریش بہت غصے میں آ گئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قید کر کے خانہ کعبہ تک لے گئے۔ تھوڑا سا مارا، اور کچھ دیر بعد چھوڑ دیا[15]۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کفار نے اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ کفار نے جو امانتیں[16] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ وہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر گئے تھے کہ یہ امانتیں امانت داروں کے پاس پہنچا کر مدینہ میرے پاس آجانا[17]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مکہ سے تقریباً پانچ میل[18] دور ثور نامی ایک پہاڑ[19] پر پہنچے۔ یہ پہاڑ نہایت پُر پیچ اور مشکل چڑھائی والا ہے۔ یہاں پتھر بھی بہت ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں زخمی ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھا لیا اور دوڑتے ہوئے پہاڑ کی ایک غار تک جا پہنچے[20]۔ غار ثور پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ غار میں داخل ہوں مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ آپ داخل نہ ہوں جب تک کہ میں داخل نہ ہو لوں۔ کہ اگر اس میں کوئی سانپ بچھو وغیرہ ہو تو وہ مجھ کو کاٹے، آپ کو نہ کاٹے۔ اس لیے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پہلے داخل ہوتے۔ غار میں جھاڑو دی اس کے ایک طرف میں کچھ سوراخ پائے۔ اپنی قیمتی چادر پھاڑ کر ان کو بند کیا مگر دو سوراخ

باقی رہ گئے۔ ان میں اپنے دونوں پاؤں ڈال دیئے۔ پھر عرض کیا۔ اب تشریف لائیے آپ داخل ہوئے اور سر مبارک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھ کر سو گئے۔ ایک سوراخ سے کسی چیز نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو کاٹا مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے کہ مبادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاگ اٹھیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے آنسو جو آپ کے چہرہ مبارک پر گرے تو فرمایا" ابو بکر تجھے کیا ہوا۔ عرض کی " میرے ماں باپ آپ پر فدا۔ مجھے کسی چیز نے کاٹ کھایا" آپ نے زخم پر لعاب دہن لگا دیا۔ فوراً سب درد جاتا رہا[21]۔

" کفارِ مکہ نے آپ دونوں کی تلاش میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ کھوجیوں کو ساتھ لے کر کھُرا دیکھتے دیکھتے غار کے منہ تک جا پہنچے۔ مسند بزار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکڑی کو حکم دیا۔ اس نے غار کے منہ پر جالا تن دیا اور جنگلی کبوتروں[22] کو بھیج دیا وہ غار کے دروازے پر جا بیٹھے۔ یہ دیکھ کر کفار غار کے اندر جانے سے رک گئے۔ جب وہاں پہنچے تو کبوتروں کو اڑتے اور غار کے منہ پر جالا تنا دیکھ کر کہنے لگے اگر کوئی اس میں داخل ہوتا تو یہ انڈے گر جاتے اور جالا ٹوٹ جاتا۔ چنانچہ یہ کہہ کر وہ وہاں سے واپس چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس مخفی تدبیر سے ان کو نامراد واپس کیا"[23]

غارِ ثور میں حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما کھانا لے کر آتیں[24]۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ[25] بکریاں چراتے رہتے اور جب رات کا ایک حصہ گزر جاتا تو بکریاں لے کر ان کے پاس پہنچ جاتے۔ اس طرح دونوں حضرات رات کو آسودہ ہو کر دودھ پی لیتے پھر صبح تڑکے ہی عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ بکریاں ہانک کر چل دیتے[26] حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما ہر روز شام کے وقت غار میں آ کر ان تمام باتوں کی خبر دیتے جو مکہ میں ہوتیں اور عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہر رات بکریاں لاتے تاکہ ان کا دودھ لیا جا سکے اور ضرورت کے تحت ذبح بھی کی جا سکیں وہ صبح سویرے جا کر دوسرے لوگوں کے چرواہوں میں شامل ہوتے تاکہ ان کے متعلق

کوئی معلوم نہ کر سکے۔ پھر جب ان کے معاملے میں لوگوں کی آوازیں دھیمی پڑ گئیں اور معلوم ہو گیا کہ مکے والے تھک ہار کر خاموش ہو کر بیٹھ گئے ہیں تو عبداللہ بن ابی بکرؓ اور عامر بن فہیرہؓ دو اونٹ لے کر آ گئے[٢٧]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ غارِ ثور سے روانہ ہونے لگے تو حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ زادِ سفر لے کر آ گئیں مگر اس میں لٹکانے والا بندھن لگانا بھول گئیں۔ جب روانگی کا وقت آیا اور حضرت اسماءؓ نے توشہ لٹکانا چاہا تو دیکھا کہ اس میں بندھن ہی نہیں ہے۔ انہوں نے اپنا پٹکا (کمربند) کھولا اور دو حصوں میں چاک کر کے ایک میں توشہ لٹکا دیا اور دوسرا کمر میں باندھ لیا۔ اسی وجہ سے ان کا لقب "ذات النطاقین" پڑ گیا[٢٨]

تین دن اور تین راتیں غارِ ثور میں گزارنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یکم ربیع الاوّل کو پیر (دوشنبہ) کے دن غارِ ثور سے نکل کر سفر شروع کیا۔[٢٩] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کے مطابق غارِ ثور سے نکلنے کے بعد جن اونٹنیوں پہ سوار ہو کر مدینہ کی طرف سفر شروع کیا، ان اونٹنیوں کو اسی سفر کی خاطر خریدا گیا تھا[٣٠]

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غارِ ثور سے دوشنبہ کے دن نکلے اور مدینہ طیبہ کی طرف سفر شروع کیا۔ غارِ ثور سے نکلنے کے بعد ام معبد سے ملاقات ہوئی۔ اور یہاں ایک معجزہ ظہور میں آیا۔ راستے میں ام معبد کا خیمہ پڑتا تھا۔ یہ خاتون بہت مہمان نواز تھی۔ مسافروں کی خبر گیری میں مشہور تھی۔ ان کے خیمے پر پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے کھانے کی کوئی چیز مانگی۔ وہ بولیں کہ اس وقت تو کچھ بھی موجود نہیں اگر موجود ہوتی تو میں آپؐ کے کہنے سے پہلے لا دیتی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خیمے کے کونے میں ایک مریل سی بکری[٣١] دیکھی اور ام معبد سے پوچھا کہ کیا میں اس بکری کا دودھ دوہ لوں۔ ام معبد[٣٢] بولیں یہ بکری کمزور ہونے کی وجہ سے ریوڑ کے ساتھ نہیں جا سکی۔ اس میں دودھ کہاں، لیکن اگر آپؐ کو معلوم ہوتا ہے تو دوہ لیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے برتن مانگا اور بسم اللہ پڑھ کر بکری کو دوہنا شروع

کیا۔ ہاتھ لگانے کی دیر تھی کہ برتن دودھ سے اتنا بھر گیا کہ باہر گرنے لگا۔ یہ دودھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے ساتھیوں نے پیا اور دو برتن دودھ پی لینے کے بعد تیسری مرتبہ برتن بھر کر ام معبد کے لیے چھوڑ دیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آگے روانہ ہو گئے۔ کچھ دیر بعد ام معبد کا شوہر آ گیا۔ خیمہ میں دودھ کا برتن بھرا دیکھ کر بہت حیران ہوا اور ام معبد سے پوچھنے لگا یہ کہاں سے آیا ہے ام معبد نے اسے بتایا کہ ایک بابرکت شخص آیا تھا اور یہ دودھ ان کے قدوم کا نتیجہ ہے وہ بولا یہی وہ صاحب قریش معلوم ہوتا ہے جس کی مجھے تلاش تھی، ذرا ان کی توصیف تو بیان کرو۔ اس پر ام معبد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سراپا بیان کیا[٣٣]

ام معبد کے خیمہ پر ہی ایک اور معجزہ رونما ہوا کہ امِّ معبد کے خیمے پر نماز کا وقت آیا۔ آپؐ نے وضو کیا۔ شانِ الٰہی سے جہاں پر آنجناب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے وضو کا پانی ٹھہرا تھا۔ ایک عجیب و غریب درخت وہاں پیدا ہو گیا جن کا نام شجرۃ المبارک تھا۔ اس پر نہایت خوش ذائقہ میوے لگتے تھے جو بیماروں کے واسطے شفا تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وصال فرما گئے تو وہ درخت بھی خشک ہو گیا[٣٤]

"قریش نے اعلان کیا تھا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا، اس کو ایک خون بہا کے برابر یعنی سو[٣٥] اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے سراقہ[٣٦] بن جعشم نے سنا تو انعام کے لالچ میں نکلا۔ عین اس حالت میں کہ آپؐ روانہ ہو رہے تھے۔ اس نے آپؐ کو دیکھ لیا اور گھوڑا دوڑا کر قریب آ گیا لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، وہ گر پڑا۔ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور آگے بڑھا۔ اب کی بار گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے، گھوڑے سے اتر پڑا۔ مکرر تجربہ نے اس کی ہمت پست کر دی اور یقین ہو گیا کہ یہ کچھ اور آثار ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آ کر قریش کے اعلان کا واقعہ سنایا اور درخواست کی کہ مجھ کو امن کی تحریر لکھ دیجیے۔ حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامرؓ بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمانِ امن لکھ دیا[٣٧]

ایک اور شخص جس کا نام بریدہ اسلمی تھا اور اپنے قبیلہ کا سردار تھا، یہ بھی انعام کے لالچ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکلا اور آپؐ کو راہ میں پالیا۔ جب سامنے آیا اور ہم کلام ہوا تو اثر و جذب کا ایک تیر تھا جو سیدھا دل میں اتر گیا اور اپنی قوم کے ستر آدمیوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ جوش مسرت سے اپنی سفید پگڑی نیزہ پر باندھ کر اس کاروان رشد و سعادت کے آگے آگے چل پڑا۔ پگڑی کا پھریرا ہوا میں لہراتا اور رقص انگیز انداز سے بشارتیں سناتا چلا جا رہا تھا کہ امن کا بادشاہ، صلح کا حامی، دنیا کو انصاف و عدالت سے بھرپور کر دینے والا آ رہا ہے۔ اس طرح رواں دواں، نور و نکہت کی ہزار دنیائیں اپنے جلو میں لیے یہ قافلہ جذب و سرور مدینہ کی طرف بڑھتا گیا[38]

اسی سفر میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ شام سے واپس آتے ہوئے زبیرؓ بن عوام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی اور آپؐ کو اور ابو بکرؓ کو پہننے کے لیے سفید کپڑوں کا تحفہ دیا[39]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ یعنی (پیر) کو ظہر کے وقت مدینہ میں داخل ہوئے[40] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبا میں منازل بنی عمرو بن عوف میں ٹھہرے اور چودہ دن وہاں قیام کیا[41]۔ قبا کی بستی اس وقت مدینہ منورہ سے ۳ میل دور واقع تھی[42]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن عوف کے قبیلہ کے سردار کلثومؓ بن ہدم انصاری کے گھر قیام[43] فرمایا۔ یہاں اکثر صحابہ[44] پہلے سے ان کے مہمان تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی اس بستی میں رہنے کے لیے انہی کے گھر کا انتخاب کیا[45]

کلثوم بن ہدم ایک سن رسیدہ بزرگ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے بعد یہ پہلے شخص تھے جن کا ہجرت کے بعد انتقال ہوا[46]

حضرت علیؓ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مکہ میں تین روز ٹھہر کر اور لوگوں کی جو امانتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھیں انہیں ادا کر کے پیدل ہی مدینہ کا رخ کیا اور قبا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آملے اور کلثومؓ بن ہدم کے

یہاں قیام فرمایا[47]

کلثوم بن ہدم کی ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں خشک ہونے کے لیے پھیلا دی جاتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے یہ زمین لے کر مسجد کی بنیاد رکھی۔ اس مسجد کی تعمیر میں دیگر اصحاب کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود بھی بغرض تشویق و ترغیب کام کرتے تھے۔ شموس بنت نعمان انصاریہ مدنیہ کا بیان ہے کہ میں دیکھ رہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا بھاری پتھر اٹھاتے کہ جسم اطہر خم ہو جاتا اور بطن شریف پر مجھے مٹی کی سفیدی نظر آجاتی، آپؐ کے اصحابؓ میں سے اگر کوئی عقیدت مند آ کر عرض کرتا۔ "یا رسولؐ اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا! چھوڑ دیجیے۔ میں اٹھاتا ہوں۔ تو آپؐ فرماتے۔ نہیں تم ایسا اور پتھر اٹھا لو۔ اور خود اسی کو عمارت میں لگاتے۔ اس تعمیر میں حضرت جبرئیل آپؐ کو سمت قبلہ بتا رہے تھے۔ اسی واسطے کہا جاتا تھا کہ اس مسجد کا قبلہ اعدل واقوم ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ خزرجی شاعر بھی تعمیر مسجد میں شامل تھے اور کام کرتے ہوئے یوں کہتے جاتے تھے۔

"وہ کامیاب ہے جو مسجدیں تعمیر کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے اور رات کو جاگتا رہتا ہے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے[48]

اس مسجد کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ اور پنجشنبہ کو نماز وہیں پڑھتے تھے[49] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد قبا میں نماز پڑھنا عمرہ کے برابر ہے[50]

حضرت کلثوم بن ہدم کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت مدینہ میں کئی باتوں میں پہل کر گئے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ میں سب سے پہلے میزبان بننے کا شرف حاصل ہوا، مدینہ کی سب سے پہلی مسجد "مسجد قبا" ان کی زمین پر بنائی گئی اور یہ وہ صحابی ہیں جو ہجرت کے بعد سب سے پہلے فوت ہوئے۔

حواشی

۱۔ طبری جلد ۲۔ ص ۲۵۴، ابنِ ہشام۔ جلد ۲، ابنِ سعد۔ جلد ۱۔ ص ۱۵۷ بحوالہ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۴)

۲۔ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۴، ۱۵۵۔

۳۔ ایضاً۔ ص ۱۵۵۔

۴۔ سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۷۷ بحوالہ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۶۔

۵۔ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۶۔

۶۔ ایضاً۔

۷۔ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ طیبہ کو ہجرت فرماتے وقت ربِ کریم سے دعا فرمائی "اے اللہ تو نے میری محبوب ترین جگہ سے مجھے ہجرت کرائی۔ اب تو مجھے اس قطعۂ زمین میں آباد کر جو تجھے سب سے محبوب اور پسندیدہ ہو (مستدرک حاکم بحوالہ میرے سرکارؐ۔ از راجا رشید محمود۔ ص ۴۸ / قوسِ قزح ص ۱۹۔)

"مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ معظمہ سے باہر تشریف لے جاتے وقت "حزورہ" پر جو کہ حرم شریف کا ایک مقام ہے کھڑے ہو کر زمینِ مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا، "خدا کی قسم تیری زمین، خدا کی تمام زمینوں سے زیادہ میرے نزدیک محبوب ہے۔ اگر تیری زمین کے رہنے والے مجھے ہجرت پر مجبور نہ کرتے تو میں اس سے باہر نہ ہوتا" (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۹۵)

۸۔ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۹۶، ۹۷۔

۹۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ کو جا رہا ہوں مگر تم یہاں رہو اور لوگوں کی جو امانتیں میرے

پاس رکھی ہیں وہ ان تک پہنچا کر میرے پاس مدینے چلے آنا"۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے بستر پر لٹا کر اپنی سبز چادر اُڑھا دی۔ (المشاہد۔ ص ۵/ الرحیق المختوم۔ ص ۲۷۴/ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۷۷/ سیرتِ رسولِ عربیؐ ص ۱۰۰، ۱۰۴/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۹۲/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۲۸۶/ الوفا۔ ص ۲۸۱/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۰۳/۴/ شبلی۔ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل۔ ص ۱۷۰/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۲۵۰/ سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۸۵/۸۶)

۱۰۔ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۷۷/ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۹۹/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۹۲/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۲۸۲-۲۸۴/ الوفا۔ ص ۲۸۰، ۲۸۱/ مودودی۔ سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ ص ۲۰، ۲۱/ شرف التواریخ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۸۵۔

۱۱۔ واقدی نے اپنے شیوخ اور اساتذہ کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاک میں ساری رات درِ اقدس پر کھڑے رہے ان کے نام یہ ہیں۔ ابوجہل، حکم بن ابی العاص، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن الحارث امیہ بن خلف، ابن الغیطلہ، زمعہ بن اسود، طعیمہ بن عدی، ابولہب، اُبیّ بن خلف اور حجاج کے دو بیٹے نبیہ و منبہ۔ (الوفا۔ ص ۲۸۳) مولانا مودودی ان اشخاص میں حارث بن قیس کا نام بھی لیتے ہیں (سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۳۷)

۱۲۔ الرحیق المختوم۔ ص ۲۷۴/ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۷۶، ۷۷/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۹۴/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۲۸۴، ۲۸۵/ سیرۃ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل ص ۳۰۳/۴/ سیرت النبی کامل۔ ص ۱۳۱/ شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہؐ ص ۲۴۵۔

۱۳۔ "سہیلی نے بعض علمائے سیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان لوگوں نے دیوار پھاند کر اندر جانے کی کوشش کی تھی مگر اندر سے کسی عورت کے چیخنے کی آواز

آئی جسے سن کر وہ ٹھٹک گئے اور انہوں نے آپس میں کہا کہ "واللہ، یہ سارے عرب میں ہمارے لیے سخت بدنامی کی بات ہوگی کہ ہم دیواریں پھاند کر رات کو اپنے ہی ایک رشتہ دار کے گھر میں گھسے اور ہم نے اپنے قبیلے کی بیٹیوں کی عزت و آبرو کا لحاظ بھی نہ کیا"۔ یہی بات تھی جس کی وجہ سے یہ لوگ رات بھر باہر بیٹھے رہے اور اس انتظار میں رہے کہ صبح سویرے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اٹھیں تو یکبارگی آپؐ پر ٹوٹ پڑیں"۔ (سیرت سرورِ عالمؐ۔ ص ۲۴۳)

۱۴ــــ عروہؓ بن زبیر۔ مغازیٔ رسولؐ اللہ۔ ص ۱۳۲۔

۱۵ــــ سلمان منصورپوری۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۸۶/ شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۷۱/ مودودی۔ سیرت سرورِ عالمؐ۔ ص ۲۴۲/ شیخ محمد رضا۔ محمد رسولؐ اللہ۔ ص ۲۴۵/ عروہؓ بن زبیر۔ مغازیٔ رسولؐ اللہ۔ ص ۱۳۲۔

۱۶ــــ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قریش کو حد درجہ عداوت تھی تاہم آپؐ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال و اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا، آپؐ ہی کے پاس لا کر رکھتا تھا۔ (شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۷)

۱۷ــــ المشاہد۔ ص ۵۔

۱۸ــــ سید نجم الحسن لکھتے ہیں کہ غارِ ثور "مکہ سے ایک گھنٹے کی راہ پر ڈھائی میل جنوب کو واقع ہے"۔ (سید نجم الحسن۔ چودہ ستارے۔ ص ۲۲)

۱۹ــــ "قدیم زمانے میں یمن کو جانے والا راستہ اس کے قریب سے گزرتا ہے مکے سے کوئی تین چار میل کے فاصلے پر وہ پہاڑ ہے جس پر غارِ ثور واقع ہے سطحِ سمندر سے اس کی اونچائی کوئی ۳۲۰۰ فٹ ہے مکہ کی سطح سے ۱۲۰۰ فٹ اونچا ہے۔ یہ جبلِ نور سے زیادہ بلند ہے۔ چوٹی کے قریب ہی یہ غار واقع ہے۔ جبلِ ثور کا سلسلہ کم و بیش چار میل پر پھیلا ہوا ہے۔ پہاڑ کی چڑھائی ناہموار مگر سیدھی ہے اس لیے خاصی دشوار گزار ہے۔ جبلِ ثور پر بلسان کے درخت بہت ہیں جن سے روغن اور ادویات بنائی جاتی ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک شخص ثور بن عبد مناف گزرا ہے کہتے ہیں اس نے کسی سفر کے دوران اس پہاڑ پر قیام کیا تھا اس لیے اس کا نام "جبلِ ثور" پڑ گیا۔ اوپر سے چوٹی کے قریب کوئی دو فرلانگ نشیب میں ایک ڈھلوان اور دشوار گزار راستہ ہے جس کے آخر میں یہ غار ہے جو عام گزرگاہ سے ہٹ کر پہاڑ کی داہنی جانب واقع ہے۔ غار کا رقبہ تقریباً دو مربع میٹر ہے۔ دہانہ بہت تنگ ہونے سے ایک آدمی مشکل سے اندر جا سکتا ہے۔ جاتے ہوئے سر کو جھکانا پڑتا ہے۔ سیدھے کھڑے ہو کر داخل ہونا ممکن نہیں۔ اندر غار کی وسعت کچھ زیادہ نہیں ہے۔ اندرونی بلندی پانچ چھ فٹ ہے اور سات آٹھ آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ (سیرت احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۷۵، ۴۷۶)

۲۰ــــ سلیمان منصورپوری۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۹۵/ الرحیق المختوم۔ ص ۲۷۶۔

۲۱ــــ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۹۷، ۹۸۔

۲۲ــــ اسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبوتروں کے اس جوڑے کو خانہ کعبہ پر بسنے کی اجازت دی (چودہ ستارے۔ ص ۲۲)
شیخ عبدالحق محدث دہلوی کہتے ہیں کہ حرم مکہ کے کبوتر اسی جوڑے کی نسل سے ہیں کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا سے برکت سے یہ قیامت تک شکار اور ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں گے (مدارج النبوۃ جلد دوم۔ ص ۹۹)

۲۳ــــ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۲۸۹/ مدارج النبوۃ۔ جلد دوم۔ ص ۹۹/ سیرت احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۸۱/ شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۷۱/ سیرت سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۷/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۲۵۱/ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۸۱/ سیرت رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۰۳/ چودہ ستارے۔ ص ۲۲۔

۲۴ــــ شرافت نوشاہی، سید شریف احمد۔ شریف التواریخ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۸۵۔

۲۵ —— محمد احمد پانی پتی لکھتے ہیں کہ عامر کے باپ کا نام فہیرہ تھا۔ طفیل بن عبداللہ کے غلام تھے جو حضرت عائشہؓ کے اخیافی بھائی اور ام رومانؓ کے بیٹے تھے اور قبیلہ ازد سے تعلق رکھتے تھے۔ دوسرے کمزور لوگوں اور غلاموں کی طرح حضرت عامرؓ کو بھی شدید اذیتیں دی گئیں۔ بدن کو لوہے کی سلاخوں سے داغ دیا گیا۔ تپتی ہوئی ریت پر لوہے کی زرہیں پہنا پہنا کر لٹایا گیا۔ بدن پر بھاری بھاری پتھر رکھے گئے۔ غرضیکہ جو جو اذیتیں دی جا سکتی تھیں، کفار نے انہیں دیں مگر انہوں نے بڑی پامردی، استقلال اور جواں مردی کے ساتھ ان سب کا مقابلہ کیا اور اسلام کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق کا دل بے حد نرم تھا اور ان سے غلاموں کی یہ مصیبتیں نہ دیکھی جاتی تھیں۔ جب انہوں نے حضرت عامرؓ کی یہ حالت دیکھی تو دیگر غلاموں کی طرح انہیں بھی خرید کر آزاد کر دیا۔ جب آپؓ آزاد ہو گئے تو شکم پروری کے لیے کام کی ضرورت تھی۔ کفار کے ماتحت کام کرنا آپ کو پسند نہ تھا اور نہ ہی کفار آپ سے کوئی کام لینا چاہتے تھے۔ اس لیے آپ حضرت ابوبکرؓ ہی کی خدمت میں رہے اور ان کی بکریاں چرانے کی خدمت اپنے ذمہ لے لی۔

(محمد احمد پانی پتی۔ غلامانِ محمد۔ ص ۱۰۸)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عامر بن فہیرہ کو نازک سے نازک موقع پر اپنا معتمد بنایا۔ (مولانا شاہ معین الدین۔ سیرِ صحابہؓ۔ جلد دوم۔ مہاجرین حصہ اوّل۔ ص ۴۲۴، ۴۲۵)

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صفر ۴ ہجری میں قبیلہ کلاب کے سردار ابو براکلابی کی درخواست پر ستّر قاریوں کی ایک جماعت کو تبلیغ و ارشاد کے لیے بھیجا۔ ان میں عامرؓ بن فہیرہ بھی شامل تھے۔ قبیلۂ رعل اور ذکوان نے غداری کے ساتھ اس تمام جماعت کو شہید کر دیا (مولانا سعید احمد۔ غلامانِ اسلام ص ۵۷) صرف دو صحابی بچ سکے۔ ان میں ایک کعبؓ بن زید تھے جن کو کافر مردہ سمجھ

کر چھوڑ گئے تھے حالانکہ ان میں جان باقی تھی اور دوسرے عمرو بن امیہ ضمریؓ جو اس وقت اونٹوں کو چرانے کی غرض سے جماعت سے الگ تھے۔ جب عمروؓ بن امیہ ضمری اونٹوں کو چرانے کے بعد واپس آتے تو کفار نے ان کو گرفتار کر لیا مگر بعد میں عامر بن طفیل نے ایک نذر پوری کرنے کے لیے ان کو چھوڑ دیا۔

(محمد احمد پانی پتی۔ غلامانِ محمدؐ۔ ص ۱۱۳)

جب عمروؓ بن امیہؓ ضمری قید کر لیے گئے تو ایک لاش کی جانب اشارہ کر کے عامر بن طفیل نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کس کی لاش ہے؟ عمروؓ بن امیہؓ نے جواب دیا کہ یہ حضرت عامرؓ بن فہیرہ ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے ان کو شہادت کے بعد دیکھا کہ آسمان کی طرف اٹھا لیے گئے تھے۔ یہاں تک کہ میں نے ان کو زمین و آسمان کے درمیان معلق دیکھا تھا اور پھر نیچے رکھ دیئے گئے تھے پس نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اس واقعہ سے اللہ نے مطلع فرما دیا اور آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ تمہارے بھائی جامِ شہادت نوش کر گئے ہیں۔ اور انہوں نے آخری وقت اپنے پروردگار سے یہ دعا کی تھی کہ ہمارے بھائیوں کو اس بات کی خبر پہنچا دی جائے کہ ہم تجھ (خدا) سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے۔ (بخاری شریف۔ جلد دوم۔ کتاب المغازی۔ باب ۴۹۶۔ مطبع حامد اینڈ کمپنی اردو بازار لاہور۔ ص ۵۵۵)

"حضرت عامر بن فہیرہ کو ایک شخص جبار بن سلمی نے شہید کیا تھا۔ جبار بعد میں مسلمان ہو گیا اور وہ اپنے مسلمان ہونے کی وجہ یہ بیان کرتا تھا کہ جب میں نے عامرؓ بن فہیرہ کو شہید کیا تو ان کے منہ سے بے اختیار نکلا "فزتُ واللہِ" یعنی خدا کی قسم! میں تو اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ جبار کہتا ہے کہ میں یہ الفاظ سن کر سخت متعجب ہوا کہ میں نے تو اس شخص کو قتل کیا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ میں مراد کو پہنچ گیا ہوں۔ یہ کیا بات ہے؟ چنانچہ میں نے بعد میں لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی تو مجھے معلوم ہوا کہ مسلمان لوگ خدا کے راستے میں جان

دینے کو سب سے بڑی کامیابی خیال کرتے ہیں اور اس بات کا میری طبیعت پر ایسا اثر ہوا کہ آخر اسی اثر کے ماتحت میں مسلمان ہو گیا۔ (محمد احمد پانی پتی۔ غلامانِ محمدؐ۔ ص ۱۱۳)

۲۶ —— الرحیق المختوم۔ ص ۲۰۰/ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۷۹/ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۰۲/ مدارج النبوت۔ جلد دوم/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۲۸۰/ الوفا۔ ص ۲۸۵/ شیخ محمد رضا۔ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۲۴۸۔

۲۷ —— مغازیٔ رسول اللہ۔ ص ۱۳۳/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۸۱/ شبلی سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۷۰، ۱۷۱/ مودودی۔ سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ ص ۷۲۵/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۲۵۱، ۲۵۲/ سیرت النبی کامل۔ جلد اوّل۔ ص ۵۳۵۔

۲۸ —— الرحیق المختوم۔ ص ۲۷۹/ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۰۰/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۹۷/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۲۸۰/ الوفا۔ ص ۲۸۵/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۷۳، ۴۷۵/ شبلی سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۷۰/ سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۷۲۹/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۲۵۳/ سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۶۶/ عبد المصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۳۰۔

۲۹ —— آستانہ (ماہنامہ) دہلی۔ رسولؐ نمبر۔ دسمبر ۱۹۵۳ء۔ ص ۴۴، ۴۵/ الرحیق المختوم۔ ص ۲۷۹/ قوسِ قزح۔ ص ۲۰/ شرف التواریخ۔ ص ۱۸۵/ سلمان منصور پوری رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۸۷/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۸۱/ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۱۰۲/ عہدِ نبوی کے نادر واقعات۔ ص ۱۱۰/ عبد المصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۳۴/ عبد العزیز ہزاروی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۸۴/ حافظ محمد یونس۔ خطباتِ سیرت۔ ص ۳۳

۳۰ —— سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۸۵ ــ ۸۷

عبداللہ بن اریقط کو راستہ بتلانے کے لیے اجرت دے کر ساتھ لے لیا

گیا تھا۔ وہ سب سے آگے آگے راستہ دکھلانے کے لیے چلے۔ / قوسِ قزح۔ ص ۲۱/ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۸۰/ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۰۰، ۱۰۳/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۱/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۲۸۷، ۲۸۸/ مغازیٔ رسول اللہؐ۔ ص ۱۳۳/ الوفا۔ ص ۲۸۵/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۷۲، ۴۸۱/ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۷۱/ عبد المصطفیٰ اعظمی۔ ص ۱۳۴/ مفتی محمد شفیع۔ سیرتِ رسولِ اکرمؐ۔ ص ۱۳۰۔

۳۱ —— ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ بکری، جس کے تھنوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہاتھ پھیرا اور اس کا دودھ دوہا تھا، اُم معبدؓ کے پاس "رمادہ" کے زمانہ تک رہی۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہجرت کا اٹھارہواں سال ہے۔ اُم معبد کہتی ہیں کہ جب خشک سالی کی وجہ سے زمین پر ایک سبز پتّا بھی نہ نکلتا تھا، ہم برابر اس سے صبح و شام دودھ حاصل کرتے رہے۔ یہ روایت واقدی کے واسطے سے ابن سعد نے نقل کی ہے کہ بعد میں اُمّ معبد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی اور اپنے سینہ کو نورِ ایمان سے منوّر کیا۔" (مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۲۹۵/ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۸۰)

۳۲ —— اُم معبد کا اصل نام عاتکہ بنت خالد خزاعیہ ہے مگر یہ اُم معبد کے نام سے مشہور رہیں۔ یہ مسافروں کی خبرگیری اور ان کی تواضع کے لیے مشہور تھی۔ سرِ راہ پانی پلایا کرتی تھی اور مسافر وہاں ٹھہر کر سستایا کرتے تھے۔ / سلمان منصور پوری رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۸۸/ عبد العزیز ہزاروی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۸۶/

۳۳ —— سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۸۸/ الرحیق المختوم۔ ص ۲۸۱، ۲۸۲/ سراپائے قدسؐ۔ ص ۱۴۳، ۱۴۴/ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۸۰/ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۰۶، ۱۰۷/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۲، ۱۰۳/ مختصر سیرۃ الرسولؐ ص ۲۹۲، ۲۹۳/ الوفا۔ ص ۲۹۲ــ۲۹۶/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص

۴۸۵ — ۴۸۷ / سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۲، — ۳۴ / سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۷۵ — ۲۷۷ / سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔ ص ۱۰۴، ۱۰۵ / اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۱۶ / عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۳۵۔

۴۴ —— عبدالعزیز ہزاروی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۸۶۔

۴۵ —— "قریش نے ایک ہنگامی اجلاس کر کے یہ طے کیا کہ ان دونوں کو گرفتار کرنے کے لیے تمام ممکنہ وسائل کام میں لائے جائیں۔ چنانچہ مکے سے نکلنے والے تمام راستوں پر خواہ وہ کسی بھی سمت جا رہا ہو، نہایت کڑا مسلح پہرہ بٹھا دیا گیا اس طرح اعلانِ عام بھی کیا گیا کہ جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یا ان میں سے کسی ایک کو زندہ یا مُردہ حاضر کرے گا، اسے ہر ایک کے بدلے سو اونٹوں کا گرانقدر انعام دیا جائے گا۔ اس اعلان کے نتیجے میں سوار اور پیادے اور نشاناتِ قدم کے کھوجی نہایت سرگرمی سے تلاش میں لگ گئے اور پہاڑوں، وادیوں اور نشیب و فراز میں ہر طرف بکھر گئے" (الرحیق المختوم ص ۲۷۸ / سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۸، ۳۰ – ۳۱ / انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۸۱، ۸۲ / سیرۃ النبیؐ جلد اوّل۔ ص ۲۷۲ / اسوۂ حسنہ ص ۸۴، ۸۵ / سیرتِ رسولِ اکرمؐ۔ ص ۱۰۴ – ۱۰۶ / سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۸۷ / الوفا۔ ص ۲۸۹، ۲۹۰ / حیاتِ محمدؐ۔ ص ۲۵۴، ۲۵۵ / شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہ۔ ص ۲۴۷ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۸۳، ۴۸۴ / عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۳۴ – ۱۳۶ / مفتی محمد شفیع۔ سیرۃ رسولِ اکرمؐ۔ ص ۱۳۰، ۱۳۱ / سیرت النبیؐ کامل۔ ص ۵۳۵، ۵۳۹ / مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۲۹۱ / نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۴

۴۶ —— اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سراقہ سے فرمایا (ترجمہ) تیرا کیا حال ہوگا جب تجھے کسریٰ کے دو کنگن پہنائے جائیں گے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ حنین و طائف سے واپس آئے تو جعرانہ میں سراقہ نے

وہ فرمانِ امن پیش کیا۔ حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ آج وفا و احسان کا دن ہے۔ سراقہ آگے بڑھے اور ایمان لائے۔ جب عہدِ فاروقی میں ایران فتح ہوا اور کسریٰ ہرمز کے کنگن حضرت فاروقؓ کے ہاتھ آئے تو آپؓ نے قولِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق و تحقیق کے لیے وہ کنگن سراقہ کو پہنا دیئے اور فرمایا "سب ستائش اللہ کو ہے جس نے کسریٰ جیسے شاہِ عجم کے کنگن چھین کر سراقہ جیسے غریب بدوی کو پہنا دیئے۔ سراقہ نے ۲۴ھ میں بعہدِ حضرت عثمانِ غنیؓ وفات پائی۔ (سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۰۶ (حاشیہ) / سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۲، / سیرت النبیؐ کامل۔ جلد اوّل۔ ص ۵۴۰ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۸۴ / غلام نبی حکیم۔ سراپائے اقدسؐ۔ ص ۸)

۴۷ —— شبلی۔ سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۷۲ / اسوۂ حسنہ۔ ص ۸۴، ۸۵۔

۴۸ —— معراجِ انسانیتؐ۔ ص ۲۲۳ / الرحیق المختوم۔ ص ۲۸۵ / سیرتِ رسولِ عربیؐ ص ۱۰۸ / الوفا۔ ص ۲۹۷، ۲۹۸ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۸۸ / سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔ ص ۱۰۵ / عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۳۷۔

۴۹ —— مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۲۹۵ / الوفا۔ ص ۲۹۱ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل ص ۴۸۹ / سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۷۲ / عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۳۷۔

۵۰ —— شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہ۔ ص ۲۴۵ / نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۶ / قوسِ قزح۔ ص ۲۱، ۲۲ / النجم (پندرہ روزہ) لکھنؤ۔ ربیع الاوّل ۱۳۳۱ھ۔ ص ۱۷ / ابوالنصر۔ رسولِ عربی۔ ص ۱۱۶ / المشاہد۔ ص ۵ / سیرتِ رسولؐ عربی۔ ص ۱۰۹ / مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۲۹۶ / اسوۂ حسنہ۔ ص ۸۵ / نظام الدین محمد جعفری۔ جنات النعیم فی ذکرِ نبی الکریمؐ۔ ص ۹۱ / مدارج النبوت۔ جلد دوم ص ۱۰۷ / شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۲۴۵۔

علماءِ سیر کا دوشنبہ کے بارے میں مکمل اتفاق ہے۔

کچھ سیرت نگاروں کے مطابق مدینہ کی بستی قبا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی تشریف آوری ۸ ربیع الاوّل کو ہوئی تھی۔ (سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۹۱/ محمد یونس، حافظ۔ خطباتِ سیرت۔ ص ۲۶/ قوسِ قزح۔ ص ۲۲/ شریف التواریخ۔ ص ۱۸۵/ الرحیق المختوم۔ ص ۲۸۶/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۸۹۔

واقدی کہتے ہیں کہ ربیع الاوّل کی بارہ مدینہ پہنچنے کے لیے ثابت و متحقق ہے (واقدی۔ مغازی الرسولؐ۔ ص ۳)

۴۱ —— قوسِ قزح۔ ص ۲۲/ سیّد نجم الحسن۔ چودہ ستارے۔ ص ۲۲/ جنات النعیم فی ذکرِ نبی الکریمؐ۔ ص ۹۱۔

۴۲ —— خاتونِ پاکستان (ماہنامہ) کراچی۔ رسولؐ نمبر۔ ۱۹۶۴ء۔ ص ۱۱۳ (مضمون سیرتِ نبویؐ کی بعض ضروری تاریخیں۔ از مولانا عبدالقدوس ہاشمی)

"سیرتِ رسولِ عربیؐ" میں ہے کہ قبا مدینہ سے جنوب کی طرف دو میل کے فاصلے پر ہے (سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۰۹)

۴۳ —— "مختصر سیرۃ الرسولؐ" میں لکھا ہے کہ آپؐ کلثومؓ بن ہدم یا خارجہؓ بن زید کے ہاں مہمان ہوئے۔ (مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۲۹۶)

"الرحیق المختوم" میں ہے کہ آپؐ کلثومؓ بن ہدم یا سعدؓ بن خیثمہ کے مکان پر رونق افروز ہوئے۔ پہلا قول زیادہ مضبوط ہے۔ (الرحیق المختوم۔ ص ۲۸۷)

مگر سب سے قوی بات یہ ہے کہ قبا کی میزبانی کا شرف تو کلثومؓ بن ہدم ہی کو حاصل تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم لوگوں سے ملاقات کے لیے حضرت سعدؓ بن خیثمہ کے گھر کو استعمال کرتے تھے کیونکہ وہ بال بچوں والے نہ تھے۔ اس لیے ان کا گھر مردوں کے لیے کھلا ہوتا تھا۔ (سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۷/ سیرۃ النبیؐ کامل۔ جلد اوّل۔ ص ۵۴۲، ۵۴۳/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۲۱/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۵۷)

حضرت سعدؓ بن خیثمہ کے مکان پر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم لوگوں سے

ملاقات کیا کرتے تھے اس لیے اس مکان کا نام "منزل العزاب" کے نام سے مشہور ہوا۔ (سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۵۷)

۴۴ —— قبا کے ممتاز خاندان انصار کے ایک خوش نصیب انصاری کلثومؓ بن ہدم کو اپنے غریب خانہ میں شرفِ میزبانی نصیب ہوا۔ جہاں آپ (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) سے پہلے کئی مہاجر ابو عبیدہؓ، مقدادؓ، خبابؓ، سہیلؓ، صفوانؓ، وہبؓ بن سعد، عیاضؓ، عبداللہ ابن مخرمہؓ، معمر بن ابی سرحؓ اور عمیر بن عوفؓ قیام پذیر تھے (سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۱۰۹)

۴۵ —— سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۰۹/ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۷۲۔

۴۶ —— سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۷ (حاشیہ)/ عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات ص ۱۱۰۔

۴۷ —— الرحیق المختوم۔ ص ۲۸۸/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۲۹۶۔

"سیرتِ محمدیہؐ" میں ہے کہ حضرت علیؓ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے پاس مکہ سے قبا میں سترہویں یا اٹھارویں ربیع الاوّل دوشنبہ کے دن پہنچ گئے (سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۸۲)

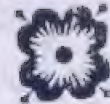
۴۸ —— سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۰۹، ۱۱۱/ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۷۳، ۲۶۰، ۲۶۱/ سیرت النبیؐ کاملؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۵۴۴/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۱۰-۱۱۲/ عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۱۱۳/ عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰ۔ ص ۱۴۱/ خطباتِ سیرت۔ ص ۲۷/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۹۱، ۴۹۲/ شیخ محمد رضا۔ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۱۵۱/ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۱۰۹، ۱۱۰۔

۴۹ —— جنات النعیم فی ذکرِ نبی الکریمؐ۔ ص ۹۱/ تاریخ مدینہ۔ ص ۱۴۰، ۱۴۱۔

امیر المومنین علی کرّم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر ہے، وہ اوّل دن سے مسجد قبا ہے۔ (تاریخ مدینہ۔ ص ۱۴۰/ قوسِ قزح۔ ص ۲۳، ۲۴)

سعد بن ابی وقاصؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا مسجد قبا میں دو رکعت ادا کرنا میرے نزدیک اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ دو مرتبہ بیت المقدس کی زیارت کروں اور کہا کہ اگر تم جان لو کہ اس مسجد میں کیا کچھ پوشیدہ ہیں تو اس کی زیارت کے لیے ہر امکانی کوشش کیا کرو۔ اور اسی طرح سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے (تاریخ مدینہ۔ ص ۱۴۱)

۵۰ــــ تاریخِ مدینہ۔ ص ۱۴۱/ عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۱۱۴/ شریف التواریخ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۸۵۔



غزوۂ ابواء

ابن اسحاق اور واقدی وغیرہ کے مطابق غزوۂ ابواء پہلا غزوہ ہے۔ یہ مکّی کیلنڈر کے مطابق صفر میں اور مدنی کیلنڈر کے مطابق جمادی الاوّل میں دوشنبہ کے دن ہوا [1]

شبلی کے مطابق صفر ۲ھ میں آپؐ ساٹھ مہاجرین کے ساتھ مدینے سے نکلے اور ابواء تک گئے۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے [3] ابواء کا صدر مقام فرع ہے جو ایک وسیع قصبہ ہے اور جہاں قبیلہ مزنیہ آباد ہے اور جو مدینہ سے تقریباً ۸ منزل (۸۰ میل) ہے۔ یہ مدینہ کی آخری سرحد ہے، ان اطراف میں قبیلۂ بنو ضمرہ آباد تھا اور یہ نواح ان کی حدودِ حکومت میں داخل تھے۔ یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے چند روز قیام کرکے بنو ضمرہ سے معاہدہ کیا جن کا سردار مخشی بن عمرو ضمری تھا۔ معاہدہ کے یہ الفاظ تھے۔

یہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تحریر ہے، بنو ضمرہ کے لیے۔ ان لوگوں کا جان اور مال محفوظ رہے گا اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا، اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی۔ بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں لڑیں۔ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب ان کو مدد کے لیے بلائیں گے تو یہ مدد کو آئیں گے [4]

تمام محدّثین، مغازی کی ابتدا اسی واقعہ سے کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں بھی اسی کو اوّل الغزوات قرار دیا گیا ہے [5]

محمد کلیم ارائیں کے مطابق یہ سفارتی سفر تھا لیکن چونکہ یہ تجارتی شاہراہ تھی اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ تربیتی اور سفارتی مقاصد کی تکمیل کے علاوہ یہ سفر تزویراتی مقصد حاصل کر رہا تھا [6]

کچھ اہلِ سیر کے مطابق قریش کی ایک جماعت یا قافلہ کے تعاقب کے لیے مسلمان

نکلے اور ابواء کے مقام تک گئے مگر قریش کے قافلے کے نکل جانے کے بعد انھوں نے بنوضمرہ سے معاہدہ کر لیا۔[۸]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مطابق "مسلمان لشکر کی ملاقات وداّن کے مقام پر قریش کے قافلہ سے ہوگئی تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جنگ کے بغیر ہی واپس آگئے۔"[۹]

بریگیڈیر گلزار احمد کہتے ہیں کہ "اس سفر کے دوران مکہ یا کسی اور قبیلہ کے کسی تجارتی قافلہ سے تعارض کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی اس ارادہ سے یہ سفر اختیار کیا گیا۔"

یہ مہم کس غرض سے تھی: ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قریش کے قافلے کے لیے نکلے تھے۔ ابن ہشام نے قریش کے قافلہ کے ساتھ بنوضمرہ کا بھی نام لیا ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج میں صرف بنوضمرہ کے لیے نکلنا لکھا ہے اور یہی امر راجح اور قرین قیاس ہے کیونکہ ابن سعد اور ابن ہشام میں قریش کے قافلہ کا اس سلسلہ میں کوئی ذکر نہیں ہے کہ وہ کیا ہوا؟ آیا آپ کے پہنچنے سے پہلے نکل گیا یا آپؐ کے پہنچنے کی خبر پاکر راستہ بدل دیا۔ یا آپؐ کے پہنچنے کے بعد بچ کر نکل گیا یا اس سے مقابلہ ہوا، پھر بیچ بچاؤ ہوگیا۔ اگر یہ مہم قریش کے قافلہ کی روک ٹوک کے لیے ہوتی اور آپؐ اسی قصد سے نکلتے تو ضرور اس کا ذکر ابن سعد یا ابن ہشام یا دوسرے ارباب سیر کرتے اور جب کہیں بھی قافلہ کا کوئی ذکر نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مہم میں قافلۂ قریش پیش نظر نہیں تھا بلکہ دراصل مقصد بنوضمرہ سے مصالحت کا معاملہ انجام دینا تھا اور اسی مقصد کو لے کر آپ خود اس مہم میں شریک ہوئے کیونکہ بغیر آپ کے مصالحت کا ذکر اور قافلہ قریش کے متعلق کسی کا کوئی ذکر نہ کرنا اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ مہم دراصل بنوضمرہ سے مصالحت کے لیے تھی اور اس نظریہ کے ماتحت تھی کہ مدینہ سے باہر کے قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے سے مصالحت کے ذریعے روک دیا جائے، اور ان سے امن و امان کا معاہدہ ہو جائے۔ علامہ شبلیؒ نے بھی "ابواء" کی مہم میں بنوضمرہ سے مصالحت ہی کا ذکر کیا ہے۔ قافلۂ قریش کی روک ٹوک کا ذکر نہیں کیا۔[۱۰]

ابواء میں اور ایک قول کے بموجب اس سے پہلے ابوعبیدہؓ بن الحارث بن عبدالمطلبؓ جو کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ابن عم (چچازاد بھائی) تھے اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے ان کی عمر دس سال زیادہ تھی، اسلام لائے۔[۱۱]

حواشی

۱ ـــــ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۹ (مضمون سیرت نبویؐ توقیت کی روشنی میں۔ از مولوی اسحٰق النبی علوی)

۲ ـــــ کہیں لکھا ہے کہ ساٹھ صحابہ ہمراہ تھے۔

(سیرت محمدیہ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۰۵/ سیارہ ڈائجسٹ۔ جلد دوم۔ ص ۱۶۵/ تاریخ مدینہ۔ ص ۸۱/ توکلی۔ غزوات النبیؐ۔ ص ۱۳/ سیرت احمد مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۹۰/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۳۲۰/ عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ سیرت مصطفیٰؐ۔ ص ۱۲۶/ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۳۰۹)

اور کہیں اس بات کا ذکر ہے کہ ستّر صحابہؓ ہمراہ تھے۔

(سلیمان منصورپوری۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۶/ الرحیق المختوم۔ ص ۳۲۸/ پیغمبر عالمؐ۔ ص ۲۴۴/ پیغمبر اعظم و آخرؐ۔ ص ۴۴۷/ محمد شریف، راجا۔ حیات رسالتمآبؐ۔ ص ۲۰۶)

اور کہیں ساٹھ، ستّر صحابہؓ کہا گیا ہے۔

(سرور عالمؐ کے سفر مبارک۔ ص ۱۸۳/ عہد نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۱۲۹) مصطفیٰ خان اسی صحابہؓ کا ذکر کرتے ہیں۔

(مصطفیٰ خان، بی اے۔ غزوات نبویؐ۔ ص ۸) کہیں یہ بھی لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اس غزوہ میں دو سو صحابہ گئے تھے۔ (محمد صدیق قریشی۔ رسول اکرمؐ کی سیاست خارجہ۔ ص ۲۵۷)

۳ —— رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ کا مزار ابواء کے مقام پر واقع ہے (ابن ہشام ۔ سیرت النبیؐ کامل ۔ ص ۶۸۰ / اسوۃ الرسولؐ ۔ جلد دوم ۔ ص ۳۵۸ / رسول رحمتؐ ۔ ص ۲۶۲ / عبدالمصطفیٰ اعظمی ۔ سیرتِ مصطفیٰؐ ۔ ص ۱۹۶ / رسولِ اکرمؐ کی سیاستِ خارجہ ۔ ص ۱۹۱ ، ۲۵۷ / توکلی ۔ غزوات النبیؐ ۔ ص ۱۴ (حاشیہ) / سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ ۔ جلد دوم ۔ ص ۱۹۱ / پیغمبرِ اعظم و آخرؐ ۔ ص ۴۴۴ / سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک ۔ ص ۱۸۵ / مصطفیٰ خان ، بی اے ۔ غزواتِ نبویؐ ۔ ص ۸ / عہدِ نبوی کے نادر واقعات ۔ ص ۱۲۹)

دوشنبہ یعنی پیر کو ایک فضیلت یہ بھی حاصل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ اور آپؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہؓ کا نکاح جمادی الآخر کی پہلی تاریخ کو ہوا اور وہ دوشنبہ (پیر) کا دن تھا (الوارث (ماہنامہ) کراچی اپریل ۱۹۹۱ء ۔ ص ۳۵ ، ۳۶ ۔ مضمون اسلامی مہینوں کے فضائل از سید معراج جامی)

غزوۂ احد کے موقع پر جنگ کے ارادہ سے کفارِ مکہ کا لشکر جب "ابواء" کے مقام پر پہنچا تو اس لشکر میں سے کچھ کافروں نے حضرت آمنہؓ کے مزار کو اکھاڑنے اور قبر کی بے حرمتی کا پروگرام بنایا مگر اپنے سربراہوں کے منع کرنے پر وہ اس بری حرکت سے باز رہے ۔ (ہیکل ۔ حیاتِ محمدؐ ۔ ص ۳۵۵ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ ۔ جلد دوم ص ۳۹۵ ، ۳۹۶)

مفتی محمد سعید خاں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں ۔ "کفر کس قدر شقی اور سنگ دل ہوتا ہے ۔ وہ جب اس شقاوت کا مظاہرہ کرنے پر اتر آتا ہے زندہ تو درکنار ، جو اس دنیا سے رخصت ہو گئے ان سے بھی ناکردہ گناہ کا بدلہ لینے کے درپے ہو جاتا ہے ، جب یہ لوگ ابواء کے مقام پر پہنچے تو یہ تجویز کیا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کی قبر بھی یہیں ہے اسے اکھاڑا جائے ۔ جس کے بیٹے کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اور جس کے ساتھیوں سے یہ بدر میں شکست کھا چکے تھے ، اس سے انتقام لینے اور ذہنی اذیت میں مبتلا کرنے کا ایک انوکھا

انداز تھا جو کفر اختیار کرنا چاہتا تھا ۔

قائدینِ کفر تک جب یہ تجویز پہنچی تو انہوں نے اس کے تمام نتائج و عواقب پر غور کیا ۔ اور یہ ارادہ ملتوی کر دیا گیا کیونکہ وہ جانتے تھے اس طرح لاشوں کی بے حرمتی کا انجام کیا ہو سکتا ہے ۔ کفارِ مکہ کا لشکر وادیٔ عقیق میں پہنچا جو مدینہ منورہ کی قریبی وادیوں میں شمار کی جاتی تھی اور کسی قدر دائیں جانب ہٹ کر "احد" پہاڑ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا ۔ (تب و تابِ جاودانہ ۔ ص ۱۶۲ ، ۱۶۳)

۴ —— اسوۃ الرسولؐ ۔ جلد دوم ۔ ص ۳۵۸ / رسولِ اکرمؐ کی سیاستِ خارجہ ۔ ص ۱۹۰ ، ۱۹۱ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ ۔ جلد دوم ۔ ص ۱۹۲ / محمد رسول اللہؐ ۔ ص ۲۰۹ / پیغمبرِ اعظم و آخرؐ ۔ ص ۴۴۸ / پیغمبرِ عالمؐ ۔ ص ۴۴۲ / الرحیق المختوم ص ۳۲۸ / مصطفیٰ خان ، بی اے ۔ غزواتِ نبویؐ ۔ ص ۹ / عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات ۔ ص ۱۳۰ ، ۱۳۱ ۔

۵ —— شبلی ۔ سیرۃ النبیؐ ۔ جلد اول ۔ ص ۲۹۵ ، ۲۹۶ / سلمان منصور پوری ۔ رحمۃ للعالمینؐ جلد دوم ۔ ص ۱۸۶ / سیارہ ڈائجسٹ جلد دوم ۔ ص ۱۶۵ / رسول رحمتؐ ۔ ص ۲۶۲ / سیرۃ سرورِ انبیاءؐ ۔ ص ۱۰۶ ، ۱۰۷ / پیغمبرِ اعظم و آخرؐ ۔ ص ۴۴۷ ، ۴۴۸ / سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک ۔ ص ۱۸۰ —— ۱۸۶ / غزواتِ رسول اللہؐ ۔ ص ۳۲۲ ، ۳۲۳ / پیغمبرِ انسانیتؐ ۔ ص ۲۸۶ / عہدِ نبوی کے نادر واقعات ۔ ص ۱۲۹ / امام ابن حزم ظاہری ۔ جوامع السیرۃ ۔ ص ۱۲۵ ۔

۶ —— نقوش ۔ رسولؐ نمبر ۔ جلد چہارم ۔ ص ۳۲۸ / سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک ۔ ص ۱۸۳ ۔

۷ —— اصح السیر ۔ ص ۸۱ / الوفا ۔ ص ۷۰۲ / سیرتِ محمدیہؐ ۔ جلد اول ۔ ص ۳۰۵ / واقدی ۔ مغازی الرسولؐ ۔ ص ۳ / حیاتِ محمدؐ ۔ ص ۲۹۲ / الرحیق المختوم ۔ ص ۳۲۸ / توکلی ۔ غزوات النبیؐ ۔ ص ۱۳ / رسولِ اکرمؐ کی سیاستِ خارجہ ۔ ص ۲۵۷ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ ۔ جلد دوم ۔ ص ۱۹۰ / عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات ۔ ص ۱۳۰ / عبدالمصطفیٰ اعظمی ۔ سیرتِ مصطفیٰؐ ۔ ص ۱۹۶ / محمد شریف راجا ۔ حیاتِ رسالتمآب ۔ ص ۲۰۶ ۔

کہیں اس بات کا ذکر ہے کہ قبیلہ ضمرہ قریش کا قبیلہ ہے۔ اس قبیلہ کا قافلہ تھا جس کو روکنے کے لیے مسلمان گئے تھے۔ وہاں پہنچے تو ضمرہ کے سردار نے صلح چاہی تو آپ بھی صلح پر راضی ہو گئے (مدارج النبوت۔ جلد دوم ص ۱۳۲، ۱۳۳/ ابن ہشام۔ سیرت النبیؐ کامل۔ ص ۶۸۰)

اور "رسالتمآب" میں ہے "آپؐ اپنے اصحاب کو لے کر مدینہ سے باہر قریش اور قبیلہ بنی ضمرہ کے لیے تشریف لائے۔ جب آپؐ مقام ابوا میں پہنچے تو سردار مخشی بن ضمری نے صلح کر لی اور آپؐ یہاں سے واپس آ گئے۔ جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی (عزیز الرحمٰن، مفتی۔ رسالتمآبؐ۔ ص ۱۴۰)

۸ —— تاریخ مدینہ۔ ص ۸۰۔

۹ —— غزوات رسول اللہؐ۔ ص ۳۲۳۔

امام ابن حزم ظاہری اپنی کتاب "جوامع السیرۃ" میں بھی جب اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں قریش کے یا کسی اور قافلے کا کہیں ذکر نہیں، صرف معاہدہ کا ذکر ہے۔ (جوامع السیرۃ۔ ص ۱۲۴، ۱۲۵)

۱۰ —— پیغمبر عالمؐ۔ ص ۲۴۴، ۲۴۵/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۲۔ ص ۲۸۹، ۲۹۰۔

۱۱ —— مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۲، ۱۳۳۔



غزوۂ بواط

اس غزوہ پر جانے کی تاریخ ابن حبیب کے موجودہ نسخے میں ۳، ربیع الآخر یوم دو شنبہ نظر آتی ہے مگر ساتھ ہی تاریخ مراجعت دو شنبہ ۲۰، ربیع الآخر بیان کی گئی ہے۔ یہ تاریخیں آپس میں مطابقت نہیں رکھتیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ روانگی بجائے ۳ کے ۱۳ تھی کیونکہ ۲۰ کو جب دو شنبہ ہو گا تو اس سے پہلے صرف ۶ اور ۱۳ کو دو شنبہ ممکن ہے[1]

"یہ غزوہ ربیع الاوّل شریف میں ہجرت کے تیرھویں مہینہ میں وقوع پذیر ہوا آپ کا لواء اور علم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ مبارک میں تھا۔ اور مدینہ منورہ میں آپؐ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ اور قائم مقام بنایا۔ دو سو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر قریش کے ایک قافلہ کا راستہ روکنا چاہتے تھے جس میں سو قریش شریک تھے۔ اور امیہ بن خلف بھی تھا اور اڑھائی ہزار اونٹ اس قافلہ کے ہمراہ تھے۔ آپؐ مقام بواط تک جو کہ رضویٰ کے ایک طرف چھوٹے چھوٹے پہاڑی سلسلے پر مشتمل ہے۔ بواط اور مدینہ منورہ سے چار منزل کا فاصلہ ہے۔ اس دفعہ بھی دشمنوں سے ملاقات اور مڈبھیڑ نہ ہوئی۔ اور مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے[2]

تقریباً تمام اہل سیر غزوۂ بواط کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص کے پاس سفید رنگ کا جھنڈا تھا[3]۔ شاہ مصباح الدین شکیل لکھتے ہیں کہ "اس غزوہ میں علم بردار حضرت سعد بن ابی وقاص تھے۔ جھنڈا سفید رنگ کا تھا۔ یہ تجارتی کارواں ڈھائی ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ اس کی حفاظت کے لیے دو سو جنگجو سوار ساتھ تھے۔ قریش کے جاسوسوں کو اس نقل و حرکت کا علم ہو گیا۔ سالار قافلہ امیہ بن خلف

عام راستہ سے ہٹ کر تیزی سے بڑھ گیا۔ اس طرح مسلمان جنگی دستے کی گرفت سے قریش کا کاروانِ تجارت محفوظ نکل گیا[۴]

ابن اسحاق کے حوالے سے ابن ہشام اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ "ابن اسحاق کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ربیع الاوّل میں قریش سے جنگ کا ارادہ لے کر نکلے[۵]

عام طور پر سفید رنگ کا جھنڈا امن وسلامتی اور صلح وآشتی کا نشان ہوتا ہے کوئی بھی قوم لڑائی یا قتل وغارت کے لیے سفید جھنڈا استعمال نہیں کرتی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے تو ایسی بات سوچی بھی نہیں جا سکتی، جو رحمۃ للعالمین ہیں، جو اپنے جانی دشمنوں کو معاف کرتے اور ان پر رحم کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو سو صحابہؓ کو کفار کی ریشہ دوانیوں کا اچھی طرح سے علم ہونے کی وجہ سے حفاظت کے لیے لے گئے ہوں گے۔

بریگیڈیر گلزار احمد غزوۂ بواط کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "یہ سفر بھی سفارتی مقاصد کے لیے کیا گیا تھا۔ اس غزوہ کے دوران بھی کسی قسم کے قافلہ کا کوئی ثبوت نہیں۔ اگرچہ اس سفر میں تربیت اور جغرافیائی معلومات بلکہ علمدار گشت کے مقاصد کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ امیہ بن خلف کی اس علاقہ میں موجودگی اس غزوہ کو دفاعی مہموں میں شامل کرتی ہے۔ چند ہی روز قبل ابوجہل کے زیرِ کمان کی لشکر ساحلی علاقہ میں آچکا تھا۔ اور لڑائی اس لیے نہ ہوئی کہ عمر الجہینی نے فریقین کو لڑائی سے باز رکھا۔ اب امیہ بن خلف اسی علاقہ میں گشت کر رہا تھا۔ مدنی لشکر کو میدان میں لانا ضروری تھا[۶]

پروفیسر محمد صدیق قریشی لکھتے ہیں۔ "میثاقِ مدینہ ہی کی کڑی کے طور پر ربیع الاوّل ۲ ھ میں سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کوہِ رضویٰ کی طرف تشریف لے گئے اور کوہِ بواط کے لوگوں کے ساتھ معاہدہ فرمایا[۷]

سید اولادِ حیدر فوق بلگرامی لکھتے ہیں۔ "انہی کے ایسا یعنی غزوۂ ابوا کی طرح

بواط کے کوہستانی قبائل کے ساتھ بھی معاہدہ کیا گیا۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بذاتِ خاص ۱۲ ربیع الاولیٰ ۲ھ کو ان کے مرکزی مقام رضویٰ تک تشریف لے گئے۔ ان اطراف میں قبائل جہنی آباد تھے۔ ان کے تمام سردارانِ قوم کو جمع کر کے شرائط و فوائدِ عہد نامہ سمجھائے اور ان کو بھی شریکِ معاہدہ فرما لیا گیا[۸]

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی اس مہم کی غرض وغایت کے موضوع پر تفصیلاً لکھتے ہیں کہ اگرچہ اکثر مآخذ میں اس مہم کا مقصد یا نشانہ کاروانِ قریش یا صرف قریش کو بنایا گیا ہے اور کارواں کے بارے میں بعض مآخذ میں کچھ تفصیلات بھی ہیں۔ خاص کر پہلے غزوہ (ابواء) کے مقابلے میں۔ لیکن پھر بھی بعض تفصیلات تاریکی میں ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کارواں کہاں سے کہاں جا رہا تھا؟ پھر اس بار مسلم فوج کی تعداد بعض روایات کے مطابق قریشی کارواں سے دوگنی تھی۔ موقع اچھا تھا۔ اگر کارواں نکل بھی گیا تھا تو اس کا تعاقب آسانی سے کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ مسلمان سب کے سب سوار تھے اور قریشی کارواں خاصا بڑا تھا۔ وہ پندرہ سو اونٹوں پر مشتمل تھا۔ اور ان کے ساتھ معاون محض سو تھے۔ اس لیے وہ تیز رفتاری سے سفر نہیں کر سکتے تھے اور اگر مسلمان بالکل مکہ کے قریب سے ایک کارواں پکڑ کر لا سکتے تھے، جیسا کہ ہم سریہ نخلہ کے ضمن میں دیکھیں گے (دیکھتے ہیں) تو چند منزل دور اس کارواں کو جا پکڑنے میں کیا چیز مانع ہو سکتی تھی! اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقصدِ نبویؐ کاروانِ قریش نہ تھا بلکہ ان کی منزل قبیلہ جہینہ کا علاقہ تھا جہاں وہ کسی سیاسی وسماجی مصلحت سے گئے تھے۔ جیسا کہ ابن سعد کے ایک اشارے سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ مقصد یا مصلحت اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ پرانے حلیفوں اور دوستوں سے رشتہ اتحاد مستحکم تر کیا جائے اس سلسلے میں ایک اہم نکتہ مدینہ سے آپؐ کی غیر حاضری کی مدت تھی۔ پہلے غزوہ (ابواء) میں آپؐ پندرہ دن مدینہ سے باہر رہے تھے۔ اور اس غزوہ (بواط) میں ایک ماہ۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں مقامات مدینہ سے ایک یا دو دن کی مسافت

پروا قع تھے۔ باقی مدت آپؐ وہاں کیوں مقیم رہے؟ ظاہر ہے کہ آپؐ قریشی کارواں کی واپسی کی توقع اتنی مدت میں نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علاقہ جہینہ میں آپؐ کا قیام کسی اور مقصد سے تھا اور غالب گمان ہے کہ یہ مقصد اس علاقے کے لوگوں سے دوستی کرنا اور مدینہ کی اسلامی ریاست کا حلیف بنانا تھا کاروانِ قریش پر حملہ کرنا اور اس کو لوٹنا کم از کم اس غزوہ کا مقصد تو کسی طور سے ثابت نہیں ہوتا اور اس کی تردید خود مآخذ کی داخلی شہادتوں سے ہو جاتی ہے۔ ۹

امام راغب اصفہانی کی کتاب "مفرداتِ القرآن" میں لفظ غزوہ کے معنی لکھے ہیں کہ اَلْغَزْوُ کے معنیٰ دشمن سے جنگ کرنے کے ارادے سے نکلنا ہیں۔ ۱۰

ہیکل کے مطابق مؤرخین کی توجیہات اس لیے تسلیم نہیں کی جاسکتیں کہ جب وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی وفات کے دو سو سال بعد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی تاریخ مرتب کرنے بیٹھے تو انہوں نے ان گشتی دستوں کو بھی جنگی ترک و تاز کا مبنیٰ قرار دیا۔ جارحانہ جنگ کی توجیہ کے لیے تو ایسی عقلی دلیل کا ہونا ضروری ہے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اس سیاست کے بھی منافی نہ ہو جس کے مطابق آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے گشتی نمائشوں میں بعض مشرک قبائل مثلاً بنو ضمرہ و بنی مدلج اور اس کے حلیفوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایک دوسرے کے دینی عقائد میں مخل نہ ہو اور دونوں ایک دوسرے ہمسایہ کے ساتھ حسنِ سلوک اور حقِ جوار ادا کرنے میں غفلت نہ برتیں۔ اور یہ توجیہ مسلمانوں کے مدینہ میں ابتدائی استقرار و استقامت کے منافی نہیں۔ ۱۱ محمد جعفر شاہ پھلواروی اس سفر کو معاہدہ ہی قرار دیتے ہیں۔ ۱۲

حواشی

۱ — نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۷، ۱۵۹ (مضمون "سیرتِ نبویؐ توقیت کی روشنی میں" از مولوی الحق علوی) / قوسِ قزح۔ ص ۳۲ / نعت (ماہنامہ) لاہور۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ حصہ سوم۔ ص ۳۴۔

۲ — الوفا۔ ص ۷۰۳ / ہیکل۔ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۲۹۲ / واقدی مغازی الرسولؐ ص ۳ / سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ ص ۱۸۶ / مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۵ / رسالتمآب ص ۱۴۱ / الرحیق المختوم۔ ص ۳۲۹ / شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۳۰۹، ۳۱۰ / اصح السیر۔ ص ۸۱ / پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ص ۴۴۹ / عبد المصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۶۶ / سیارہ ڈائجسٹ۔ رسول نمبر۔ جلد ۲ ص ۱۷۹، ۱۸۰ / نور بخش توکلی۔ غزواتُ النبیؐ۔ ص ۱۵ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۹۳، ۱۹۴ / عبد الصمد رحمانی۔ پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۲۴۶ / رسولِ رحمتؐ ص ۲۶۳ / سیرتِ سرورِ انبیاءؐ۔ ص ۱۰۸ / سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۱۹۱ / محمد صدیق قریشی، پروفیسر۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاستِ خارجہ۔ ص ۲۵۸ / غلام ربانی عزیز۔ سیرتِ طیبہ۔ جلد دوم۔ ص ۴۰ / محمد شریف، راجا۔ حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۰۶۔

عبد الحق محدثِ دہلوی اس غزوہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی موجودگی سے انکار کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دو سو صحابہؓ کو غزوۂ بواط کے لیے بھیجا (تاریخِ مدینہ۔ ص ۷۹)

۳ — غزوۂ بواط میں سعد بن ابی وقاص کے پاس سفید پرچم تھا جو صلح و امن کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔

(نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۲۔ ص ۲۹۱ / الرحیق المختوم۔ ص ۳۲۹ / رسالتمآبؐ ص ۱۴۱ / مدارج النبوت۔ جلد دوم ص ۱۲۵ / اصح السیر۔ ص ۸۱ / شیخ محمد رضا

محمد رسول اللہ ﷺ ۔ ص ۲۰۹ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ﷺ ۔ جلد دوم ۔ ص ۱۹۴ / سیارہ ڈائجسٹ ۔ رسول نمبر ۔ جلد ۲ ۔ ص ۱۸۰ / عبدالمصطفیٰ اعظمی ۔ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ ۔ ص ۱۲۲ / پیغمبر عالم ﷺ ۔ ص ۲۴۶ / محمد شریف راجا ۔ حیاتِ رسالتمآب ﷺ ۔ ص ۲۰۶ ۔

۴ —— سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ﷺ ۔ جلد دوم ۔ ص ۱۹۴ ۔

۵ —— ابنِ ہشام ۔ سیرت النبی ﷺ کامل ۔ ص ۶۹۱ ۔

۶ —— بریگیڈیر گلزار احمد ۔ غزواتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ص ۳۲۵

۷ —— محمد صدیق قریشی ، پروفیسر ۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیاستِ خارجہ ۔ ص ۱۹۱ ۔

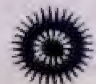
۸ —— اُسوۃ الرسول ﷺ ۔ جلد دوم ۔ ص ۳۵۹ ۔

۹ —— نقوش ۔ رسول نمبر ۔ جلد ۱۲ ۔ ص ۲۹۱ (مضمون "عہدِ نبوی کی ابتدائی مہمیں — محرکات ، مسائل اور مقاصد" از ڈاکٹر لیسین مظہر صدیقی)

۱۰ —— امام راغب اصفہانی ۔ مفرداتِ القرآن ۔ ص ۷۵۳ (مترجم محمد عبدہٗ فیروز پوری)

۱۱ —— ہیکل ۔ حیاتِ محمد ﷺ ۔ ص ۲۹۴ ۔

۱۲ —— پیغمبرِ انسانیت ۔ ص ۲۸۶ ۔



غزوۂ صفوان

اس غزوے کو غزوۂ بدر اولیٰ اور غزوۂ سفوان[1] یا صفوان[2] بھی کہتے ہیں۔ "ابن حبیب نے اس (غزوہ) کی تاریخ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۲ھ ہی بیان کی ہے ۔ بخلاف اس کے واقدی اور ابنِ سعد کے نزدیک یہ واقعہ ربیع الاوّل ۲ھ کا ہے ۔ دو تقویمی جدول کی رو سے یہ دونوں مہینے متبادل ہیں ، اس لیے ان روایات میں تضاد نہیں رہتا ابنِ حبیب نے اس کی تاریخ بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ۱۲ جمادی کو دوشنبہ تھا جو اگرچہ حسابی رو سے ۱۳ کو پڑتا ہے مگر یہ ایک دن کا فرق قابلِ لحاظ نہیں" [3]

اس غزوہ کی وجہ یہ تھی کہ کرز بن جابر فہری نے مشرکین کی ایک مختصر سی فوج کے ساتھ مدینے کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور کچھ مویشی لوٹ لیے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر صحابہ[4] کے ہمراہ اس کا تعاقب کیا اور بدر کے اطراف میں واقع وادی سفوان تک تشریف لے گئے لیکن کرز اور اس کے ساتھیوں کو نہ پا سکے ۔ اور کسی ٹکراؤ کے بغیر واپس آ گئے ۔ اس غزوہ کو بعض لوگ غزوۂ بدر اولیٰ بھی کہتے ہیں ۔ اس غزوے کے دوران مدینے کی امارت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی تھی علم سفید تھا اور علمبردار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے[5]

کرز بن جابر فہری نے جب چراگاہ پر حملہ کیا تو کچھ درخت[6] کاٹ ڈالے ، ایک شخص کو شہید کر دیا اور کچھ جانور پکڑ کر لے گئے ۔

سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ﷺ میں ہے کہ شہید ہونے والے شخص کا نام حضرت ذر رضی اللہ عنہ تھا جو اس چراگاہ کے نگران تھے ۔

محمد جعفر شاہ پھلواروی بدرِ اولیٰ کے اصل محرک کا یوں ذکر کرتے ہیں ۔ "بظاہر تو محض ایک شرارت سی معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت یہ ایک بڑا سیاسی اقدام تھا

قریش ایسے بے وقوف نہ تھے جو محض چند مویشی کے لیے تین سو میل کا سفر ضروری سمجھیں کرز بن جابر فہری کا یہ اقدام صرف ایک آزمائشی اقدام (TEST) تھا۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی قوتِ دفاع اور یہود کے جذبۂ حمایت کا اندازہ کر لیا جائے۔ عموماً اہلِ سیاست کسی پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو پہلے ایک چھوٹی سی چنگاری پھینک دیتے ہیں اس سے ان کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس چنگاری کا کیا ردِ عمل ہوتا ہے؟ کتنا ہیجان پیدا ہوتا ہے؟ عام تاثرات کیا ہوتے ہیں؟ کون حمایت اور کون مخالفت کرتا ہے؟ دشمن کی قوت کتنی ہے اور اس کے حمایتی کتنے؟ اس کے حوصلے کا اور غیرتِ قومی کا کیا حال ہے اور اس کی تدبیر و سیاست کتنے پانی میں ہے؟ ان ہی باتوں کا جائزہ یا اندازہ لینے کے لیے یہ چھوٹی سی چنگاری مدینے کی چراگاہ میں ڈالی گئی تھی۔ محض اتفاقی شرارت نہ تھی“ ۸

غلام احمد حریری کے مطابق حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غزوہ سے واپس مدینہ پہنچنے پر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو کرز بن فہری کی تلاش کے لیے بھیجا تھا ۹ ”سیرتِ رسولؐ“ میں ہے کہ جب مسلمانوں کو علم ہوا کہ کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر دیا ہے تو انہوں نے اس کا پیچھا کیا اور اس سے مویشی چھین لیے مگر کرز بن جابر فہری بچ نکلا ۱۰

”ابن سعد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ میں بھی مسلم فوج کا جھنڈا سفید تھا۔ اور علمبردار حضرت علیؓ بن ابی طالب تھے ...... اس غزوے کے بارے میں کسی بھی مورّخ کا، چاہے وہ قدیم یا جدید، دعویٰ نہیں ہے کہ وہ کسی کاروانِ قریش کے خلاف تھا اور نہ (کوئی) اس کی کسی سیاسی یا فوجی اہمیت کا ذکر کرتا ہے۔ حالانکہ یہ بات یاد رکھنے کی بات ہے کہ یہ پہلی اینٹ تھی جو دشمن کی طرف سے پھینکی گئی تھی ۱۱ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ جنگ کے اسباب کافر پیدا کر رہے تھے ۱۲

”اس کے بعد کرز اسلام لے آیا تھا اور اس کا اسلامی کردار بہت اچھا رہا

اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے اس لشکر کا سردار مقرر فرما دیا۔ جسے ان عرنیوں کے تعاقب میں روانہ فرمایا تھا جنہوں نے آپ کے چرواہے کو قتل کر دیا تھا۔ کرز ۸ھ میں فتح مکہ کے دن شہید کر دیئے گئے“ ۱۳

اس سارے واقعے میں کچھ باتیں تاریکی میں ہیں۔ مثلاً

ا ——— کرز بن جابر فہری کا مقصد اگر مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا تو وہ مختصر سی فوج کے بجائے زیادہ آدمی ساتھ لاتا۔ کیونکہ وہ تین سو میل سے زیادہ مسافت طے کر کے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ آور ہوا تھا اور مویشی لوٹ کر لے گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ مویشیوں کے ساتھ اس کی واپسی کا سفر زیادہ وقت لیتا اور مسلمان اسے آ لیتے۔ (اور یہی ہوا) یوں کرز کا یہ اقدام عقل مندی سے بعید معلوم ہوتا ہے۔

ب ——— اگر کرز کی اس مہم کا مقصد مسلمانوں کو اشتعال دلانا تھا تو اس اشتعال کے مقابلے میں قریش مکہ کا خیال ہوگا کہ مسلمان کوئی انتقامی کارروائی کریں گے لیکن مسلمانوں کی طرف سے فوری طور پر کرز کے تعاقب میں جانے والے دستے کے ساتھ سفید جھنڈے کی موجودگی عجیب تاثر دیتی ہے۔ خاص طور پر ان حالات میں کہ مسلمانوں نے اپنے مویشی تو واپس لے لیے مگر کرز بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

ج ——— محمد جعفر شاہ پھلواروی نے اس واقعے کا جو تجزیہ کیا ہے اس میں معقولیت نظر آتی ہے۔ جب کہ یہ واقعہ غزوۂ بدر سے تین ماہ پہلے کا ہے لیکن پھلواروی صاحب نے اس کی تطبیق غزوۂ بدر پر نہیں کی۔ البتہ کرز کی اس حرکت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفظِ ماتقدم کے طور پر مختلف مقامات پر جو فوجی نقل و حرکت فرمائی۔ اس کے بارے میں پھلواروی صاحب نے لکھا ہے کہ اس نقل و حرکت کا مقصد کوئی جنگ نہ تھا بلکہ ایک تو آس پاس کی مختلف آبادیوں سے اس خطرے کے پیشِ نظر کہ یہ کہیں قریش کا جنگ میں ساتھ نہ دیں۔ ان پر یہ اثر ڈالنا تھا کہ وہ اہلِ اسلام کو غافل نہ سمجھ لیں بلکہ خود قریش کو بھی یہ بتانا تھا کہ مسلمان جوابی کارروائیوں کا دم خم رکھتے ہیں۔

ایک مقصد یہ بھی تھا کہ جن قبائل سے اب تک کوئی معاہدہ نہ ہوا تھا۔ ان سے معاہدہ ہوجائے یا معاہدے کی تجدید و توثیق ہوجائے۔ ایک مقصد یہ تھا کہ جہاں دشمنوں کی کچھ سازشی کارروائیوں کا علم ہو، وہاں حالات کا جائزہ لینے کے لیے فوجی دستہ پہنچ جائے اور یہ بھی کہ شاید کوئی بندۂ خدا دعوتِ اسلام پر لبیک کہنے والا مل جائے [۱۵]

د۔ ——— کافر ہمیشہ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف سرگرم عمل رہے اور قریش کے ایک رئیس کُرز کی یہ مہم بھی مسلمانوں کے خلاف تھی۔ لیکن طویل مسافت طے کر کے مسلمانوں کے خلاف یہ اقدام کرنے والے کُرز نے اسلام کس وجہ سے قبول کیا۔ تاریخ میں کُرز کے قبولِ اسلام کے واقعے کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ کہیں مسلمانوں کے سفید جھنڈے اور ان کے اس اقدام نے تو اسے اسلام کے قریب نہیں کر دیا تھا کہ وہ اپنے مویشی تو لے گئے لیکن کُرز کو بچ نکلنے دیا۔ اگر ایسا ہے تو اس کی ایک صورت ہے کہ کُرز کو مار ڈالنے یا پکڑ لینے کی استعداد رکھتے ہوئے مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اسے جانے دیا ہو۔ بہرحال کُرز کے بارے میں تاریخ خاموش ہے اور اس کے حالات نہیں ملتے۔

کُرز کے اسلام قبول کرنے کے متعلق استیعاب جلد ۱، ص ۲۲۳ کے حوالے سے ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں کہ کُرز اس واقعہ کے بعد جلد مسلمان ہو گیا اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے شوال ۶ھ میں بنو عرینہ کے چند ڈاکوؤں کے تعاقب میں بھیجا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنیاں ہانک کر لے گئے تھے فتح مکہ کے دن یہ راستے سے بھٹک گئے اور کسی مکی نے انہیں مار ڈالا [۱۶]

حواشی

۱ ——— الوفا۔ ص ۷۰۳ / الرحیق المختوم۔ ص ۳۲۹ / اصح السیر۔ ص ۸۱ / رسولِ رحمتؐ ص ۲۶۴ / سیارہ ڈائجسٹ۔ رسولؐ نمبر۔ حصہ دوم۔ ص ۱۶۶ / عبدالمصطفیٰ اعظمی سیرتِ مصطفیٰ۔ ص ۱۶۷۔

۲ ——— رسالتمآب۔ ص ۱۴۲ / سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔ ص ۱۹۳۔

۳ ——— نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۷ (مضمون سیرتِ نبویؐ۔ توقیت کی روشنی میں) از مولوی اسحاق النبی علوی)

۴ ——— ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی۔ غزوۂ سفوان کے وقت صحابہ کرامؓ کی تعداد دو سو بتاتے ہیں (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۵۔ ص ۵۳۸ (مضمون عہدِ نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت از ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی)

۵ ——— الرحیق المختوم۔ ص ۳۹۲ / الوفا۔ ص ۷۰۳ / سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۶ / مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۶، ۱۳۷ / المواہب اللدنیہ۔ ص ۳۰۷ / واقدی۔ مغازی الرسولؐ۔ ص ۳ / اصح السیر۔ ص ۸۱، ۸۲ / ابن ہشام۔ سیرت النبی کامل۔ ص ۶۹۳ / رسالتمآبؐ۔ ص ۱۴۲ / ہیکل۔ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۲۹۳ / توکلی۔ غزوات النبیؐ۔ ص ۱۶ / محدثِ دہلوی۔ تاریخِ مدینہ۔ ص ۷۹، ۸۰ / عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۶۷ / بریگیڈیر گلزار احمد۔ غزاتِ رسول اللہؐ۔ ص ۲۲۷ / رسولِ اکرمؐ کی سیاستِ خارجہ۔ ص ۲۵۹ / سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔ ص ۱۹۲ / سیرتِ سرورِ انبیاءؐ۔ ص ۱۰۹ / سیارہ ڈائجسٹ۔ رسولؐ نمبر۔ حصہ دوم۔ ص ۱۶۶ / رسولِ رحمتؐ۔ ص ۲۶۴ / پیغمبرِ عالمؐ ص ۲۵۴ / محمد عبدالمعبود۔ تاریخ المدینۃ المنورۃ۔ ص ۱۸۴ / اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۶۴ / محمد شریف، راجا۔ حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۰۶ / عمر ابوالنصر رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۲۲ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۹۷ / پیغمبرِ اعظم و آخرؐ ص ۴۴۹ / جوامع السیرۃ۔ ص ۱۲۸ / غلام ربانی عزیز۔ سیرتِ طیبہؐ۔ جلد دوم ص ۱۴۱۔

۶ ——— مویشی ہانک کر لے گیا اور نخلستانِ مدینہ میں آگ جلا کر بہت سے اشجارِ ثمرہ کو خاک سیاہ کر دیا۔ (سید اولاد حیدر فوق بلگرامی۔ اسوۃ الرسولؐ۔

جلد دوم۔ ص ۳۶۴)

۷۔۔۔ رسولِ رحمتؐ۔ ص ۲۶۴/ عہدِ نبوی کے نادر واقعات۔ ص ۱۳۲۔

۸۔۔۔ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۹۷

۹۔۔۔ محمد جعفر شاہ پھلواروی۔ پیغمبرِ انسانیت۔ ص ۳۱۲، ۳۱۳۔

۱۰۔۔۔ سیرۃ سرورِ انبیاءؐ۔ ص ۱۰۹/ عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۱۳۲۔

۱۱۔۔۔ شیخ محمد رضا، قاہرہ۔ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۲۱۰ (ترجمہ مولوی محمد عادل قدوسی)/ عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۱۳۲/ سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک ص ۱۹۴/ ڈوکلی: غزوات النبیؐ۔ ص ۱۶/ ہیکل۔ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۲۹۳۔

شوال ۶ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت کرز بن جابر فہری کی قیادت میں ایک سریہ بھیجا۔ یہ سریہ بنو عرینہ کے چند ڈاکوؤں کے تعاقب میں بھیجا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اونٹنیاں ہانک کر لے گئے تھے اور چراگاہ کے نگران کو شہید کر گئے تھے۔ (سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعلمینؐ جلد دوم۔ ص ۱۹۵/ الرحیق المختوم۔ ص ۵۴۵، ۵۴۶/ نقوش۔ جلد ۱۲۔ ص ۹/ نقوش۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۷/ نقوش۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۲/ سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اوّل ص ۴۳۹/ پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ص ۵۷۵/ محمد صدیق قریشی، پروفیسر۔ رسولِ اکرمؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیاستِ خارجہ۔ ص ۳۵۴، ۳۵۵۔

۱۲۔۔۔ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۲۔ ص ۲۹۲ (مضمون عہدِ نبویؐ کی ابتدائی مہمیں، محرکات، مسائل اور مقاصد۔ از ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی)

۱۳۔۔۔ ساجد الرحمٰن۔ سیرتِ رسولؐ۔ ص ۸۸

۱۴۔۔۔ رسالتمآبؐ۔ ص ۱۴۲

۱۵۔۔۔ پیغمبرِ انسانیت۔ ص ۳۲۰

۱۶۔۔۔ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۴۔ ص ۳۸۰، ۳۸۱ (مہماتِ رسولؐ از ڈاکٹر غلام جیلانی برق)

غزوہ ذوالعشیرہ

غزوۂ ذی العشیرہ جدول تقویم میں صفر ۲ھ مکی، جمادی الاوّل مدنی کے مطابق دوشنبہ (پیر) کو آتا ہے[1]۔ بواط سے واپسی کے دو یا تین ماہ بعد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ابو سلمہ بن عبد الاسد کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا اور خود [2] سو مسلمانوں کا دستہ لے کر وادی ینبع میں مقام عشیرہ تک تشریف لائے۔ اس اطلاع پر کہ ابو سفیان ایک تجارتی قافلہ لے کر ادھر سے گزر رہا تھا لیکن وہ بھی راستہ بدل کر صاف نکل گئے[3]۔ ابو سفیان تجارتی سامان لے کر شام کی طرف جا رہے تھے[4]۔ یہ اواخر جمادی الاولیٰ بشمول اوائل جمادی الآخری ۲ھ ۶۲۳ء ماہِ اکتوبر کا واقعہ ہے۔ اس غزوہ میں قبیلہ بنی مدلج اور ان کے حلیفوں سے معاہدہ ہو گیا۔ یہ لوگ بنی ضمرہ کے معاہد و حلیف تھے[5]۔

کچھ سیرت نگار ابو سفیان کے اس قافلے کا ذکر کرنے کے بجائے صرف معاہدے کی حقیقت کا ذکر کرتے ہیں کہ "جمادی الآخر ۲ ہجری میں بنو مدلج کا قبیلہ امتیاز خاص رکھتا تھا۔ وہ کثیر التعداد تھے اور خوشحال و صاحبِ جائداد بھی۔ ذوالعشیرہ ان کا مقامِ سکونت تھا۔ جو ینبوع اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ممتاز صحابہؓ کے ساتھ خود تشریف لے گئے۔ سردارانِ قوم کو جمع کر کے جب ان کو اس معاہدہ کے فوائد و منافع سمجھائے تو یہ لوگ بھی فوراً آپ کے ساتھ اس معاہدے میں شریک ہو گئے"[6]۔ کئی کتابوں میں ذکر ہے کہ مسلمان ابو سفیان کے قافلے کے تعاقب میں نکلے تھے مگر جب اس کو نہ پا سکے تو ذی العشیرہ کے بنو مدلج سے معاہدہ کیا[7]۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ بنی مدلج سے معاہدہ ہوا جو ضمرہ کے حلیف تھے[8]۔ کہیں مدلج اور بنی ضمیرہ دونوں کا ذکر ہے بغیر حرب و

قتال کے ۹ بریگیڈیر گلزار احمد بھی غزوۂ عشیرہ کو سفارتی اغراض کا سفر قرار دیتے ہیں ۱۰

"ہجرت کے سولہ مہینوں کی یہ روئیداد ہے جس میں تین سریے اور تین غزوے ہیں۔ ان کے متعلق اسلام کے دوستوں ہی کو نہیں، اسلام کے دشمنوں کو بھی اعتراف ہے کہ ان سرایا اور غزوات میں (۱) مسلمانوں نے نہ کسی کو قتل کیا (۲) نہ غارت گری کی (۳) نہ قریش کے قافلہ کے سوا عرب کے کسی قبیلہ کے قافلہ کی آمدورفت میں کوئی روک ٹوک کی۔ ان واقعات کی روشنی میں صاف دماغ لوگ اس اعتراف پر مجبور ہو گئے کہ مسلمانوں کا مقصد ان سرایا اور غزوات سے نہ کسی کی جان لینی تھی اور نہ کسی کا مال لوٹنا تھا۔ نہ قریش کے سوا کسی دوسرے قبائل عرب کے تجارتی قافلے کی راہ میں کوئی دشواری پیدا کرنی تھی کیونکہ اگر یہ مقصد ہوتا تو اس کے لیے کوئی مانع نہ تھا... یہ سمجھنا کہ "دراصل ان غزوات و سرایا سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد قریش کے کارواں کی خون ریزی اور ان کو لوٹنا ہوتا تھا لیکن کارواں کی یہ خوش قسمتی ہوتی تھی کہ وہ بچ بچ کر نکل جاتا تھا اور ہاتھ نہ آتا تھا اس کو انتہا درجہ کی غباوت اور بلادت تو کہا جا سکتا ہے، دانشمندانہ فہم نہیں کہا جا سکتا ہے" ۱۱

"انسان جب غیر معقول جذبات کی رو میں بہہ جائے تو اس کی چشم بصیرت اندھی ہو جاتی ہے۔ اہلِ مکہ اپنی عداوت و دشمنی میں اتنے اندھے ہو چکے تھے کہ نہ تو انہیں اسلام پر غور کرنے کا موقع ملا اور نہ انہیں مسلمانوں کے بلند کردار کو نگاہِ غور سے دیکھنے کا موقع نصیب ہوا... انہیں اس حقیقت کا اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو پیغام لائے ہیں وہ ان خطراتِ مزعومہ کا حامل نہ تھا۔ وہ پیغام لوٹ مار کو روکنے کے لیے تھا نہ کہ اسے ہوا دینے کے لیے۔ وہ دین انسان کی اقتصادی، معاشی حالت درست کرنے کے لیے تھا نہ کہ اسے برباد کرنے کے لیے۔ وہ جذبۂ انتقام کو عدل میں تبدیل کرنے کے لیے تھا نہ کہ اسے ابھارنے کے لیے۔ حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انہی اعلیٰ اقدار کو اجاگر کرنے کے لیے آئے تھے نہ کہ ان کے مزعومہ

خطرات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے... کرز بن جابر فہری کا یہ حملہ اعلان تھا قریشِ مکہ کی جنگی تیاریوں کا۔ اس لیے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حفظِ ماتقدم کے طور پر آس پاس کے مختلف مقامات پر فوجی نقل و حرکت فرمائی۔ اس نقل و حرکت کا مقصد کوئی جنگ نہ تھا" ۱۲

ایک روایت کے مطابق حضرت علیؓ کو "ابوتراب" کا لقب بھی غزوۂ عشیرہ میں ملا تھا ۱۳

حواشی

۱ ـــــ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۹ (مضمون سیرتِ نبویؐ توقیت کی روشنی میں، از مولوی اسحاق النبی علوی)

۲ ـــــ سیرت کی کتابوں میں اس غزوہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جانے والے صحابہؓ کی تعداد کے بارے میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً بریگیڈیر گلزار احمد کے مطابق ساٹھ یا ستّر صحابۂ کرامؓ تھے۔ (غزواتِ رسولؐ اللہ ص ۳۲۶) ہیکل صحابہؓ کی تعداد سو بتاتے ہیں۔ (حیاتِ محمدؐ۔ ص ۲۹۲) اور کچھ کتابوں میں ڈیڑھ سو صحابۂ کرامؓ کا ذکر ہے۔ (سلمان منصورپوری۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۶/ سیارہ ڈائجسٹ۔ رسولؐ نمبر۔ جلد دوم۔ ص ۱۶۶/ پیغمبرِ اعظم و آخرؐ ص ۴۵۰) کچھ سیرت نگار دو سو صحابہؓ کا ذکر کرتے ہیں (رسالتمآب۔ ص ۱۴۱/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۹۴) اور زیادہ تر سیرت نگار صحابۂ کرامؓ کی تعداد کے بارے میں کوئی حتمی بات کہنے کی بجائے ڈیڑھ سو یا دو سو صحابہؓ کا ذکر کرتے ہیں۔ (الرحیق المختوم۔ ص ۳۲۹/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۵/ پیغمبرِ عالمؐ ص ۲۴۷/ سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔ ص ۱۹۵/ رسولِ اکرمؐ کی سیاستِ خارجہ ص ۲۵۹/ غزوات النبیؐ۔ ص ۱۶/ سیرتِ محمدیہ۔ ص ۳۰۶/ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۳۱۰/ نقوش۔ جلد ۱۲۔ ص ۲۹۲/ اصح السیر۔ ص ۸۲/ عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ

مصطفیٰؐ۔ ص ۱۶۷/ غلام ربّانی عزیز۔ سیرتِ طیبہؐ۔ جلد دوم۔ ص ۴۱)

۳ —— کچھ کتابوں میں ہے کہ ابو سفیان مسلمانوں کی وجہ سے راستہ بدل کر نکل گیا تھا۔ (حیاتِ محمدؐ۔ ص ۲۹۲/ الوفا۔ ص ۷۰۴/ رسولِ اکرمؐ کی سیاستِ خارجہ۔ ص ۲۵۹) اور کہیں اس بات کا ذکر ہے کہ مسلمان جب ذی العشیرہ کے مقام پر پہنچے تو اس سے کئی دن پہلے قافلہ جا چکا تھا۔ (الرحیق المختوم۔ ص ۳۳۰/ مدارج النبوت جلد دوم۔ ص ۱۳۵/ سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۰۶/ شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہؐ ص ۳۱۱/ پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ص ۴۴۹/ پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۲۴۷/ سیرتِ طیبہ۔ ص ۴۱)

۴ —— ابو سفیان مالِ تجارت لے کر شام کی طرف جا رہا تھا۔ (حیاتِ محمدؐ۔ ص ۲۹۲/ واقدی۔ مغازی الرسولؐ۔ ص ۳/ اصح السیر۔ ص ۸۲/ مدارج النبوت۔ جلد دوم ص ۱۳۵/ الرحیق المختوم۔ ص ۳۲۹/ سیارہ ڈائجسٹ۔ رسولؐ نمبر۔ جلد دوم۔ ص ۱۶۶/ نقوش جلد ۱۲۔ ص ۲۹۲/ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۳۱۰/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۹۵/ رسولِ اکرمؐ کی سیاستِ خارجہ۔ ص ۲۵۹/ پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ص ۴۵۰/ پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۲۴۷)

کہیں یہ ذکر بھی ملتا ہے کہ ابو سفیان جنگ کے لیے ہتھیار خریدنے کے لیے شام جا رہا تھا۔ (پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۲۴۷/ سیارہ ڈائجسٹ۔ رسولؐ نمبر۔ جلد دوم۔ ص ۱۶۶) اور کہیں یہ بھی لکھا ہے کہ ابو سفیان کا قافلہ شام سے واپس مکہ کی طرف آ رہا تھا۔ (الوفا۔ ص ۷۰۴/ سیرتِ محمدیہؐ۔ ص ۳۰۶)

لیٰسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں کہ "بعض دوسری تفصیلات یہ واضح کرتی ہیں کہ یہ قریشی کارواں واقعہ نخلہ کے بعد کسی وقت رجب ۲ھ میں روانہ ہوا تھا اور اس کی واپسی دو ماہ بعد رمضان ۲ھ میں ہوئی تھی۔ اگر یہ تعین وقت صحیح ہے تو واقدی اور ابنِ سعد کا یہ دعویٰ کہ غزوہ ذو العشیرہ میں آپؐ نے اسی کارواں پر حملہ کرنا چاہا تھا، غلط معلوم ہوتا ہے۔" (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۲ ص ۲۹۴)

۵ —— ہیکل۔ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۲۹۲/ واقدی۔ مغازی الرسولؐ۔ ص ۳/ الوفا۔ ص ۷۰۴/ الرحیق المختوم۔ ص ۳۲۹، ۳۳۰/ توکلی۔ غزوات النبیؐ۔ ص ۱۶، ۱۷/ سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۶/ اصح السیر۔ ص ۸۲/ ابنِ ہشام سیرت النبی کامل۔ ص ۶۹۱، ۶۹۲/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۵، ۱۳۶/ سیارہ ڈائجسٹ۔ رسولؐ نمبر۔ جلد دوم۔ ص ۱۶۶/ جوامع السیرۃ۔ ص ۱۲۷، ۱۲۸/ پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۲۸۶/ رسالتمآبؐ۔ ص ۱۴۱/ محدّث دہلوی۔ تاریخِ مدینہ ص ۷۹/ رسولِ اکرمؐ کی سیاستِ خارجہ۔ ص ۲۵۹/ نقوش۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۰/ سیرۃِ سرورِ انبیاء۔ ص ۱۰۸، ۱۰۹/ عبد المصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۶۷/ رسولِ رحمتؐ۔ ص ۲۶۳/ نقوش۔ جلد ۱۲۔ ص ۲۹۲ — ۲۹۶/ شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہؐ ص ۳۱۰، ۳۱۱/ سیرتِ محمدیہؐ۔ ص ۳۰۶، ۳۰۷/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۵۹/ بریگیڈیر گلزار احمد۔ غزواتِ رسول اللہؐ۔ ص ۳۲۵، ۳۲۶/ سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔ ص ۱۹۵، ۱۹۶/ پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ص ۴۴۹، ۴۵۰/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۹۴-۱۹۶/ پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۲۴۶، ۲۴۷/ محمد شریف راجا حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۰۷۔

غلام ربّانی عزیز معاہدے کا ذکر نہیں کرتے۔ (سیرتِ طیبہ۔ جلد دوم۔ ص ۴۱)

۶ —— سیّد اولادِ حیدر فوق بلگرامی۔ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۵۹/ سلمان منصور پوری رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۶/ محدّث دہلوی۔ تاریخِ مدینہ۔ ص ۷۹/ سیرۃِ سرورِ انبیاء۔ ص ۱۰۸، ۱۰۹/ شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۹۶/ رسولِ رحمتؐ ص ۲۶۳۔

۷ —— حیاتِ محمدؐ۔ ص ۲۹۲/ سیارہ ڈائجسٹ۔ رسولؐ نمبر۔ جلد دوم۔ ص ۱۶۶/ اصح السیر۔ ص ۸۲/ الرحیق المختوم۔ ص ۳۲۰/ توکلی۔ غزوات النبیؐ۔ ص ۱۷/ رسالتمآبؐ ص ۱۴۱/ سیرت النبی کامل۔ ص ۶۹۲/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۴۳/ رسولِ اکرمؐ کی سیاستِ خارجہ۔ ص ۲۵۹/ سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔ ص ۱۹۵، ۱۹۶/ پیغمبر

اعظم و آخرؐ۔ ص ۴۴۹، ۴۵۰/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۹۵، ۱۹۶۔

۸۔۔۔ اصح السیر۔ ص ۸۲/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۱۹۲/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۵/ رسالتمآبؐ۔ ص ۱۴۱/ سیارہ ڈائجسٹ۔ رسولؐ نمبر۔ جلد دوم۔ ص ۱۲۶/ سیرۃ سرورِ انبیاءؐ۔ ص ۱۰۸، ۱۰۹/ رسولِ اکرمؐ کی سیاستِ خارجہ۔ ص ۲۵۹/ پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔

ص ۴۵۰/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۹۵، ۱۹۶۔

۹۔۔۔ سلمان منصورپوری۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۶/ تاریخ مدینہ۔ ص ۸۹/ ابن ہشام۔ سیرت النبیؐ کامل۔ ص ۶۹۲/ الرحیق المختوم۔ ص ۳۳۰/ غزوات النبیؐ ص ۱۷/ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۱۹۶/ پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۲۴۷۔

۱۰۔۔۔ غزواتِ رسول اللہؐ۔ ص ۲۲۵، ۲۲۶/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۲۔ ص ۲۹۶/ مصطفیٰ خان بی اے۔ غزواتِ نبویؐ۔ ص ۹۔

۱۱۔۔۔ پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۲۴۸، ۲۴۹؛ عبدالصمد رحمانی کی یہ کتاب پہلے بھارت میں شائع ہوئی۔ پھر پاکستان میں مقبول اکیڈمی لاہور نے اسی نام سے لیکن مکتبۂ عالیہ لاہور نے "حیاتِ پیغمبرِ اعظمؐ" کے نام سے شائع کی)

۱۲۔۔۔ پیغمبرِ انسانیت۔ ص ۳۰۹، ۳۱۹، ۳۲۰۔

۱۳۔۔۔ ایک روایت ہے کہ غزوۂ عشیرہ میں حضرت علیؓ نرم زمین پر لیٹ کر سو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں اٹھایا اور "ابوتراب" کہا۔ دوسری روایت کے مطابق جب حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی کسی بات پر ناراضگی ہو جاتی تو حضرت علیؓ تھوڑی سی مٹی اپنے سر پر ڈال لیتے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ جاتے کہ لڑائی ہوئی ہے اور فرماتے۔ اے ابوتراب تمہیں یہ کیا ہو گیا (ابنِ ہشام۔ سیرت النبیؐ کامل۔ ص ۶۹۲/ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۱۱۳/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۶/ غزوات النبیؐ۔ ص ۱۷/ اسوۂ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۵۹/ غلام ربانی عزیز۔ سیرتِ طیبہ۔ جلد دوم۔ ص ۴۲)

تحویلِ قبلہ

تحویلِ قبلہ کا اہم ترین واقعہ پیر جیسے مقدس دن کو ہوا [1]۔ بعض سیرت نگاروں کے نزدیک یہ واقعہ نصف رجب [2] دوشنبہ یا نصف شعبان [3] سہ شنبہ کے دن واقع ہوا [4]۔ تحویلِ کعبہ کے پس منظر کے متعلق شبلی لکھتے ہیں۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں تھے دو ضرورتیں ایک ساتھ درپیش تھیں۔ ملّتِ ابراہیمی کی تاسیس و تجدید کے لحاظ سے کعبہ کی طرف رخ کرنے کی ضرورت تھی۔ لیکن یہ مشکل تھی کہ قبلہ کی جو اصلی غرض ہے یعنی امتیاز اور اختصاص وہ نہیں حاصل ہوتی تھی کیونکہ مشرکین اور کفّار بھی کعبہ ہی کو اپنا قبلہ سمجھتے تھے اس بنا پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مقامِ ابراہیم کے سامنے نماز ادا کرتے تھے جس کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا، اس طرح دونوں قبلے سامنے آ جاتے تھے۔ مدینہ میں دو گروہ آباد تھے، مشرکین جن کا قبلہ کعبہ تھا اور اہلِ کتاب جو بیت المقدس کی سمت نماز ادا کرتے تھے۔ شرک کے مقابلے میں یہودیت اور نصرانیت دونوں کو ترجیح تھی، اس لیے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ایک مدّت یعنی تقریباً ۱۶ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے رہے [5]۔

اہلِ مدینہ کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کا عجیب حال ہے کہ قبلہ کے معاملہ میں تو ہماری موافقت اور دین کے معاملہ میں ہماری مخالفت۔ یہ بات آپؐ کے کانوں تک پہنچی اور آپؐ سمجھ گئے کہ یہ لوگ عناد کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ گئے ہیں لہٰذا میلِ خاطرِ شریف ادھر ہوا کہ قبلہ کعبہ کو مقرر کر دیا جائے جو آپؐ کے پدر ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا [6]۔

کسی جماعت، گروہ یا معاشرے کے افراد میں قومیت اور اتحاد و ایتلاف

تین چیزوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ مرکزیت، قومی تشخص اور شعورِ تشخص۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ انتہائی نامساعد حالات میں آپؐ نے مسلمانوں میں اپنی الگ اور منفرد قومی حیثیت کا شعور پیدا کرنے کی خاطر قریش سے علیحدہ اپنا قبلہ منتخب کیا تھا لیکن مدینے میں دینی و سیاسی حالات مختلف نوعیت کے تھے۔ یہاں مسلمان ایک تو سیاسی و دینی اعتبار سے خود مختار و آزاد تھے اور دوسرے مدینہ میں یہود ان کے دینی و ثقافتی اعتبار سے صحیح معنوں میں حریف تھے کیونکہ وہ سیاسی، معاشی، ثقافتی ہر لحاظ سے مشرک و بت پرست قبائل پر فوقیت رکھتے تھے۔ علاوہ بریں وہ اہلِ کتاب تھے اور ان کے انبیاء اور کتبِ سماوی کی تصدیق اسلام کرتا تھا، لہٰذا مسلمانوں کو ان سے علیحدہ اور ممیز کرنے کی خاطر ان میں مرکزیت اور ملّی تشخص پیدا کرنا ناگزیر تھا۔ اور اس کے لیے مسلمانوں کا اپنا الگ وجداگانہ قبلہ ضروری تھا"[7]

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمنّا یہی تھی کہ آپؐ کا قبلہ مسجدِ حرام ہو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ ہے اور ہمیشہ اسی بارے میں نزولِ وحی کے منتظر رہے[8]

حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا یہ طریقہ تھا کہ جن باتوں میں وحی نہ آتی اس میں بنی اسرائیل کے انبیاء کی موافقت فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہودیوں کی تالیفِ قلوب کے لیے بیت المقدس ہی کو قبلہ رہنے دیا۔ یہود کہنے لگے کہ مسلمان بہت سی باتیں ان جیسی کرتے ہیں، ہم انہیں آہستہ آہستہ جذب کر لیں گے لیکن تحویلِ قبلہ سے ان کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ عربوں کے خون میں کعبہ کی محبت اور تعظیم رچی بسی تھی۔ نیت کا حال جاننے والے نے ان کا امتحان لیا تو بیت المقدس کی سمت سجدے کروائے حالانکہ ان کا دل چاہتا تھا کہ قبلہ کعبہ ہو۔ مشرکینِ مکہ بیت المقدس کے احترام کے قائل نہ تھے۔ ان میں سے جو ایمان لائے، انہیں قائل ہونا پڑا۔ اس کے برخلاف یہود و نصاریٰ کعبہ کی عظمت تسلیم نہیں کرتے تھے۔ یہود بیت المقدس کو "بیت ایل" اللہ کا گھر کہتے

اور ہیکل کو مقدس مانتے تھے[9]

اہلِ سِیَر کے نزدیک حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) صحابہؓ کے ہمراہ بشیر بن[10] براء بن معرور کے یہاں دعوت پر تھے کہ نماز[11] کا وقت ہوا اور آپؐ نے مسجد بنو سلمہ[12] میں نماز ادا کی جہاں قبلہ تبدیل کرنے کی وحی نازل ہوئی[13]

چونکہ حضور سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی یہ خواہش تھی کہ ملّتِ ابراہیمی کی طرح میرا قبلہ بھی کعبہ ہو، خداوندِ عالم نے حضور سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کی خواہش کو پورا فرمایا اور آیۂ کریمہ نازل فرمائی[14]

قد نری تقلب وجهك فی السماء فلنولینك قبلة ترضها فول وجهك شطر المسجد الحرام وحیث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره -

(بے شک ہم آپؐ کا آسمان کی طرف منہ پھیرنا دیکھ رہے ہیں، پس ہم ضرور پھیریں گے آپؐ کو اس قبلہ کی طرف جسے آپؐ پسند کرتے ہیں۔ پس اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیں)[15]

اس وقت آپؐ دوسری رکعت میں تھے کہ تحویلِ قبلہ کی وحی نازل ہوئی۔ آپ اسی وقت کعبہ معظمہ کی جانب پھر گئے اور جو صفیں آپؐ کے پیچھے تھیں، وہ بھی پھر گئیں اور اس طرح نماز کو پورا کیا[16]

جیسے جیسے دوسری جگہوں پر تحویلِ قبلہ کی اطلاعات پہنچائی جاتی رہیں وہاں بھی قبلہ تبدیل کر لیا گیا[17]

تحویلِ قبلہ کا فوری ردِّ عمل تو یہ ہوا کہ یہودِ مدینہ کے جذبات کو ٹھیس لگی اور لگی لپٹی رکھے بغیر اسلام کے خلاف زہر چکانی پر اتر آئے[18]

حیی بن اخطب نے مسلمانوں سے پوچھا کیوں صاحب! بیت المقدس کی طرف منہ کر کے جو نمازیں پڑھی ہیں، وہ ہدایت تھی یا گمراہی؟ اگر گمراہی تھی تو اتنے دن گمراہی پر کیوں رہے؟ اور اگر ہدایت تھی تو اس سے کیوں پھر گئے؟

مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا کہ جو حضرات مر چکے ہیں

ان کی نمازوں کا کیا ہوگا۔ تب اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری نمازوں کو ضائع نہ کرے گا [19]

حواشی

۱ــــ الوفا۔ ص ۳۱۱ / رسالتمآب۔ ص ۱۳۳ / ابوالنصر منظور احمد۔ مدینۃ الرسولؐ ص ۲۶۵ / شریف احمد شرافت نوشاہی، سید۔ شریف التواریخ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۸۶، ۱۸۷

۲ــــ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۲۵ / فروغ ابدیت۔ ص ۳۲۰ / تاریخ مدینہ ص ۸۰ / محمد عبدالمعبود۔ تاریخ المدینۃ المنورہ۔ ص ۱۸۵ / نبیؐ رحمت۔ ص ۲۰۶ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۱۲ / عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۵۷ / شرف النبی۔ ص ۱۰۴۔

۳ــــ شبلی۔ سیرت النبی۔ جلد اوّل۔ ص ۲۸۶ / اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۵۴ / سیرت سرورِ انبیاء۔ ص ۱۱۱ / جمالِ مصطفیٰؐ۔ جلد سوم۔ ص ۶۷ / پیغمبرِ اعظم و آخر ص ۴۵۳ / محمد جعفر شاہ پھلواروی۔ پیغمبرِ انسانیت۔ ص ۲۹۴ / عبدالحیٔ۔ حیاتِ طیبہ ص ۱۴۲۔

اصح السیر میں لکھا ہے کہ ہجرت کے سولہ ماہ بعد یعنی غزوۂ بدر سے دو ماہ قبل شعبان یا رجب کے مہینہ میں مکہ قبلہ ہوگیا۔ (عبدالرؤف داناپوری۔ اصح السیر۔ ص ۶۶)

۴ــــ المواہب اللدنیہ۔ ص ۳۰۹ / سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۲۶ / عبدالعزیز ہزاروی، مولانا۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۹۷۔

مواہب لدنیہ میں جمادی الآخر کے متعلق بھی ذکر ملتا ہے (مواہب اللدنیہ ص ۳۰۹)

۵ــــ شبلی۔ سیرت النبی۔ جلد اوّل۔ ص ۲۸۷۔

۶ــــ رسالتمآب۔ ص ۱۳۳

۷ــــ پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ص ۴۵۴

۸ــــ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۲۵۔

۹ــــ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۰۷، ۲۰۸

۱۰ــــ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ام بشر بن البراء بن معرور سے ملاقات بنی سلمہ میں کی۔ انہوں نے آپؐ کے واسطے کھانا پکایا۔ اس وقت نمازِ ظہر کی تھی (مواہب اللدنیہ۔ ص ۲۱۰ / رسالتمآب ص ۱۳۳ / غلام ربانی عزیز سیرتِ طیبہ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۱۶ / ابوالنصر منظور احمد شاہ۔ مدینۃ الرسول۔ ص ۲۶۴ / جمالِ مصطفیٰؐ۔ جلد سوم۔ ص ۶۷) / تاریخ المدینۃ المنورہ۔ ص ۲۲۸، ۲۲۹۔

"مدارج النبوت" میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تحویلِ کعبہ کے وقت کسی صحابیہ کے ہاں موجود تھے۔ (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۲۶)

"الوفا" میں لکھا ہے کہ محمد بن حبیب ہاشمی کہتے ہیں کہ سیدِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ام بشیر بنت براء بن معرور رضی اللہ عنہا کے پاس بنی سلمہ میں پندرہ شعبان بروز منگل تشریف لے گئے۔ (الوفا۔ ص ۳۱۱)

۱۱ــــ مدارج النبوت کے مطابق صحیح بخاری میں یہ مروی ہے کہ سب سے پہلی نماز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کعبہ کی جانب پڑھی، وہ نمازِ عصر کی تھی۔ ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ تمام و کمال جو نماز کعبہ کی جانب پڑھی، وہ نمازِ عصر تھی۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے (مدارج النبوت۔ ص ۱۲۶)

شاہ مصباح الدین شکیل اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ "حافظ ابنِ حجر کا خیال ہے کہ اوّل نماز مسجدِ بنو سلمہ میں ظہر ہے اور مسجدِ نبوی میں عصر ہے" (سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ جلد دوم۔ ص ۲۱۲)

عبدالعزیز ہزاروی کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے یا عصر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ (سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۹۷)

سیرت کی زیادہ تر کتابوں میں اس بات کا ذکر ہے کہ تحویلِ کعبہ کی آیت کے نزول

کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ (المواہب اللدنیہ ص ۳۱۰/ سیرتِ طیبہ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۱۶/ الوفا۔ ص ۳۱۱/ رسالتمآبؐ۔ ص ۱۳۳/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۱۲/ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۲۶/ مدینۃ الرسول۔ ص ۲۶۴/ عبد المصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۵۷/ جمالِ مصطفیٰؐ۔ جلد سوم۔ ص ۷۶)

۱۲—— یہ مسجد مبارک وادی عقیق میں واقع ہے۔ مدینہ منورہ سے تقریباً پون میل کی مسافت ہے۔ مساجد فتح یا مساجد خمسہ بھی اس کے قریب ہی واقع ہیں۔ بئرِ رومہ (سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا کنواں) مدینہ منورہ سے جاتے ہوئے اس مسجد شریف کے دائیں جانب ہے۔ مدینہ یونیورسٹی کی عمارت بھی یہاں سے بالکل سامنے دکھائی دیتی ہے۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں نمازِ ظہر ادا فرمائی ہے۔ یہ مسجدِ مقدس بنو سلم کے نام سے متعارف تھی کہ یہاں قبیلہ بنو سلم آباد تھا۔۔۔۔ تحویلِ قبلہ کا واقعہ اس دن پیش آیا جس دن حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امّ بشر کی بیمار پرسی کے لیے ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے کھانے کا اہتمام کر دیا۔ دورانِ گفتگو نمازِ ظہر کا وقت ہوگیا۔ اسی نماز میں تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ اس مسجد شریف کی لمبائی ۹ میٹر، چوڑائی ۴ میٹر، بلندی ساڑھے چار میٹر ہے۔ (ابوالنصر منظور احمد شاہ۔ مدینۃ الرسول۔ ص ۲۶۴)

"مسجد قبلتین" شہر مدینہ سے تقریباً دو کیلومیٹر دور جانب شمال مغرب واقع ہے۔ (عبد المصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰ۔ ص ۱۵۸)

۱۳—— رسالتمآب۔ ص ۱۳۳/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۱۲۔

۱۴—— ساجد الرحمٰن۔ سیرتِ رسولؐ۔ ص ۷۹/ شرف النبیؐ۔ ص ۱۰۴/ عبد المصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۵۷/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰ۔ جلد دوم۔ ص ۲۰۹، ۲۱۳۔

۱۵—— سیرتِ رسولؐ۔ ص ۷۹/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۰۹، ۲۱۳/ عبد العزیز ہزاروی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۹۶، ۱۹۷/ مدینۃ الرسولؐ۔ ص ۲۶۵/ سیرتِ طیبہؐ

جلد اوّل۔ ص ۲۱۶/ فروغِ ابدیت۔ ص ۳۲۰

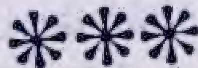
۱۶—— مدارج النبوت۔ ص ۱۲۶/ شبلی۔ سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۸۷/ المواہب اللدنیہ۔ ص ۳۱۰/ فروغِ ابدیت۔ ص ۳۲۲/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ ص ۲۱۲/ جمالِ مصطفیٰؐ۔ ص ۷۹/ عبد الحیٔ۔ حیاتِ طیبہ۔ ص ۱۴۲۔

ساجد الرحمٰن نے اپنی کتاب میں وحی کے فوراً بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف رخ کرنے پر صحابہ کی اتباع کا ذکر یوں کیا ہے۔ اس واقعہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اتباعِ رسول کا فقید المثال مظاہرہ ہوا۔ عین حالتِ نماز میں جب کہ کسی آیت کے نازل ہونے کی کوئی اطلاع نہیں تھی، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کی مطابعت میں اپنا رخ تبدیل کر لیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قول، فعل اور جملہ حرکات و سکنات کو دین سمجھتے تھے۔ (ساجد الرحمٰن۔ سیرتِ رسولؐ۔ ص ۷۹، ۸۰/

۱۷—— سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۲۶، ۱۲۷/ عبد العزیز ہزاروی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۹۷/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۱۲/ جمالِ مصطفیٰؐ۔ جلد سوم۔ ص ۷۸۔

۱۸—— سیرتِ طیبہ۔ ص ۲۱۷۔

۱۹—— رسالتمآب۔ ص ۱۳۴، ۱۳۵/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۲۷/ المواہب اللدنیہ۔ ص ۳۱۱/ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۲۷/ ابنِ ہشام۔ سیرت النبی کامل۔ جز ۲۔ ص ۶/ پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ص ۴۵۴/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ ص ۲۱۵، ۲۱۶/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۴۹/ عبد المصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰ۔ ص ۱۵۹۔



غزوۂ بدر

غزوۂ بدر مسلمانوں اور کفار کے درمیان پہلی باقاعدہ جنگ تھی۔ اس سے پہلے ہر طریقے سے ظلم ہونے کے باوجود مسلمانوں نے کفار کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی تھی۔ غزوۂ بدر کے لیے مدینہ سے مسلمانوں کی روانگی کے بارے میں ابن ہشام نے ۹ رمضان ۲ ہجری اور دوشنبہ کا دن لکھا ہے[1]۔ حکیم رحمان علی لکھتے ہیں کہ ۱۲ رمضان المبارک کو دوشنبہ کے دن مدینہ سے نکلے تھے[2]۔ اسحاق النبی علوی اس موقع پر لکھتے ہیں کہ حضرت عروہ بن زبیرؓ سمیت تمام سیرت نگار غزوۂ بدر کے واقعے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ ۱۶ یا ۱۷ رمضان کو جمعہ کو واقع ہوا مگر تقویمی رو سے یہ واقعۂ بدر دراصل ۱۶ رمضان المبارک کو پیش آیا اور اس دن دوشنبہ تھا[3]۔ اسحاق علوی کے تقویمی جدول کے حساب سے دیکھیں تو ابن ہشام کی بات درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر ۱۶ رمضان کو دوشنبہ ہو تو اس کا پہلا دوشنبہ ۹ رمضان المبارک کو پڑتا ہے اس طرح دیکھا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی ۹ رمضان دوشنبہ کو ہوئی اور غزوۂ بدر کی لڑائی ۱۶ رمضان کو ہوئی اور اس دن دوشنبہ تھا۔

غزوۂ بدر کا واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے ایک بڑے قافلے کو روکنے کے لیے تشریف لے گئے جو شام سے آ رہا تھا۔ اور جس میں ابوسفیان کے علاوہ تیس اور سوار بھی تھے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روحا کے مقام پر پہنچے تو آپ کو اطلاع ملی کہ قریش اپنے قافلے کو بچانے کے لیے آ رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ فرمایا۔ اللہ نے تم سے دو طائفوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے۔ تجارتی قافلہ والے یا قریش کا لشکر۔ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور نہایت عمدہ تقریر کی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے۔ انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ پھر حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ اٹھے کہنے لگے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ (علیک) وسلم! خدا نے آپ کو جس بات کا حکم دیا ہے وہ کر گزریئے۔ ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ بخدا ہم ایسی بات نہیں کہیں گے جیسی کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہی تھی۔ **فاذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون**۔ بلکہ آپ اور آپؐ کا خدا، کفار کے ساتھ جنگ کریں، ہم آپؐ کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے۔ اس خدا کی قسم جس نے آپؐ کو مبعوث فرمایا ہے، اگر آپؐ ہمیں لے کر حبشہ کو روانہ ہو پڑیں تو آپ کے ساتھ مل کر ان لوگوں سے لڑیں گے یہاں تک کہ آپ اپنے مقصد کو پالیں۔ حضور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اس کی تحسین فرمائی۔ اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اے لوگو! تم اپنی رائے کا اظہار کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشارہ انصار کی طرف تھا۔ اس پر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ (علیک) وسلم شاید آپ کا اشارہ میری طرف ہے آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ (علیک) وسلم! ہم آپ پر ایمان لائے۔ آپ کی تصدیق کی اور شہادت دی کہ آپؐ کا دین سچا ہے اور ہم نے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا وعدہ کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ (علیک) وسلم جو آپ کا ارادہ ہے وہ کر گزریئے۔ خدا کی قسم اگر آپؐ ہمیں لے کر سمندر میں چھلانگ لگائیں گے تو بھی ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہے گا اور ہم دشمن سے مقابلہ کرنے میں ہرگز نہیں ہچکچائیں گے اور بخدا ہم لڑائی میں صابر ہیں اور دشمن سے مقابلے میں ثابت قدم ہیں اور ان شاء اللہ آپ ہمارے ایسے کارنامے ملاحظہ فرمائیں گے جن سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوگی پس اللہ کا نام لے کر ہمیں ساتھ لے کر کوچ فرمائیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی باتوں سے مسرور ہوئے اور آپ کو خوشی ہوئی فرمایا۔ اللہ کا نام لے کر کوچ کرو اور تمہیں مبارک ہو کہ خدا نے دو میں سے ایک کا تم سے وعدہ کیا ہے۔ بخدا خدا نے قریش کے قتل ہونے کی جگہیں[5] مقرر فرما دی ہیں اور میں اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھ

مقتل میں زمین پر پڑا دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میدان بدر کے قریب جا کر اترے اور کفار کو دوسرے کنارے پر رہنے دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک سائبان بنایا گیا اور آپ نے اس میں قیام کیا [7]

جب ابوسفیان کو پتا چلا کہ مسلمان اس کے قافلہ پر چھاپہ مارنے کے لیے مدینہ سے چل پڑے ہیں تو اس نے بنی الغفور ضمضم بن عمرو غفاری کو گرانقدر اجرت دے کر قریش کی طرف بھیجا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو لے کر ان کے قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں اسے بچانے کے لیے جس قدر ممکن ہو جلدی آؤ۔ چنانچہ وہ قریباً ایک ہزار آزمودہ کار جانباز لے کر قافلہ کی امداد کے لیے نکلے۔ ان کے پاس ایک سو گھوڑے اور سات سو اونٹ تھے ان میں اس قدر جوش اور اشتعال تھا کہ سوائے ابولہب کے مکہ کا کوئی سردار پیچھے نہیں رہا۔ ابولہب نے اپنی جگہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیجا۔ نیز انہوں نے مکہ کے آس پاس بسنے والے قبائل کو بھی اپنی امداد کے لیے جمع کیا۔ قریش کے قبائل میں صرف عدی بن کعب کے قبیلہ نے اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا [8]

لشکرِ کفار کا سپہ سالار ابوجہل تھا [9]۔ لشکر کفار میں [10] نو سو جنگی سوار، ایک سو اسپ زرہ پوش، سات سو ستر اونٹ اور لشکر کے سرغنہ ہیں عمر بن ہشام [11] (ابوجہل) عتبہ و شیبہ پسران ربیعہ ابوالبختری، حکیم بن حزام، حارث بن عامر، طعیمہ بن عدی، امیہ بن خلف، نبیہ و منبہ پسران حجاج، سہیل بن عمرو، عمرو بن الحارث اور یہ تینوں بنی عبدالدار سے تھے [12]

اسلامی سپاہ کی تعداد تین سو پانچ تھی آٹھ آدمی شامل نہیں ہو سکے تھے جن کا حصہ غنیمت اور ثواب آخرت میں دوسروں کے برابر تھا [13]

ان آٹھ صحابہ [14] میں تین مہاجر اور پانچ انصار تھے۔ مہاجرین میں عثمانؓ بن عفان حضرت رقیہ کی علالت کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہو سکے۔ حضرت طلحہؓ اور سعید کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاسوسی کے لیے متعین کیا۔ انصار میں حضرت ابولبابہؓ کو

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستے سے واپس بھیجا کہ وہ ابن مکتوم کی جگہ مدینہ کے حاکم مقرر کیے گئے تھے۔ عاصم بن عدی کی ڈیوٹی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل پر خلیفہ کر دیا اور حارث بن حاطبؓ [15] بنی عمرو کی طرف بھیجے گئے اور حارث بن الصمۃ اور خوات بن جبیر راستے میں زخمی ہو گئے تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں واپس بھیج دیا تھا۔ اس طرح جنگ بدر کے مال غنیمت میں تین سو تیرہ [18] صحابہ [17] کو شامل کیا گیا اور جنگ میں تین سو پانچ صحابہؓ نے شرکت کی تھی [19]

اس غزوہ میں مسلمانوں کے پاس تین گھوڑے [20]، ستر اونٹ [21] چھ زرہیں اور آٹھ شمشیریں تھیں اور ایک ایک اونٹ پر کئی کئی مسلمان سواری کرتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہما شریک تھے اور جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیدل چلنے کی باری آتی تو دونوں عرض کرتے یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ سوار ہی رہیے، ہم آپ کی رکاب کی سعادت میں پیدل چلیں گے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے "تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں اجر میں تم سے زیادہ بے نیاز نہیں ہوں [22]

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب ابوسفیان کے قافلۂ تجارت کی بسلامت مکہ پہنچنے کی خبر ملی اور بظاہر مسلمانوں سے لڑائی کی کوئی وجہ نہ رہی تو حکیم بن حزام نے عتبہ کو اس تصادم سے بچنے اور واپس مکہ لوٹ جانے پر راضی کر لیا تھا مگر جب ابوجہل کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے عتبہ کو لڑائی سے پیٹھ پھیرنے اور بزدلی دکھانے کا طعنہ دیا اور حضرمی کے بھائی عامر کو بلا کر بھڑکایا۔ عامر نے عرب دستور کے مطابق اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور گرد اڑا کر نعرے مارنے شروع کیے۔ اس واقعہ نے تمام فوج میں آگ لگا دی اور لشکر کفار بدر میں آگے بڑھ کر عقنقل کے ٹیلہ کے پیچھے خیمہ زن ہو گیا قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے اس لیے انہوں نے مناسب جگہوں اور کنوؤں پر قبضہ کر لیا۔ رات کو کچھ بارش ہو گئی جس کی وجہ سے وادی میں سب دلدل ہو گئی اور قریش کو آگے بڑھنے میں دشواری پیش آئی [24]

آپ نے بدر[۲۵] کے قریب ترین چشمے پر نزول فرمایا۔ اس موقع پر حضرت حباب بن منذر نے ایک ماہر فوجی کی حیثیت سے یہ مشورہ دیا کہ اگر ہم قریش سے سب سے قریب جو چشمہ ہو، اس پر پڑاؤ ڈالیں اور بقیہ چشمے پاٹ دیں اور اپنے چشمے پر حوض بنا کر پانی بھر لیں اور اس کے بعد قریش سے جنگ کریں گے تو ان کے پاس پانی نہیں ہوگا اور ہمارے پاس پانی ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا مشورہ پسند کیا اور آدھی رات کو مسلمانوں کے لشکر نے دشمن کے سب سے قریب ترین چشمے پر پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ پھر صحابہ کرام نے حوض بنایا اور اس طرح باقی تمام چشموں کو بند کر دیا[۲۶] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا مگر ساقی کوثر کے فیض عام نے کفار پر پانی روکنا گوارا نہ کیا۔ اس لیے لشکر قریش کو بھی پانی لینے کی عام اجازت تھی[۲۷]

جب دونوں فوجیں لڑائی کے لیے تیار تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ فاروق کو کفار کے پاس، انہیں سمجھانے اور لڑائی سے باز رکھنے کے لیے بھیجا اور فرمایا کہ وہ خدا سے لڑائی پر کمر نہ باندھیں ورنہ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے کفار کو بہت سمجھایا مگر موت ان کی منتظر اور جہنم ان کے انتظار میں تھی۔ انہوں نے ایک نہ مانی اور لڑائی پر آمادہ رہے[۲۸]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ بدر میں لڑائی کے دوران اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے خدا اگر تو نے اہل ایمان کی اس مختصر سی جماعت[۲۹] کو ہلاک کر دیا تو دنیا میں کبھی تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس کا وعدہ یاد دلایا ہی تھا کہ خدا نے اپنے فرشتوں کو کفار سے جنگ کے لیے بھیجا۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ فرشتوں نے غزوہ بدر میں سفید پگڑیاں اور حنین میں سبز پگڑیاں پہنی تھیں۔ جب دونوں جماعتوں کا سامنا ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹھی بھر کنکریاں لیں اور کفار کے منہ پر دے ماریں چنانچہ وہ کنکر ہر مشرک کی آنکھ اور گلے میں داخل ہو گئے دشمن بھاگ گئے اور سرداران قریش میں سے بہت سے قتل ہو گئے یا گرفتار ہوتے[۳۰]

جنگ بدر میں چودہ[۳۱] مسلمان شہید ہوئے جن میں سے چھ مہاجرین اور آٹھ انصار شامل ہیں[۳۲]

مہاجرین میں سے حضرت عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب (یہ تریسٹھ سال کی عمر میں شہید ہوئے) حضرت ذوالشمالین رضؓ (ان کا اصل نام عمیر ہے مگر یہ دونوں ہاتھوں سے برابر کام کرنے کی وجہ سے "ذوالشمالین" کے لقب سے مشہور ہیں) صفوان رضؓ (ان کی کنیت ابو عمرہ ہے اور ان کی والدہ کا نام بیضاء ہے) عاقل رضؓ (زمانۂ جاہلیت میں ان کا نام غافل تھا۔ دارالارقم میں مسلمان ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام عاقل رکھا) عمیر[۳۳] رضؓ (عمیر بن ابی وقاص حضرت سعد بن ابی وقاص کے چھوٹے بھائی تھے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر سولہ سال تھی) مہجع رضؓ (یہ یمن کے رہنے والے تھے۔ لٹیروں نے پکڑ کر بیچ دیا تو حضرت عمر فاروق رضؓ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ بعض کے مطابق مہاجرین میں سے پہلے شہید یہی ہیں)

انصار میں سعد بن خیثمہ (یہ بیعت عقبہ کے بارہ نقیبوں میں سے ہیں) مبشر رضؓ (اپنے بھائی ابولبابہ رضؓ کے ساتھ غزوہ بدر میں حاضر تھے۔ عدوی نے ان کی شہادت میں اختلاف کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ مبشر رضؓ بدر اور احد دونوں میں حاضر تھے اور احد میں لاولد شہید ہوئے) عمیر رضؓ (روایت ہے کہ عمیر بن الحمام انصاری اور عبیدہ بن الحارث مہاجر میں بھائی چارہ تھا اور یہ دونوں جنگ بدر میں شہید ہوتے۔ بعض کے مطابق انصار میں سب سے پہلے شہید یہی ہیں) یزید رضؓ (ان کا لقب ابن فسحم تھا۔ ان کے اور ذوالشمالین میں بھائی چارہ تھا۔ یہ دونوں بدر میں شہید ہوتے) رافع بن المعلی (ابوجہل نے انہیں شہید کیا) حارثہ بن سراقہ[۳۴] عوف[۳۵] (ان کی والدہ کا نام عفراء ہے۔ یہ حضرت معوذؓ اور معاذؓ کے بھائی تھے انہیں ابوجہل نے شہید کیا) معوذ رضؓ[۳۶] (معاذ اور معوذ نے ابوجہل کو زخمی کیا اور عکرمہ بن ابی جہل نے معاذ کا ہاتھ کاٹ دیا اور ابومسافع نے معوذ کو شہید کر دیا اور واقدی کے مطابق عبداللہ بن مسعود نے ابوجہل کا سر کاٹا۔ اس طرح یہ سب ابوجہل کے قتل میں شریک ہوئے۔ ارباب سیر کے مطابق

معاذؓ بازو کے بغیر حضرت عثمانؓ کی خلافت تک زندہ رہے[۳۷]

کفار کے ۴۴ سردار قتل ہوئے[۳۸] اور قریباً ستر کفار مارے گئے[۳۹] مارے جانے والے کفار میں قریباً نصف قتل حضرت علیؓ نے کیے[۴۰] اور ستر کفار قید ہوئے[۴۱] حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ کرام میں قیدیوں کو تقسیم کر دیا اور ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ کو تاکید فرمائی تھی کہ "ان کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے" چنانچہ ابوعزیز بن عمیر (جو مصعب بن عمیر کے بھائی تھے) کا بیان ہے کہ جب مجھے بدر سے لائے تو میں انصار کی ایک جماعت میں تھا۔ وہ صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی مجھے دیتے اور خود کھجوریں کھاتے۔ ان میں سے جس کے ہاتھ روٹی کا ٹکڑا آتا وہ میرے آگے رکھ دیتا۔ مجھے شرم آتی۔ میں اسے واپس کرتا مگر وہ مجھ ہی کو واپس دیتا اور خود ہاتھ نہ لگاتا[۴۲]

قیدیوں کے پاس کپڑے نہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم سے صحابہ نے انہیں اپنے کپڑے اتار اتار کر دیئے۔ حضرت عباس کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتا ان کے جسم میں ٹھیک نہ بیٹھتا تھا۔ عبداللہ بن ابی جو منافقین مدینہ کا سردار تھا، حضرت عباس کا ہم قد تھا اس نے آپ کو اپنا کرتہ منگوا کر دیا[۴۳]۔ قیدیوں میں جو لوگ غریب[۴۴] تھے ان کو ویسے ہی چھوڑ دیا گیا اور جو لوگ لکھنا جانتے تھے ان کے ساتھ شرط لگائی گئی کہ ہر ایک، دو انصاری بچوں کو کتابت[۴۵] لکھا دے اس کے بعد آزاد اور ہر آدمی اپنی قدر ت کے مطابق فدیہ ادا کرے۔ کسی سے ہزار درہم سے کم اور چار ہزار درہم سے زیادہ فدیہ قبول نہ ہوگا[۴۶]

اسیران بدر میں مالک بن عبداللہ بھی تھا جو قید کی حالت ہی میں مر گیا تھا[۴۷] حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بڑی بیٹی حضرت زینب کے شوہر حضرت ابوالعاص بھی ان قیدیوں میں شامل تھے ان کے فدیہ میں حضرت زینبؓ نے اپنا وہ ہار بھیجا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہ نے حضرت زینب کو شادی میں دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ ہار دیکھا تو حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں، آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا۔ اگر تم چاہو تو اس ہار کے بدلے ابوالعاص کو رہا کر دو۔ صحابہ نے اس پر خوشی کا اظہار کیا اور

ابوالعاص کو رہا کر دیا گیا۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان سے وعدہ لیا کہ وہ مکہ پہنچ کر حضرت زینب کو مدینہ بھیج دیں گے۔ ابوالعاص نے مکہ پہنچ کر حضرت زینب کو مدینہ بھیج دیا[۴۹]

قیدیوں میں سہیل بن بیضاء بھی شامل تھے ان کا اسلام پوشیدہ تھا اس لیے قریش اپنے ساتھ ان کو بھی لے آئے تھے۔ ابن مسعودؓ نے ان کے اسلام کی گواہی دی تو یہ رہا کر دیئے گئے[۵۰]

خالد بن ولید کے بھائی ولید بن ولید بھی بدر کے قیدیوں میں شامل تھے۔ کچھ دن قید رہے پھر ان کے بھائی خالد بن ولید اور ہشام بن ولید نے مدینہ آ کر ان کا فدیہ دیا اور انہیں لے کر مکہ چلے گئے۔ مکہ پہنچ کر ولید بن ولید وہاں سے بھاگ کر واپس مدینہ پہنچے اور اسلام قبول کر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دریافت کرنے پر ولیدؓ نے کہا کہ مجھے یہ بات ناگوار گزری کہ فدیہ ادا کیے بغیر مسلمان ہو جاؤں۔ اس لیے فدیہ دینے کے بعد مسلمان ہوا ہوں[۵۱]

بنی مالک کے عبدالعزیٰ بن مشنو مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلامی نام عبدالرحمٰن مقرر ہوا[۵۲]

بدر کے قیدیوں میں حضرت عباسؓ بھی شامل تھے جو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا تھے اور کفار کی طرف سے لڑنے کے لیے آئے تھے۔ فدیہ کے متعلق انہوں نے ناداری ظاہر کی تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا آپ نے اپنی بیوی ام الفضل کو کچھ سونا دیا تھا۔ اس پر حضرت ابن عباس نے کہا کہ آپ یقیناً خدا کے سچے رسول ہیں۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور کہنے لگے کہ اس بات کا علم میرے اور میری بیوی کے علاوہ کسی کو نہ تھا[۵۳]

عمیر بن وہب جو بظاہر اپنے بیٹے وہب بن عمیر کا فدیہ دینے آیا تھا مسلمان ہو گیا[۵۴]

جنگِ بدر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک یہ ہے

کہ عکاشہ بن محصن الاسدی جنگ میں تلوار لیے لڑ رہے تھے کہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کی ایک ٹہنی انہیں عطا کی اور فرمایا اس سے جنگ کرو۔ وہ ٹہنی سفید تلوار بن گئی۔ اس تلوار کا نام عون تھا ۵۵

حواشی

۱۔۔۔ ابن ہشام۔ سیرت النبی کاملؐ۔ جلد اول۔ ص ۶۰۷ / عہد نبویؐ کے غزوات وسرایا۔ ص ۴۴۔

ہیکل لکھتے ہیں کہ ۸ رمضان ۲ھ کو مدینہ سے روانہ ہوئے۔ (حیات محمدؐ۔ ص ۳۱۱)

۲۔۔۔ حکیم رحمان علی۔ المشاہد۔ ص ۹۔ مطبع نامی منشی نول کشور لکھنؤ ۱۹۰۷ء / انوار محمدیہ (جو مواہب اللدنیہ کی تلخیص و ترجمہ ہے) میں بھی لکھا ہے کہ ۱۲ رمضان کو ہفتہ کے دن مدینہ سے مسلمان روانہ ہوئے (انوار محمدیہؐ۔ ص ۸۸)

۳۔۔۔ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۵۷ (مضمون سیرت نبویؐ توقیت کی روشنی میں۔ از مولوی اسحاق النبی علوی)

فوق بلگرامی لکھتے ہیں کہ جنگ ۱۶ رمضان کو ہوئی (اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۸۹)

سیرت محمدیہ میں لکھا ہے کہ جنگ بدر کا قتال ۱۷ رمضان المبارک دوشنبہ کے دن ہوا۔ (سیرت محمدیہ۔ جلد اول۔ ص ۳۱۴)

۴۔۔۔ جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خبر ملی کہ وہ ابو سفیان کی قیادت میں بہت زیادہ مال تجارت کے ساتھ شام سے واپس مکہ لوٹ رہا ہے تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ یہ قریش کا قافلہ ہے جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے اموال پر ناجائز قبضہ کر لیا

ہے۔ چلو شاید اللہ تعالیٰ تم کو اس کا بدلہ دے۔" (حیات رسالتمآبؐ۔ ص ۱۴۴ / الرحیق المختوم۔ ص ۳۴۳ - ۳۴۵ / سیرت رسول عربیؐ۔ ص ۱۳۷ - ۱۴۰ / مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۴۱ / مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۳۳۸، ۳۳۹ / رسالتمآبؐ ص ۱۴۷، ۱۴۸ / غزوات نبویؐ۔ ص ۱۷)

۵۔۔۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان بدر میں مقتولان قریش کے قتل گاہیں مسلمانوں کو دکھا دیں (الرحیق المختوم۔ ص ۳۴۹ / سیرت رسول عربی ص ۱۴۴ / اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۷۹ - ۳۸۱)

۶۔۔۔ انوار محمدیہ۔ ص ۸۸، ۸۹ / حیات رسالتمآبؐ۔ ص ۲۱۵، ۲۱۶ / الوفا۔ ص ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷ / سیرت النبیؐ کامل۔ جلد اول۔ ص ۷۸، ۷۹ / ڈاکٹر نوید اقبال۔ عہد نبویؐ کے غزوات وسرایا۔ ص ۵۹ - ۶۱ / واقدی۔ مغازی الرسولؐ۔ ص ۳۳، ۳۴ / مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۴۳، ۱۴۴ / سیرۃ النبیؐ۔ جلد اول۔ ص ۱۹۵ / شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہ۔ ص ۳۱۷ - ۳۱۹۔

۷ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ضمضم کی آمد سے تین رات قبل خواب دیکھا جس نے ان کو سخت گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا۔ انہوں نے اس کا تذکرہ حضرت عباس سے کیا اور ساتھ ہی کہا کہ مجھے اس خواب کی رو سے تمہاری قوم میں شر اور فساد کے رونما ہونے کا اندیشہ ہے۔ میں نے خواب یہ دیکھا کہ ایک اونٹ سوار آکر وادی ابطح میں ٹھہرا ہے اور اس نے بلند آواز کے ساتھ پکار کر کہا ہے۔ اے آل غدر تین دن کے اندر اپنے مقتل اور جائے ہلاکت کی طرف دوڑتے ہوئے نکلو۔ تو لوگ اس کی آواز پر جمع ہو گئے۔ پھر وہ سوار مسجد میں داخل ہو گیا اور لوگ اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ پھر اس کا اونٹ اسے لے کر کعبہ پر چڑھ گیا اور وہاں بھی یہی اعلان کیا۔ اے آل غدر۔ تین دن کے اندر اپنے مقام ہلاکت کی طرف دوڑتے ہوئے نکلو۔ پھر اس کا اونٹ اسے لے کر کوہ قبیس پر چڑھا اور وہاں بھی یہی

اعلان کیا۔ پھر اس نے ایک پتھر اٹھا کر نیچے لڑھکا دیا۔ وہ نیچے لڑھکنے لگا حتیٰ کہ جب پہاڑ کے دامن میں پہنچنے والا تھا تو وہ زور سے پھٹ پڑا اور مکہ کے گھروں اور مکانوں میں سے کوئی مکان اور گھر ایسا نہ رہا جس میں اس کا ٹکڑا نہ گرا ہو۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خواب سن کر فرمایا۔ واقعی یہ بہت ڈراؤنا اور بھیانک خواب ہے۔ اس کو چھپائے رکھو اور عام لوگوں کو بیان نہ کرو۔ اجب پھرتے پھرتے یہ خبر پھیل گئی اور ابوجہل کو خبر ہو گئی۔ ابوجہل نے حضرت عباس رض سے کہا۔ کیا تم اس پر خوش نہیں ہوتے تھے کہ تمہارے مردوں نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اب عورتیں بھی نبی بننے لگی ہیں۔ پھر اس نے کہا اگر تین دن گزر گئے اور کوئی واقعہ رونما نہ ہوا تو ہم تمہارے متعلق مشہور کر دیں گے کہ تمہارا گھرانا اہلِ عرب میں (نعوذ باللہ) سب سے جھوٹا گھرانا ہے۔ تیسرے دن ضمضم روتا پیٹتا آ گیا کہ ابوسفیان نے مجھے بھیجا ہے کہ مسلمانوں کا ارادہ قافلہ پر حملہ کا ہے۔ (الوفا۔ ص ۴، ۵۰۷/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۴۶/ سیرت النبی کامل۔ جلد اوّل۔ ص ۱۰۷، ۱۰۲/ واقدی۔ مغازی الرسول۔ ص ۱۷-۱۹/ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اول۔ ص ۱۳۵ - ۱۳۸۔

۸ —— مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۲۴۷/ شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہ۔ ص ۳۱۴، ۳۱۵

۹ —— الرحیق المختوم۔ ص ۳۴۰۔

۱۰ —— قریباً ایک ہزار افراد تھے اور چھ سو زرہ پوش تھے اور ان کے ساتھ سات سو گھوڑے تھے ان پر بھی سو زرہ پوش تھے۔ پیدل زرہ پوش ان کے علاوہ تھے اور سات سو اونٹ بھی تھے اور گانے والیاں بھی تھیں۔ غرض کفار کا یہ لشکر بہت اکڑ اور تکبر میں تھا۔ انہیں اپنی کثیر تعداد اور کثرتِ اسلحہ پر فخر تھا (شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہ۔ ص ۳۱۵۔

۱۱ —— کفار کی یہ فوج مکہ سے پوری شان و شوکت کے ساتھ روانہ ہوئی۔ مکہ سے چلتے ہوئے ان کے سرداروں نے کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعا کی۔ اے اللہ جو حق پر ہو اور ان دونوں میں سے جو بہتر ہے اسے کامیاب کر۔ ابوجہل کی دعا کے خاص الفاظ یہ تھے " جو برسرِ حق ہو، اسے فتح دے اور جو ظالم ہو، اسے رسوا کر " اللہ تعالیٰ نے قریش کی دعاؤں کو قبول کر کے یہ بتلا دیا کہ مسلمان حق پر ہیں اور ان کو ستانے والے غلط راستے پر۔ اور مسلمانوں کو فتح دے کر، قریش کو رسوا کر کے یہ بھی بتا دیا کہ دونوں جماعتوں میں بہتر جماعت کون سی ہے (ڈاکٹر رؤفہ اقبال۔ عہدِ نبویؐ کے غزوات و سرایا۔ ص ۵۶، ۵۷)

۱۲ —— المشاہد۔ ص ۱۰، ۱۱/ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۸۸۔

۱۳ —— انوارِ محمدیہ۔ ص ۸۸/ المشاہد۔ ص ۱۰/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۳۱۲/ مغازی الرسول ص ۱۳/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۴/ سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اول۔ ص ۳۱۳

۱۴ —— سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۳۲/ غزواتِ نبویؐ۔ ص ۱۸/ سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اول۔ ص ۳۱۳۔

شیخ محمد رضا لکھتے ہیں کہ ابو امامہ بن ثعلبہ انصاری رض بدر کی طرف روانگی کے لیے تیار ہو کر آئے تھے لیکن ان کی والدہ بیمار تھیں اس لیے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انہیں اپنی والدہ کے پاس ٹھہرنے کا حکم دیا (شیخ محمد رضا محمد رسول اللہ۔ ص ۳۱۶)

۱۵ —— حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رض بن عبد المنذر کو راستے ہی میں مدینہ کا حاکم بنا کر واپس کر دیا تھا (حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۱۶)

۱۶ —— شیخ محمد رضا ابنِ ام مکتوم رض کے بارے میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کی جگہ حضرت ابولبابہ رض کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا اور حضرت ابن ام مکتوم رض کو مدینہ میں لوگوں کو نماز پڑھانے پر مامور فرمایا تھا۔ (شیخ محمد رضا محمد رسول اللہ۔ ص ۳۱۷)

۱۷ —— کتاب " سیرتِ رسولِ عربیؐ " اور " غزواتِ نبویؐ " میں لکھا ہے کہ عاصم بن عدی العجلانی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کی بالائی آبادی

پڑھا کم بڑا یا تھا (سیرتِ رسول عربیؐ. ص ۱۳۲/ غزواتِ نبوی. ص ۱۸)

۱۸ ـــــ جنگِ بدر میں صحابہؓ کی تعداد کے بارے میں عروہ بن زبیرؓ لکھتے ہیں کہ مدینہ سے روانگی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ۳۱۶ یا ۳۱۳ صحابہ تھے۔ اور تفصیل کے ساتھ تمام صحابہ رضؓ کے نام لکھے ہیں (مغازی رسول اللہ. ص ۱۶۱ ـ ۱۶۹۔ اس کتاب کے علاوہ سیرت النبیؐ کامل (۸۰۹ ـ ۸۱۵) اور مختصر سیرتِ الرسولؐ. (ص ۳۶۲ ـ ۳۷۰) میں نہایت تفصیل کے ساتھ شرکائے بدر کے اسمائے گرامی کا ذکر ہے۔ اتنی تفصیل عام کتابوں میں نہیں ملتی۔

شبلی تین سو تیرہ صحابہؓ میں سے ساٹھ مہاجر اور باقی انصار بتاتے ہیں (سیرۃ النبی. جلد اوّل. ص ۱۹۶)

راجا محمد شریف لکھتے ہیں کہ ان تین سو تیرہ مجاہدین میں تراسی مہاجرین اور ایک سو اکیاون انصار اور اُناسی متعلقینِ انصار تھے۔ بعض مورخین نے مہاجرین کی تعداد ستر لکھی ہے (حیاتِ رسالتمآبؐ. ص ۲۱۶)

"سیرتِ رسولِ عربیؐ" میں لکھا ہے کہ اسلامی لشکر میں تین سو آٹھ مجاہدین شامل تھے جن میں سے مہاجرین کچھ ساٹھ سے اوپر اور باقی سب انصار تھے۔ (سیرتِ رسولِ عربی. ص ۱۳۲/ غزواتِ نبویؐ. ص ۱۸)

۱۹ ـــــ المشاہد. ص ۱۰/ رسالتمآبؐ. ص ۱۴۵/ عروہ بن زبیر. مغازی رسول اللہؐ ص ۱۶۹، ۱۷۰۔

۲۰ ـــــ کچھ کتابوں میں اس بات کا ذکر ہے کہ جنگِ بدر میں مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک حضرت زبیرؓ اور دوسرا حضرت مقدادؓ کے پاس (الرحیق المختوم. ص ۳۳۱/ سیرتِ رسولِ عربیؐ. ص ۱۳۲/ مختصر سیرۃ الرسولؐ ص ۳۳۷)

شیخ محمد رضا لکھتے ہیں کہ دو گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا حضرت مقداد

بن عمرو اور دوسرا مرثد بن ابی غنویؓ کا تھا۔ (شیخ محمد رضا. محمد رسول اللہ. ص ۳۱۷)

کچھ کتابوں میں ہے کہ ایک مقداد کے پاس اور دوسرا حضرت زبیر بن عوام یا ابی مرثد کے پاس تھا۔ (اسوۃ الرسولؐ. جلد دوم. ص ۳۵۸/ رسالتمآبؐ. ص ۱۴۵)

"انوارِ محمدیہ" میں ہے کہ تین گھوڑے لشکرِ اسلام میں تھے اور وہ مقداد، زبیرؓ اور مرثد کے پاس تھے (انوارِ محمدیہ. ص ۸۸)

ابنِ ہشام لکھتے ہیں "مجھ سے بعض اہلِ علم نے بیان کیا ہے کہ بدر کے روز مسلمانوں کے ساتھ گھوڑوں میں مرثد بن ابی الغنوری کا گھوڑا بھی تھا جس کا نام "السبل" تھا۔ المقداد بن عمرو البرانی کا گھوڑا بھی تھا جس کا نام "بعزجہ" تھا اور بعض نے کہا ہے کہ "سبجہ" تھا۔ الزبیر بن العوام کا گھوڑا بھی تھا جس کا نام "الیعسوب" تھا۔ (سیرت النبی کامل. جلد اول. ص ۶۷۷)

۲۱ ـــــ واقدی لکھتے ہیں کہ لشکرِ اسلام میں چالیس اونٹ تھے اور ایک ایک اونٹ پر دو یا دو سے زیادہ آدمی اپنی باری پر چڑھتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک اونٹ پر حضرت علیؓ، مرثدؓ یا مرثد کے بجائے زید بن حارثہ ایک اونٹ پر سوار ہوتے۔ ایک اور اونٹ پر حضرت حمزہ، ابوکبشہ و انسہؓ کے علاوہ حضرت زید بھی سوار تھے۔ یہاں واقدی اونٹوں کے بارے میں سب سے زیادہ تفصیل دیتے ہیں کہ کس اونٹ پر کون کون سوار تھا۔ اور اس اونٹ کا مالک کون تھا۔ یہ تفصیل کسی اور کتاب میں نہیں دیکھی گئی (مغازی الرسولؐ. ص ۱۳، ۱۴)

۲۲ ـــــ مدارج النبوت. جلد دوم. ص ۱۴۰، ۱۴۱۔

۲۳ ـــــ قریش کی طرف سے عمیر بن وہب جمحی نے مسلمان لشکر کا جائزہ لیا تو کفار کو لڑائی سے باز رکھنے کی کوشش کی اور کہا کہ وہ تین سو سے کم یا کچھ زیادہ ہیں اور ان کے پاس سوائے اپنی حفاظت کی تلواروں کے کچھ بھی نہیں۔ ان پر خون

سوار ہے اس لیے میرا اندازہ ہے کہ جتنے ان کے آدمی قتل ہوں گے وہ بھی اس جتنے تو ضرور قتل کر لیں گے۔ اور اگر انہوں نے اپنے جتنے تمہارے آدمی مار دیئے تو تمہارے پاس کچھ نہ بچے گا تم سوچ لو۔ یہ سن کر حکیم بن حزام (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) اور عتبہ بن ربیعہ نے اس بات سے اتفاق کیا بلکہ عتبہ نے لوگوں میں کھڑے ہو کر خطبہ بھی دیا کہ واپس چلنا چاہیے مگر ابو جہل پہ موت سوار تھی۔ اس نے جانے سے انکار کیا۔ (مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۲۴۳، ۲۴۴)

۲۴—— حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۱۸/ شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہ۔ ص ۳۲۰/ سیرت النبی کامل۔ جلد اوّل۔ ص ۱۴۷، ۱۵۷/ مغازی الرسولؐ۔ ص ۳۸/ رسالتمآبؐ ص ۱۴۹، ۱۵۰۔

۲۵—— بدر ایک کنواں کا نام ہے۔ یہ کنواں گول چاند کی طرح بنا ہوا ہے اور یہ کہ اس کنویں کا دائرہ وسیع اور پانی بہت صاف ستھرا تھا۔ اس میں پورا چاند دکھائی دیتا تھا۔ اس لیے وہ بدر کے نام سے مشہور ہوا۔ (المشاہد۔ ص ۸)

بدر ایک بستی کا نام ہے جو بدر بن مخلد بن نضر بن کنانہ سے منسوب و مشہور ہے اس نے اس جگہ پر پڑاؤ کیا تھا یا یہ بستی بدر بن حارث سے منسوب ہے جس نے یہاں کنواں کھودا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہاں ایک بوڑھا شخص مدتوں سے رہتا تھا جس کا نام بدر تھا۔ اس بنا پہ اس بستی کو اسی کے نام سے منسوب کر دیا۔ یا اس کا نام اس بنا پہ ہے کہ اس کا دائرہ وسیع تھا اور اس کا پانی اتنا صاف و شفاف تھا کہ اس میں بدرِ کامل نظر آتا تھا (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۳۹/ سیرت محمدیہ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۱۲)

شبلی کہتے ہیں کہ بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں سال کے سال میلہ لگتا ہے۔ یہ مقام اسی نقطہ کے قریب ہے جہاں شام ہے۔ مدینے جانے کا راستہ دشوار گزار گھاٹیوں میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ مدینہ منورہ سے قریباً اسّی میل

کے فاصلہ پہ۔ (شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۹۵)

۲۶—— الرحیق المختوم۔ ص ۳۴۸/ سیرتِ رسول عربی۔ ص ۱۴۲، ۱۴۳/ مختصر سیرۃ الرسولؐ ص ۲۴۱، ۲۴۲/ رسالتمآب۔ ص ۱۵۰/ غزواتِ نبوی۔ ص ۱۹/ اسوۃ الرسولؐ جلد دوم۔ ص ۳۷۶، ۳۸۰/ ڈاکٹر رؤفہ اقبال۔ عہدِ نبویؐ کے غزوات و سرایا۔ ص ۶۷/ شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہ۔ ص ۳۲۱/ سیرتِ محمدیہ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۱۶/ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۹۶۔

۲۷—— حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۱۸

۲۸—— المشاہد۔ ص ۱۱۔

۲۹—— حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ بدر کے دن لشکرِ اسلام کی تین قسم کی جماعتیں تھیں۔ ایک جنگ کرنے والی، ایک سامان اٹھانے والی۔ ایک حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گرد پہرہ دینے والی۔ ان تینوں کو مالِ غنیمت میں حصہ برابر دیا گیا" (رسالتمآبؐ۔ ص ۱۵۷)

۳۰—— انوارِ محمدیہ۔ ص ۹۰، ۹۱/ حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۱۸/ الرحیق المختوم۔ ص ۳۵۶، ۳۵۷/ سیرتِ رسول عربیؐ۔ ص ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۵۱، ۱۵۲/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۳۴۳، ۳۴۷/ رسالتمآب۔ ص ۱۵۱، ۱۵۴/ غزواتِ نبویؐ۔ ص ۱۹، ۲۰/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۳۹۳/ الوفا۔ ص ۷۷، ۸۰/ عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا۔ ص ۷۷، ۸۴/ شیخ محمد رضا۔ ص ۳۲۴، ۳۲۷/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۵۲، ۱۵۳/ سیرت النبی کامل جلد اوّل۔ ص ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۳۔

۳۱—— "انوارِ محمدیہ" میں ہے کہ مہاجرین کے چودہ اور انصار کے آٹھ صحابہ شہید ہوئے تھے (انوارِ محمدیہ۔ ص ۹۳)

۳۲—— الرحیق المختوم۔ ص ۳۶۸/ رسالتمآب۔ ص ۱۵۵/ غزواتِ نبوی۔ ص ۲۴/ اسوۃ الرسول۔ جلد دوم۔ ص ۴۱۲/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۶۳/ سیرتِ

محمدیہؐ، جلد اول۔ ص ۲۳۷، ۲۳۲/ سیرۃ النبی، جلد اوّل۔ ص ۲۰۲/ حیاتِ محمد، ص ۳۲۸/ المشاہد۔ ص ۱۲/ سیرتِ رسولِ عربی۔ ص ۱۵۶/ حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۲۲۔

راجا محمد شریف لکھتے ہیں کہ ان چودہ شہداء میں سے پانچ مہاجرین اور نو انصار ہیں۔ بعض مؤرخین نے حضرت صفوان بن بیضا کو بھی شہدائے بدر میں شمار کیا ہے لیکن یہاں مؤلف ''رحمۃ للعالمین'' کی تحقیق کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ (حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۲۴۔ حاشیہ) راجا محمد شریف مہاجرین میں حضرت مہجع بن صالحؓ، حضرت علبیدہ بن حارث بن مطلب، حضرت عمیر بن ابو وقاص، حضرت عاقل بن عبد یالیل، حضرت عمیر بن عبد عمیر نقلہ اور انصار میں حضرت عوف یا عوذ بن عفراء، حضرت معوذ بن عفراء، حضرت حارث (یا حارثہ) بن سراقہ، حضرت یزید بن حارث (یا حرث)، حضرت رافع بن معلّی بن لوذان، حضرت عمیر بن حمام بن جموح بن زید بن حرام، حضرت عمارہ بن زیاد بن سکن بن رافع، حضرت سعد بن خیثمہ الانصاری، حضرت مبشر بن عبد المنذر بن زبیر شامل ہیں۔ (حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۲۴ — ۲۲۵)

۳۳ —— جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام لشکر کا جائزہ لیا تو کم عمر صحابہ کو مدینہ واپس جانے کا حکم دیا، ان کم عمر صحابہ میں عبد اللہ بن عمر فاروقؓ، اسامہ بن زید، رافع بن خدیج، اسید بن حضیر، زید بن ارقم، زید بن ثابتؓ براء بن عازب وغیرہ شامل تھے (المشاہد۔ ص ۹)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق سب کم عمر صحابہ واپس چلے گئے مگر عمیرؓ بن ابی وقاص جو سعد بن ابی وقاص کے چھوٹے بھائی تھے، ادھر اُدھر چھپنے لگے۔ سعد بن ابی وقاص کے دریافت کرنے پر عمیر کہنے لگے کہ مجھے شہید ہونے کا بہت شوق ہے اس لیے میں جنگ لڑنا چاہتا ہوں۔ یہ معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضرت عمیر رونے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جذبۂ شہادت کو دیکھ کر انہیں

جنگ میں حصہ لینے کی اجازت دے دی۔ (المشاہد۔ ص ۹، ۱۰/ سیرتِ رسولِ عربی۔ ص ۱۳۱/ غزواتِ نبویؐ۔ ص ۱۷، ۱۸/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم، ص ۲۸۲/ عہدِ نبویؐ کے غزوات و سرایا۔ ص ۴۵/ واقدی، مغازی الرسولؐ۔ ص ۱۱)

''سیرتِ رسولِ عربیؐ'' میں ان کم عمر صحابہ کرام میں انس بن مالک کا نام بھی شامل ہے (سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۳۱) ''رسالتمآبؐ'' میں صرف عبد اللہ بن عمر، زید بن ثابت، براء بن عازب کا ذکر ہے (رسالتمآبؐ۔ ص ۱۴۵) شیخ محمد رضا عبد اللہ بن عمر کا ذکر نہیں کرتے مگر عمیر بن ابی وقاص کی اجازت ملنے کا ذکر کرتے ہیں (محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۲۱۶)

۳۴ —— حارثہ بن سراقہ کی والدہ کا نام ربیع النضر ہے یہ حضرت انس بن مالک بن النضر کی پھوپھی تھیں۔ حضرت حارثہ جنگ بدر کا تماشا دیکھنے گئے تھے کہ حبان بن العرقہ نے انہیں شہید کر دیا۔ ان کی والدہ کے بارے میں ہے کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ حارثہ بن سراقہ شہید کر دیئے گئے تو کہنے لگی کہ میرا دل رونے کو چاہ رہا ہے مگر پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں کہ جنت میں رہیں کہ جہنم میں ہیں۔ اگر جنت میں ہوئے تو نہ روؤں گی اور اگر جہنم میں گئے تو روؤں گی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے مدینہ تشریف لائے تو حضرت حارثہ کی والدہ نے اپنے بیٹے کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ جنت میں ہیں یا نہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ حارثہ جنت میں ہے۔ اس پر حضرت حارثہ کی والدہ نہ روئیں۔ (المشاہد۔ ص ۱۷، ۱۸/ مغازی الرسولؐ ص ۷۰)

۳۵ —— حضرت عوف بن حارث نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم خدا اپنے بندے کی کس بات سے کب مسکراتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بندہ بغیر حفاظتی ہتھیار لیے دشمن سے لڑے۔ یہ سن کر حضرت عوف نے زرہ اتار پھینکی اور دشمن سے لڑتے

لڑتے شہید ہوگئے ۔ (الرحیق المختوم ۔ص ۳۵۸)

۳۶ ــــ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ جنگ بدر کے روز صفوں میں تھا کہ دو نوعمر جوان میرے پاس آئے ۔ ایک نے چپکے سے مجھ سے معلوم کیا کہ چچا جان! مجھے ابوجہل دکھلا دیں ۔ میرے دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ میں اس کو قتل کرنا چاہتا ہوں اس لیے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخیاں کرتا ہے اتنے میں دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے یہی بات کہی ۔ اس بات کے چند لمحوں کے بعد میں نے دیکھا کہ ابوجہل لوگوں کے درمیان چکر کاٹ رہا ہے ۔ میں نے ان نوجوانوں سے کہا کہ تمہارا شکار وہ ہے اس پر دونوں تڑپ کر بھاگے [?] اور اسے مار کر قتل کر دیا ۔ یہ دونوں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ تم میں سے کس نے ابوجہل کو مارا ہے دونوں نے کہا کہ میں نے مارا ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کی تلواروں کا جائزہ لیا اور فیصلہ دے دیا کہ تم دونوں نے ہی قتل کیا ہے ۔ ابن اسحاق کے بیان کے مطابق حضرت معوذ بن عفراء ابوجہل کو قتل کرنے کے بعد خود بھی لڑتے لڑتے شہید ہوگئے ۔ الرحیق المختوم ۔ص ۳۶۱، ۳۶۲/ مختصر سیرۃ الرسولؐ ۔ص ۳۴۸، ۳۴۹ / الوفا ۔ص ۷۰۸، ۷۰۹/ عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا ۔ص ۸۶، ۸۷/ مدارج النبوت ۔جلد دوم ۔ص ۱۴۹، ۱۵۰/ مغازی الرسولؐ ۔ص ۶۶/ سیرت النبی کامل ۔جلد دوم ۔ص ۷۲۹، ۷۳۰ ۔

"مدارج النبوت" میں لکھا ہے کہ معوذ تو جنگ بدر میں شہید ہوگئے اور معاذؓ حضرت عثمانؓ کے زمانے تک زندہ رہے ۔ حضرت معاذؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنا لٹکتا ہوا بازو لے کر آئے ۔ بازو صرف کھال کی وجہ سے لٹکا ہوا تھا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب دہن مبارک اس پر لگا کر اس کی جگہ چسپاں کر دیا تو ہاتھ ٹھیک ہو گیا ۔ (مدارج النبوت جلد دوم ۔ص ۱۵۰/ انوار محمدیہ ۔ص ۹۱، ۹۲)

۳۷ ــــ المشاہد ۔ص ۱۲ - ۱۹ ۔

۳۸ ــــ رسالتمآبؐ ۔ص ۱۵۶ ۔

۳۹ ــــ الوفا ۔ص ۷۰۸/ رسالتمآبؐ ۔ص ۱۵۵/ عہد نبوی کے غزوات وسرایا ۔ص ۸۶/ مدارج النبوت ۔جلد دوم ۔ص ۱۶۳/ سیرت محمدیہ ۔جلد اول ۔ص ۳۳۸/ سیرۃ النبی ۔جلد اول ۔ص ۲۰۲/ سیرت رسول عربیؐ ۔ص ۱۵۶/ حیات رسالتمآبؐ ص ۲۲۲/ اسوۃ الرسولؐ ۔جلد دوم ۔ص ۴۰۶ ۔

المشاہد (ص ۲۲ - ۲۴) اور سیرت النبی کامل ۔جلد اول (ص ۸۱۶ - ۸۲۴) میں نہایت تفصیل کے ساتھ مقتولان قریش کا ذکر کیا گیا ہے ۔

۴۰ ــــ اسوۃ الرسولؐ جلد دوم ۔ص ۴۰۶ ۔

۴۱ ــــ ستّر کفار گرفتار ہوئے ۔ (سیرت رسول عربی ۔ص ۱۵۶/ رسالتمآبؐ ۔ص ۱۵۵/ الوفا ۔ص ۷۰۸/ حیاتِ رسالتمآبؐ ۔ص ۲۲۲/ عہد نبوی کے غزوات وسرایا ۔ص ۸۶/ مدارج النبوت ۔جلد دوم ۔ص ۱۶۳)

فوق بلگرامی لکھتے ہیں کہ مقیدین کی تعداد تینتالیس تھی ۔ (اسوۃ الرسول جلد دوم ۔ص ۴۱۲)

اسیران بدر کے بارے میں حکیم رحمان علی (الم بدر [?] ۔ص ۲۹ - ۳۴ میں) اور ابن ہشام (سیرت النبیؐ کامل حصہ اول ۔ص ۸۲۴ - ۸۲۸) میں زیادہ تفصیلات سے کرتے ہیں ۔

۴۲ ــــ سیرتِ رسول عربیؐ ۔ص ۱۵۸/ مختصر سیرۃ الرسولؐ ۔ص ۳۵۵، ۳۵۶/ غزواتِ نبوی ۔ص ۲۵/ اسوۃ الرسولؐ جلد دوم ۔ص ۴۱۴/ سیرت النبیؐ کامل ۔جلد اول ۔ص ۸۴۳ ۔

۴۳ ــــ مصطفیٰ خان بی اے ۔غزوات نبویؐ ۔ص ۲۵/ اسوۃ الرسولؐ ۔جلد دوم ۔ص ۴۱۴/ سیرت النبی ۔جلد اول ۔ص ۲۰۳ ۔

۴۴ ــــ جن کو مفلسی کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ۔ ان میں سائب بن عبید اور عبید

بن عمرو، صیفی بن ابی رفاعہ، مطلب بن حیطب ہیں (المشاہد۔ ص ۲۹، ۳۱)
جن قیدیوں پر آپ نے احسان فرما کر چھوڑ دیا تھا ان میں صرف مطلب بن حیطب، صیفی بن ابی رفاعہ اور ابو عزہ بھی ہیں۔ (الرحیق المختوم ص ۳۷۸/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۳۵۹)

شاعر ابو عزہ جو جنگ بدر کے قیدیوں میں شامل تھا اس کا واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام کے خلاف شعر کہتا تھا اس نے اپنے فدیہ کے بارے میں حضور صلی اللہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کہ میں مفلس اور تنگ دست ہوں۔ میری پانچ لڑکیاں ہیں اگر آپ مجھے آزاد فرما دیں تو میں ان لڑکیوں کی پرورش کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان تا زیست فراموش نہ کروں گا اور آئندہ کبھی اسلامی لڑائیوں کے مقابلے میں نہ آؤں گا اور نہ مسلمانوں کے خلاف کسی کو کہوں گا۔
آپ کو اس پر رحم آگیا اور اس کو بغیر فدیہ چھوڑ دیا مگر وہ اپنے وعدے کے خلاف جنگ احد میں شریک ہوا اور مارا گیا۔ (المشاہد ص ۲۷/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۳۵۹/ رسالتمآب۔ ص ۱۴۰/ اسوۃ الرسولؐ جلد دوم ص ۴۱۵/ سیرۃ النبی کامل۔ جلد اول۔ ص ۳۶۰/ شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہ ص ۲۴۱)

۴۵۔۔۔ اسیران بدر سے زید بن ثابت نے لکھنا سیکھا تھا۔ (سیرت رسول عربیؐ۔ ص ۱۵۹/ سیرۃ النبی۔ جلد اوّل۔ ص ۲۰۴۔

۴۶۔۔۔ رسالتمآبؐ۔ ص ۱۶۰۔

۴۷۔۔۔ المشاہد۔ ص ۳۰۔

۴۸۔۔۔ ابو العاص بہت بڑے تاجر تھے۔ جنگ بدر کے چند سال بعد بڑے سر و سامان سے شام کی تجارت کے لیے نکلے لیکن واپسی پر مسلمان دستوں نے آپ کو گرفتار کر لیا۔ مال و اسباب تو سپاہیوں میں تقسیم ہو گیا مگر وہ خود کسی طرح چھپ کر اپنی زوجہ حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے وہ اس وقت مدینہ میں تھیں۔ جب یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر مناسب

سمجھو تو ابو العاص کو مال و اسباب واپس کر دو۔ سب نے تسلیم کی گردنیں جھکا دیں اور سب مال ابو العاص کو واپس کر دیا۔ اس حسن سلوک سے ابو العاص متاثر ہو گئے اور فوراً مکہ پہنچے اور لوگوں سے اپنا حساب کتاب صاف کیا اور پھر واپس مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا۔ (غزوات نبویؐ۔ ص ۲۷/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۴۱۹، ۴۲۰/ سیرت النبی کامل۔ جلد اوّل۔ ص ۵۰، ۵۱/ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اول۔ ص ۲۰۴، ۲۰۵/ حیات محمدؐ۔ ص ۳۳۵)

حضرت ابو العاص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن سلوک سے بے حد متاثر ہونے کے بعد جب مکہ واپس گئے اور قریش سے حساب کتاب کے بعد علی الاعلان قریش سے کہنے لگے میں اب کی بار مدینہ سے مکہ میں خاص کر اسی لیے آیا تھا کہ تمہارے حساب کتاب تمہیں سمجھا دوں اور تمہارے مطالبات صاف کر دوں تاکہ تم لوگ یہ نہ کہو کہ ہمارے روپیہ کے تقاضے کے خوف سے ابو العاص مدینہ میں جا کر مسلمان ہو گیا۔ یہ کہہ کر مدینہ میں آئے اور حسب الاقرار مشرف باسلام ہوئے۔ (اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۴۲۰/ سیرت النبی کامل۔ جلد اوّل ص ۵۷، ۵۸/ حیات محمدؐ۔ ص ۳۳۵)

ابو العاص کے قبول اسلام کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینبؓ کو چھ سال بعد ان کی زوجیت میں پہلے ہی نکاح کے لحاظ سے دے دیا اور کسی طرح کی تجدید نہ کی۔ (سیرت النبی کامل۔ ص ۵۹/ شیخ محمد رضا۔ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۲۳۹)

۴۹۔۔۔ المشاہد ص ۲۹/ الرحیق المختوم۔ ص ۳۷۸/ غزوات نبوی۔ ص ۲۶/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۴۱۹/ سیرۃ النبی۔ جلد اوّل۔ ص ۲۰۴/ حیات محمدؐ۔ ص ۳۳۴، ۳۳۵۔

۵۰۔۔۔ المشاہد۔ ص ۳۴۔

۵۱۔۔۔ مغازی الرسولؐ۔ ص ۳۲/ المشاہد۔ ص ۳۱، ۳۲

۵۲ ـــ المشاہد۔ ص ۳۴۔

۵۳ ـــ المشاہد۔ ص ۲۶ / مختصر سیرۃ الرسولؐ ۔ ص ۳۵۶، ۳۵۷ / رسالتمآبؐ ۔ ص ۱۶۰ / اسوۃ الرسولؐ ۔ جلد دوم ۔ ص ۴۱۹ / شیخ محمد رضا۔ محمدؐ رسول اللہ ۔ ص ۳۲۴۔

۵۴ ـــ عمیر بن وہب کے قبول اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جنگ بدر میں عمیر بن وہب اور اس کا بیٹا وہب بن عمیر شریک تھے۔ عمیر بن وہب بہت فتنہ پسند آدمی تھا وہب بن عمیر بدر کے قیدیوں میں پکڑا گیا اور اس کا باپ عمیر بن وہب مکہ بھاگ گیا۔ بھاگے ہوئے مشرک جب مکہ پہنچ گئے تو ایک دن عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ ایک جگہ بیٹھے بدر میں مارے جانے والے کافروں کو یاد کر رہے تھے کہ عمیر بن وہب نے صفوان بن امیہ سے کہا کہ اگر تم میرا قرض ادا کر دو اور میرے اہل وعیال کے اخراجات کے کفیل بن جاؤ تو میں مسلمانوں کے نبی کو (نعوذ باللہ) مار دوں کیونکہ ان کا مارنا مشکل نہیں ہے کہ وہ بازاروں میں تنہا پھرتے رہتے ہیں۔ اس طرح میرا مقصد پورا ہو جائے گا۔ صفوان بن امیہ یہ سن کر خوش ہو گیا اور عمیر بن وہب کے اہل وعیال کے اخراجات اور قرض کی ادائیگی کی حامی بھر لی اور ایک اچھے صحت مند گھوڑے پر سوار کرا کر عمیر کو اس کام کے لیے روانہ کر دیا۔ جب عمیر مدینہ پہنچا اور مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنے کا مدعا پوچھا تو عمیر نے کہا کہ میں اپنے بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ آنے کا مقصد پوچھا اس نے وہی جواب دیا کہ میں بیٹے کے لیے آیا ہوں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے صفوان بن امیہ سے کیا شرط لگائی تھی۔ عمیر نے کہا۔ آپ خود ہی فرما دیں کہ کیا کہا تھا۔ اس پر آپ نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ یہ سن کر عمیر بن وہب حیران پریشان ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ یہ بات میرے اور صفوان کے علاوہ کسی کو معلوم نہ تھی۔ اس لیے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے سیدھی راہ ملی۔

عمیر بن وہب کے قبول اسلام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بیٹے وہب بن عمیر کو بغیر فدیہ کے چھوڑ دیا۔ مکہ میں صفوان کسی خوشی کا انتظار کر رہا تھا مگر عمیر بن وہب مسلمان ہو چکے تھے۔ جب عمیر مکہ آئے تو ایک بڑی جماعت نے ان کی ہدایت پر اسلام قبول کر لیا۔ (المشاہد۔ ص ۳۴ ـ ۳۶ / اسوۃ الرسولؐ ۔ جلد دوم ۔ ص ۴۳۹ ـ ۴۴۱ / سیرت النبی کامل ۔ جلد اول ۔ ص ۶۷۰ ـ ۶۷۳ / سیرۃ النبیؐ ۔ جلد اول ۔ ص ۲۰۵، ۲۰۶ / شیخ محمد رضا۔ محمدؐ رسول اللہ ۔ ص ۳۳۹ ـ ۳۴۱)

۵۵ ـــ انوار محمدیہؐ ۔ ص ۹۱ / الرحیق المختوم ۔ ص ۳۶۷ / مختصر سیرۃ الرسول ۔ ص ۳۵۱ / مدارج النبوت ۔ جلد دوم ۔ ص ۱۵۷ / سیرت النبیؐ کامل ۔ جلد اول ۔ ص ۴۳۱ / مغازی الرسولؐ ۔ ص ۶۹ ۔



سریّہ زیدؓ بن حارثہ رضؓ

سریہ زیدؓ بن حارثہؓ[1] جو بدر کے چھ ماہ بعد ہوا، جدول تقویم میں ربیع الاوّل ۳ھ مکی اور جمادی الآخر مدنی کے مطابق دوشنبہ کو آتا ہے[2]

اس مہم کے متعلق ابن اسحاق کی تشریح یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ بدر سے چھ ماہ بعد کا ہے۔ (یعنی ربیع الاوّل ۳ھ کا) بخلاف اس کے واقدی اور ابن سعد نے اس کو جمادی الاخریٰ کا واقعہ قرار دیا ہے۔ اس واقعے کی تاریخوں پر دو تقویمی کی کارفرمائی محسوس ہوتی ہے چنانچہ جدول تقویم میں ربیع الاوّل ۳ھ مکی، جمادی الاخریٰ مدنی کے مطابق ہے۔ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ موسم سرما کا تھا۔ جدول سے اندازہ ہوتا ہے کہ ربیع الاوّل ۳ھ نومبر دسمبر ۶۲۴ء سے مطابق تھا[3]

حضرت زید بن حارثہؓ کی مقام قرد کی طرف لشکر کشی کا، جو نجد کے چشموں میں سے ایک چشمہ تھا، یہ سبب ہوا کہ قریش جس قدیم راستے سے تجارتی قافلے ملک شام کو لے جایا کرتے تھے، بدر کے واقعات کی وجہ سے انہیں اس راہ میں اندیشے پیدا ہو گئے تھے۔ اس لیے اس مرتبہ وہ عراق کے راستے سے روانہ ہوئے۔ پس ان کے تجار کا قافلہ جن میں ابوسفیان بن حرب، صفیان بن امیہ اور حویطب بن عبدالعزیٰ شامل تھے اور یہ سب بعد کو فتح مکہ کے سال اسلام لائے تھے۔ ان کے ساتھ نگینہ جڑی ہوئی بہت سی انگوٹھیاں تھیں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو سو سوار دے کر ان کی طرف روانہ فرمایا۔ جو چشمہ کے پڑاؤ پر ان سے جا ملے۔ انہیں دیکھتے ہی قافلہ والے فرار ہو گئے۔ اس طرح مال سے لدے ہوئے بہت سے اونٹ حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ہاتھ آ گئے۔ جنہوں نے یہ اونٹ لے جا کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے پیش کر دیئے۔ اس میں سے آپؐ نے اپنا پانچواں حصہ نکالا تو اس پانچویں حصہ کی قیمت بیس ہزار درہم تک پہنچی۔ یہ سریہ ماہ جمادی الآخر ۳ھ (ستمبر ۶۲۴) میں پیش آیا تھا[4]

جنگ بدر کے بعد کفارِ قریش کے دلوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ چکی تھی وہ پہلے شام کے راستے سے اپنے قافلے لے جاتے تھے مگر اب ڈر کی وجہ سے عراق کے راستے سے جانا چاہتے تھے۔ چونکہ راستہ نیا تھا اس لیے انہوں نے فرات بن حیان[5] نامی شخص کو کچھ معاوضہ دے کر ساتھ ملا لیا تاکہ راستہ کی راہنمائی کر سکے۔ اس غزوہ میں وہ پکڑا گیا اور اسلام قبول کر لیا[6]

بعض مورّخ اس سریہ کا باعث یہ لکھتے ہیں کہ ابوسفیان نے دو سو آدمیوں کے ساتھ خفیہ طور پر مدینہ پہنچ کر ایک انصاری کے کھجوروں کے درختوں اور کھیتی میں آگ لگا دی اور انہیں ان کے ساتھیوں سمیت سوتے میں شہید کر کے بھاگ گیا۔ اس حالت میں مسلمان کیونکر خاموش بیٹھ سکتے تھے۔ اسی دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر پہنچی کہ قریش کا ایک قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں بہت سا سامانِ تجارت لے کر نجد کے راستے شام جا رہا ہے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو چند آدمی دے کر اس قافلہ کو روکنے کے لیے بھیجا[7]

حواشی

۱۔۔۔ حضرت زیدؓ اوّل ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ یہ غلاموں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے (نقی احمد خان، مولانا۔ انوارِ جمالِ مصطفیٰ، ص ۱۱۳/ غلامانِ اسلام۔ ص ۱۴۱، ۱۴۲/ غلامانِ محمدؐ۔ ص ۶۶/ سلیمان ندوی، سید۔ رحمتِ عالمؐ۔ ص ۲۸)۔

زیدؓ بن حارثہ کے والدین کے معزز قبیلہ قضاعہ سے تعلق رکھتے
تھے۔ بچپن میں اپنی ماں کے ساتھ اپنے ننھیال جا رہے تھے کہ راستے
میں ڈاکوؤں نے اغوا کر کے عکاظ کی منڈی میں بیچ دیا۔ حکیم بن حزام
نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے لیے انہیں خریدا اور حضرت خدیجہؓ
کو دے دیا۔ اس وقت حضرت زیدؓ کی عمر آٹھ سال تھی۔ حضرت خدیجہؓ
نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کر دیا۔ حضرت زیدؓ اور حضور صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آپس میں بے پناہ محبت تھی۔ جب حضرت زیدؓ کے والد
کو حضرت زیدؓ کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ مکہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم سے حضرت زیدؓ کو لے جانے لگے مگر حضرت زیدؓ حضور صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں دنیا اور اس میں موجود رشتوں کو ہیچ سمجھتے تھے
انہوں نے جانے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
انہیں اپنا بیٹا بنا لیا۔ یہ سفرِ طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ
تھے۔ ام ایمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آیا اور کنیز تھیں اور انہوں
نے آپؐ کو گود میں کھلایا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اپنی ماں
کہتے تھے۔ ہجرت سے چند سال پہلے آپؐ نے فرمایا کہ ام ایمنؓ میری
ماں ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی جنتی عورت سے شادی کرنا چاہے تو ام ایمن
سے شادی کر لے۔ ام ایمنؓ ان دنوں بیوہ ہو چکی تھیں۔ اور صرف ایک بیٹے
ایمنؓ تھے۔ حضرت زیدؓ نے ان سے نکاح کر لیا۔ ام ایمن سے حضرت زیدؓ کے
بیٹے اسامہؓ پیدا ہوئے جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت محبت
کرتے تھے اس لیے اُسامہؓ کا نام "حِبِّ رسول اللہ" پڑ گیا تھا۔ حضور صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی شادی حضرت زینبؓ بنت جحش سے کی جو آپ کی
پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ مگر دونوں کی ناخوشگواری کی وجہ سے طلاق ہو گئی۔ تو

حضرت زینبؓ بنت جحش سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی کر لی اور
انہیں ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت زیدؓ نے بہت سے غزوات اور سرایا میں شرکت کی اور
۸ھ میں غزوۂ موتہ میں شہید ہو گئے۔

حضرت زیدؓ سے آپؐ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ان کی وفات پر حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آپؐ اس
قدر روئے کہ آواز بند ہو گئی۔ (علی اصغر چودھری۔ عہدِ نبوی کے نادر واقعات
ص ۳۰-۳۲/ محمد احمد پانی پتی۔ غلامانِ محمدؐ۔ ص ۶۲-۷۰/ سعید احمد، مولانا
غلامانِ اسلام۔ ص ۴۸-۴۹/ صوفی محمد اکرم رضوی۔ صحابہؓ کا عشقِ رسولؐ۔
ص ۵۷-۵۸/ نقوش۔ رسول نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۲۲۹ (مضمون حضرت زید بن
حارثہؓ)/ محمد شریف، راجا۔ شہدائے عہدِ نبویؐ۔ ص ۲۵۳-۲۹۴

۲ ـــــ نقوش رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۲۔

۳ ـــــ نقوش رسول نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۲/ شہناز کوثر۔ قوسِ قزح۔ ص ۲۴

۴ ـــــ شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۳۶۱/ رسالتمآبؐ۔ حصہ اول و دوم
ص ۱۰/ واقدی۔ مغازی الرسولؐ۔ ص ۱۴۳، ۱۴۴/ پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۲۵۴ـــ
۲۵۶/ رسولِ اکرمؐ کی سیاستِ خارجہ۔ ص ۴۷/ تاریخ مدینہ۔ ص ۸۲/ سلمان
منصور پوری۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۸/ پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ص ۹۳،
۹۴/ محمد شریف، راجا۔ حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۳۷، ۲۳۸/ غلامانِ محمدؐ
ص ۷۰/ الرحیق المختوم۔ ص ۴۰۲-۴۰۴/ رسولِ رحمت۔ ص ۲۹۵/ سیرتِ احمد
مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۸۵-۲۸۸/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۳۳۴/
نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۲۲۸۔

۵ ـــــ سیرت کی کتابوں میں فرات بن حیان کے نام کے بارے میں اختلاف

پایا جاتا ہے۔ مثلاً پروفیسر محمد صدیق قریشی نے قرات بن حیان (رسولِ اکرمؐ کی سیاستِ خارجہ۔ ص ۲۷۴) سلمان منصور پوری نے قرات بن سفیان (رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۸) واقدی نے فرات بن حمان العجل (مغازی الرسولؐ ۱۴۳، ۱۴۴) لکھا ہے۔ کچھ سیرت نگاروں نے صرف فرات بن حیان لکھا ہے (الرحیق المختوم۔ ص ۴۰۳ / رسولِ رحمتؐ۔ ص ۲۹۵ / نقوش۔ جلد ۱۱۔ ص ۴۳۳ / پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۳۵۴) اور کہیں فرات بن حیان العجل ہے (محمود خطاب شیث آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار۔ ص ۱۷۸ بحوالہ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد دوم ص ۲۸۶ / پیغمبرِ عالمؐ ص ۳۵۵) کہیں فرات بن حیان عجلی (حیاتِ رسالتمآبؐ ص ۲۳۸ / غلامانِ محمدؐ۔ ص ۷۰) اور کہیں فرات بن حیان محجلی لکھا ہے (پیغمبر اعظم و آخرؐ۔ ص ۴۹۴)

۶ ـــــ واقدی۔ مغازی الرسولؐ۔ ص ۱۴۴ / رسولِ اکرم کی سیاستِ خارجہ۔ ص ۲۷۴ / سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۸ / حیاتِ رسالتمآبؐ ص ۲۳۸ / محمد احمد پانی پتی۔ غلامانِ محمدؐ۔ ص ۷۰ / الرحیق المختوم۔ ص ۴۰۴ / سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۸۸۔

۷ ـــــ غلامانِ محمدؐ۔ ص ۷۰ / پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۳۵۶۔



نکاح حضرت اُمِّ کلثوم رض

حضرت اُمّ کلثوم رض [1] کا نکاح حضرت عثمان رض [2] سے جدول تقویم کے مطابق ربیع الاول ۳ھ مکی اور جمادی الآخر مدنی کے مطابق دوشنبہ آتا ہے [3]۔

اس واقعے کے متعلق واقدی کی روایت یہ ہے کہ حضرت عثمان رض سے ان کا نکاح ربیع الاول ۳ھ میں ہوا تھا مگر رخصتی جمادی الاخریٰ میں ہوئی۔ جس کی بظاہر کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ گمان غالب یہ ہے کہ واقدی کو اس نکاح کی دو مختلف روائتیں پہنچی تھیں۔ ایک ربیع کی دوسری جمادی کی۔ ان دونوں میں تطبیق کی خاطر انہوں نے نکاح اور رخصتی دونوں رسموں کو علیحدہ علیحدہ مہینے میں قرار دیا [4]۔

حضرت عثمان رض کی پہلی بیوی حضرت رقیہ رض بنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھیں۔ جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جنگِ بدر کے لیے تشریف لے جانے لگے تو وہ سخت بیمار ہوگئیں اور چند ہی دنوں میں ان کی وفات ہوگئی [5]۔

حضرت ام کلثوم رض بھی حضرت خدیجہ رض کے ساتھ ہی ایمان لائیں [6]۔ ہجرت کے وقت اپنی بہن حضرت فاطمہ رض کے ساتھ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دوسری زوجہ حضرت سودہ رض کے ساتھ مکہ میں تھیں۔ بعد میں یہ سب ایک ساتھ مدینہ آئے۔ سنہ ۲ ہجری میں بدر کی لڑائی کی فتح کے دن حضرت رقیہ رض راہی ملکِ عدم ہوئیں تو حضرت عثمان رض بہت مغموم رہنے لگے۔ ایک دن حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اے عثمان رض! تم اس قدر کیوں حزن و ملال میں مبتلا ہو۔ عرض کیا۔ مجھ سے زیادہ بدنصیب کون ہوگا کہ نبی زادی خاک بسر ہوئیں اور خانوادۂ نبوت سے ہمیشہ کے لیے میرا رشتہ ٹوٹ گیا۔ ابھی یہ گفتگو ختم نہیں ہوئی تھی کہ جبریلِ امین علیہ السلام اس حکم کے ساتھ حاضر ہوئے کہ آسمان پر اللہ تعالیٰ نے ام کلثوم رض کا عقد عثمان رض کے ساتھ کر دیا ہے۔ تعمیلِ حکم میں حضرت رقیہ رض

کے مہر کے برابر مہر پر عقد ہوا[۷]۔

صحیح بخاری میں ایک روایت ہے کہ بدر کے معرکہ میں حضرت عمرؓ کے داماد بھی شہید ہوئے۔ حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ نے انہیں اپنی بیٹی حفصہؓ کا پیام دیا۔ حضرت عثمانؓ نے تامل کیا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو معلوم ہوا تو فرمایا میں تم کو عثمانؓ سے بہتر شخص کا پتا دیتا ہوں اور عثمانؓ کے لیے تم سے بہتر فرد ڈھونڈتا ہوں۔ تم اپنی لڑکی کا بیاہ مجھ سے کر دو اور میں اپنی لڑکی کی شادی عثمانؓ سے کرتا ہوں[۸]۔ اسی دن سے حضرت عثمانؓ ذوالنورین (دو نوروں والے) کے لقب سے یاد کیے جانے لگے۔ کیونکہ نورِ رسالت کی دو شمعیں خانۂ عثمانؓ میں فروزاں ہوئیں[۹]۔

حضرت ام کلثومؓ نے شعبان ۹ھ ہجری میں چھ سال حضرت عثمانؓ کے ساتھ گزار کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا[۱۰]۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے نمازِ جنازہ پڑھائی حضرت ام کلثومؓ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی[۱۱]۔ حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) حضرت عثمانؓ کے بیویوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے اس درجہ خوش تھے کہ فرمایا۔ اگر میری دس لڑکیاں[۱۲] بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمانؓ ہی کے رشتۂ ازدواج میں منسلک کرتا[۱۳]۔ حضرت ام کلثومؓ جنت البقیع میں دفن ہوئیں[۱۴]۔

حواشی

۱۔ ان کی کنیت ام کلثومؓ اور بعض کے نزدیک ان کا نام آمنہ ہے۔ حضرت رقیہؓ کی طرح ام کلثومؓ بھی ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ کے نکاح میں تھیں مگر اعلانِ نبوت اور سورۂ لہب کے نزول کے بعد ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل نے رخصتی سے پہلے ہی طلاق دلوا دی تھی۔ حضرت عثمانؓ کی شادی پہلے حضرت رقیہؓ سے ہوئی۔ ان کے انتقال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ام کلثومؓ کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اپنی بیٹی ام کلثوم سے بھی بڑی محبت تھی ان کی وفات کے بعد وہ جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو یاد آتیں تو آنکھیں پُرنم ہو جاتیں۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ام کلثومؓ کی قبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (رہبرِ کامل۔ ص ۷۶)

۲۔ حضرت عثمان بن عفان اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کا یہ عالم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ذوقعدہ ۶ھ میں صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ جب آپ حدیبیہ پہنچے تو قریش پر خوف و ہراس طاری ہوا۔ اس لیے آپؐ نے حضرت عثمان غنیؓ رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا اور ان کو ہدایات دیں کہ تم قریش کو یہ بتانا کہ ہم جنگ کے لیے نہیں عمرہ کی ادائیگی کے لیے آئے ہیں اور ان کو اسلام کی دعوت بھی دینا اور وہ مسلمان مرد و عورت جو مکہ میں ہیں، ان کو فتح کی خوشخبری بھی سنانا حضرت عثمانؓ مکہ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ان سے حضرت ابان بن سعید اموی ملے جو ابھی ایمان نہ لائے تھے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اپنی پناہ و ضمانت دی اور اپنے گھوڑے پر سوار کر کے ان کو مکہ مکرمہ لائے۔ حضرت عثمانؓ نے لوگوں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ ادھر حدیبیہ میں صحابہؓ کہنے لگے کہ عثمان خوش نصیب ہیں کہ ان کو طواف بیت اللہ نصیب ہو چکا ہوگا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ عثمان میرے بغیر طواف نہ کریں گے۔ اسی دوران یہ افواہ اڑ گئی کہ حضرت عثمانؓ مکہ میں قتل کر دیئے گئے۔ اس لیے رسول اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہؓ سے بیعت لی جو بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت عثمان چونکہ اس وقت مکہ میں تھے اس لیے حضورِ اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں

ہاتھ پر رکھ کر ان کو بیعت کے شرف میں داخل کر لیا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہاتھ حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیا۔ بیعتِ رضوان کے بعد جب عثمان واپس تشریف لائے تو مسلمانوں نے ان سے کہا کہ آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ نے طوافِ بیت اللہ کر لیا۔ آپ نے جواب دیا۔ تم نے یہ میرے بارے میں بدگمانی کی ہے۔ اس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر میں مکہ میں ایک سال تک بھی پڑا رہتا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حدیبیہ میں ہوتے تو میں آپ کے بغیر طواف نہ کرتا۔ قریش نے مجھ سے طواف کرنے کے لیے کہا تھا مگر میں نے انکار کر دیا" (محمد اکرم رضوی۔ صحابہؓ کا عشقِ رسولؐ۔ ص ۱۶، ۱۷ / علی اصغر چوہدری۔ عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۵۶ — ۵۸)

حضرت عثمان رضؓ اپنے اسلام لانے کے واقعے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں اپنی خالہ اروی بنت عبدالمطلب کے یہاں ان کی عیادت کے لیے گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ میں نے آپؐ کی طرف بغور دیکھنا شروع کیا۔ آپؐ کی نبوت کا تھوڑا بہت ان دنوں تذکرہ ہو چلا تھا۔ آپؐ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا "اے عثمان کیا بات ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے آپؐ پر بڑا تعجب ہے کہ آپؐ کا ہم لوگوں میں کیا مرتبہ تھا اور اب آپؐ پر کیا افترا پردازی کی جا رہی ہے۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے جواب میں "لا الٰہ الا اللہ" کہا خدا گواہ ہے کہ یہ سن کر میں کانپ گیا۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت کی۔ (ترجمہ) " اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ چیزیں جن کا تم سے وعدہ کیا گیا۔ آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم۔ بے شک یہ سب اسی کا حق ہے جس طرح کہ تم بات کرتے ہو"۔ اس کے بعد آپؐ چل پڑے اور میں بھی آپؐ کے پیچھے پیچھے چل دیا اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا" (محمد

یوسف کاندھلوی، مولانا۔ حیات الصحابہؓ۔ جلد اوّل مشتمل بر حصہ اوّل، دوم، سوم ص ۶۲، ۶۳)

مختلف وقتوں میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان رضؓ کے لیے اس طرح دعائیں مانگیں۔

"زید بن اسلمؓ نے بیان کیا۔ حضرت عثمان رضؓ نے خاکستری رنگ کی اونٹنی حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پاس بھیجی تو آپؐ نے فرمایا۔ اے میرے اللہ عثمان کو پل صراط سے گزار دے۔

حضرت ابو سعیدؓ سے مرفوعاً روایت ہے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی) اے میرے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا تین مرتبہ آپؐ نے یہ کلمات کہے۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے کہا اے میرے اللہ! عثمانؓ کے ان گناہوں کی مغفرت فرما جو پہلے ہو چکے اور بعد میں ہوں گے اور جو خفی طور پر کیے اور جو اعلانیہ طور پر کیے اور جو کچھ چھپ کر کیا اور جو کھلم کھلا کیا ہے (محمد یوسف کاندھلوی۔ حیات الصحابہؓ۔ جلد سوم مشتمل بر حصہ ہشتم، نہم، دہم۔ ص ۳۶۴)

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان رضؓ کے بارے میں حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا "اے عائشہ رضؓ میں اس شخص سے حیا کیسے نہ کروں جس سے اللہ کی قسم فرشتے حیا کرتے ہیں۔ (رضی الدین احمد فخری، مولانا۔ عہدِ نبوی کا اسلامی تمدن۔ ص ۴۲۶)

۳ —— نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۲۔

۴ —— ایضاً۔ ص ۱۶۴ (مضمون "سیرتِ نبویؐ توقیت کی روشنی میں" از مولوی الحاق علوی)

۵ —— مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۹۱ / عمر ابوالنصر۔ رسولؐ عربی۔ ص ۱۲۲/

سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۱۷، ۱۱۸/ نقوش۔ رسول ؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۱/ نیاز فتح پوری، علامہ۔ صحابیات ؓ۔ ص ۱۳۰/ غلام ربانی عزیز۔ سیرتِ طیبہ ؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۲۰/ حیاتِ رسالتمآب ؐ۔ ص ۸۰/ محمد ؐ رسول اللہ۔ ص ۳۵۹/ سیر الصحابیات مع اسوۂ صحابیات۔ ص ۸۹/ طالب ہاشمی۔ تذکارِ صحابیات ؓ۔ ص ۱۲۵، ۱۲۶/ عہدِ نبوی کے نادر واقعات۔ ص ۵۳ — ۵۵/ محمد شریف قاضی۔ اسوۂ حسنہ۔ ص ۴۱/ رہبرِ کامل ؐ۔ ص ۶۴، ۶۵/ سیرتِ رسولِ اکرم ؐ۔ ص ۵۱/ قوسِ قزح۔ ص ۳۵، ۳۶/

۶ —— عبدالرحمٰن ابنِ جوزی۔ النبی الاطہر۔ ص ۸۶/ نقوش۔ رسول ؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۲/ نیاز فتح پوری۔ صحابیات ؓ۔ ص ۱۳۱/ حیاتِ رسالتمآب ؐ۔ ص ۸۰۔

۷ —— نقوش۔ رسول ؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۲/ نیاز فتح پوری۔ صحابیات ؓ۔ ص ۱۳۰/ حیاتِ رسالتمآب ؐ۔ ص ۸۱/ تذکارِ صحابیات ؓ۔ ص ۱۲۶/ قوسِ قزح۔ ص ۳۶/ عہدِ نبوی ؐ کے نادر واقعات۔ ص ۵۶/ رہبرِ کامل۔ ص ۶۵/ مفتی محمد شفیع۔ سیرتِ رسولِ اکرم ؐ۔ ص ۵۲۔

۸ —— نقوش۔ رسول ؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۲/ نقوش۔ رسول ؐ نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۲۷۲۔ (باب نمبر ۳۸)/ نیاز فتح پوری۔ صحابیات ؓ۔ ص ۱۳۱/ حیاتِ رسالتمآب ؐ۔ ص ۸۱/ سیارہ ڈائجسٹ۔ رسول ؐ نمبر۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۰/ سیر الصحابیات۔ ص ۱۱۷/ سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمین ؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۱۷، ۱۰۸/ قوسِ قزح۔ ص ۳۶۔

۹ —— سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمین۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۷/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۹۱/ رسولِ ؐ عربی۔ ص ۱۳۴/ عہدِ نبوی ؐ کے نادر واقعات۔ ص ۵۶/ اسوۂ حسنہ۔ ص ۴۱/ رہبرِ کامل۔ ص ۶۵/ سیرتِ رسولِ اکرم ؐ۔ ص ۵۲۔

۱۰ —— النبی الاطہر۔ ص ۸۶/ غلام ربانی عزیز۔ سیرتِ طیبہ۔ جلد اول۔ ص ۳۲۱/ نقوش رسول ؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۲/ نیاز فتح پوری۔ صحابیات ؓ۔ ص ۱۳۲/ مدینۃ الرسول

ص ۱۸۷/ سیارہ ڈائجسٹ۔ رسول ؐ نمبر۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۰/ سیر الصحابیات مع اسوۂ صحابیات ص ۸۹/ تذکارِ صحابیات۔ ص ۱۲۶/ سیر الصحابیات۔ ص ۱۱۷/ سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمین ؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۸/ قوسِ قزح۔ ص ۳۶۔

۱۱ —— نقوش۔ رسول ؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۲/ نیاز فتح پوری۔ صحابیات ؓ۔ ص ۱۳۱/ مدینۃ الرسول ؐ۔ ص ۱۸۷/ حیاتِ رسالتمآب ؐ۔ ص ۸۱/ محمد ؐ رسول اللہ۔ ص ۳۵۹/ سیر الصحابیات مع اسوۂ صحابیات۔ ص ۸۹/ تذکارِ صحابیات ؓ۔ ص ۱۲۶/ سیر الصحابیات۔ ص ۱۱۷/ سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمین ؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۸

۱۲ —— نقوش۔ رسول ؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۲/ نیاز فتح پوری۔ صحابیات ؓ۔ ص ۱۳۱/ مدینۃ الرسول ؐ۔ ص ۱۸۷/ حیاتِ رسالتمآب ؐ۔ ص ۸۱۔

ایک روایت کے مطابق آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ اگر میری سولہ لڑکیاں ہوتیں تو وہ سب یکے بعد دیگرے حضرت عثمان ؓ کے عقد میں دے دیتا۔ (نیاز فتح پوری۔ صحابیات ؓ۔ ص ۱۳۲)

۱۳ —— مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۱۹۰/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰ ؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۱۲۰/ ابنِ جوزی۔ النبی الاطہر۔ ص ۸۷/ غلام ربانی عزیز۔ سیرتِ طیبہ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۲۱/ نقوش۔ رسول ؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۲۰۳/ مدینۃ الرسول ؐ ص ۱۸۷/ صحابیات۔ ص ۱۳۴/ حیاتِ رسالتمآب ؐ۔ ص ۸۱/ سیارہ ڈائجسٹ۔ رسول ؐ نمبر۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۰/ محمد ؐ رسول اللہ۔ ص ۳۵۹/ تذکارِ صحابیات۔ ص ۱۲۶/ سیر الصحابیات مع اسوۂ صحابیات ص ۸۹/ سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمین ؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۸/ سیر الصحابیات۔ ص ۱۱۷/ تاریخِ مدینہ۔ ص ۸۲/ قوسِ قزح۔ ص ۳۷۔

۱۴ —— غلام ربانی عزیز، ڈاکٹر۔ سیرتِ طیبہ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۲۱/ مدینۃ الرسول۔ ص ۱۸۶/ تذکارِ صحابیات۔ ص ۱۲۶۔



سریّہ عبداللہؓ بن انیسؓ

واقدی اس سریّہ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں " بعدازاں سریّہ عبداللہ بن انیسؓ کا، طرف سفیان بن خالد بن نبیح الہذلی کے، روانہ ہوا۔ عبداللہؓ نے کہا جس روز سے میں لشکر لے کر مدینہ سے چلا ہوں تو روز دو شنبہ تاریخ پانچویں محرم کی تھی اور پتیسواں مہینہ ہجرت سے تھا اور اکیس تاریخ محرم روز دو شنبہ کو میں واپس آیا۔ چنانچہ اٹھارہ شب باہر رہا" [1]

اسحق علوی تقویمی حساب سے لکھتے ہیں " اس واقعہ کی تاریخ خود عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ " میں مدینے سے دو شنبہ کے دن ۵ محرم کو نکلا۔ حسابی رو سے یہ تاریخ بالکل صحیح ہے اور ۵ محرم کو دو شنبہ ہی کا دن پڑتا ہے۔" [2]

" آپؐ نے عبداللہ بن انیسؓ کو سفیان[3] بن خالد ہذلی کے قتل کے لیے روانہ کیا یہ " عرنہ " میں مقیم تھا۔ سبب اس واقعہ کا یہ ہوا کہ یہ شخص " قصۂ رجیع [4] " اور حضرت عاصمؓ بن ثابت کے قتل کا باعث تھا اور اس نے اسی پر بس نہ کی بلکہ جنگ کے لیے لشکر تیار کر رہا تھا۔ آپؐ کو جب معلوم ہوا تو آپؐ نے عبداللہؓ[5] بن انیسؓ کو بھیجا اور فرمایا کہ اس کا شر دور کر دو۔ عبداللہ بن انیسؓ نے عرض کیا۔ حضور! (صلی اللہ علیک وسلم) اس کا پتا نشان بتلایئے تاکہ میں اس کو شناخت کر سکوں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا " جس آدمی کی شکل ایسی ہو اور جس آدمی کو دیکھ کر ڈر لگے اور وسوسہ شیطانی دل میں آئے " وہی شخص ہے۔ عبداللہ بن انیسؓ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا چاہی اور اپنی تلوار ہاتھ میں لی اور مدینہ سے روانہ ہو گیا۔ اور اپنے آپ کو " بنو خزاعہ " کے قبیلہ کا آدمی بنا لیا۔ جب میں " بطنِ عرنہ " پہنچا تو اس آدمی کو دیکھا کہ ایک جماعت کے ساتھ جاتا ہے اس کی ہیبت میرے دل میں بیٹھ گئی اور وہ تمام

نشانیاں[6] میں نے موجود پائیں جو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بیان فرمائی تھیں۔ جب سفیان نے مجھے دیکھا تو بولا " کون " ؟ میں نے کہا میں " بنو خزاعہ " کا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جنگ کرنے کے لیے لشکر جمع کیا ہے ؛ تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔ وہ بولا۔ ہاں! میں نے لشکر جمع کیا ہے۔ عبداللہ بن انیسؓ کہتے ہیں کہ میں اس کے ساتھ ہو گیا۔ میں نے کہا کسی تنہائی کی جگہ " خیمہ " میں تشریف رکھیں، وہاں بات کریں گے۔ جب رات ہو گئی اور اس کے احباب اور ساتھی منتشر ہو گئے۔ میں نے کچھ صبر کیا تاکہ فضا پرسکون ہو جائے۔ جب وہ سو گیا میں نے تلوار نکالی اور اس کو قتل کر دیا اور اس کا سر جدا کر کے ساتھ لیا۔۔۔ اور مدینہ کو روانہ ہو گیا۔ راستہ میں ایک غار آ گیا۔ میں نے اپنے آپ کو چھپایا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مکڑی کو متعین فرما دیا۔ اس نے غار کے منہ پہ تار تن دیا۔ جب سفیان کی قوم کو معلوم ہوا وہ میرے تعاقب میں نکلے لیکن سب کو مایوس ہونا پڑا۔ پھر میں غار سے باہر آیا۔ رات کو سفر کرتا تھا اور دن کو چھپ جاتا تھا۔ اس طرح مدینہ منورہ پہنچا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد میں پایا۔ جیسے ہی آپؐ کی نظر مجھ پہ پڑی تو فرمایا " افلح الوجہ " چہرہ کامیاب ہوا۔ میں نے عرض کیا۔ " افلح وجھک یا رسول اللہ " اور اس ملعون کا سر سامنے ڈال دیا اور کیفیت بیان کی۔ آپؐ نے مجھے اپنا عصائے مبارک مرحمت فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا " جنت میں اس کے ساتھ جاؤ گے [8]۔ کہتے ہیں کہ یہ عصا وفات کے وقت تک ان کے پاس رہا۔ مرتے وقت انھوں نے وصیت کی کہ اس کو میرے کفن میں لپیٹ دیا جائے۔ اس سریّہ میں ان کے اٹھارہ شبانہ روز صرف ہوئے [9]

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس بہادر سپاہی اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخلص شیدائی نے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی برداشت نہ کی آپؐ کے وصال کے دن صدمے سے انتقال کر گیا [10] رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حواشی

۱۔۔۔ واقدی۔ مغازی الرسولؐ۔ ص ۲۰۳۔۴ (مترجم بشارت علی خان)

۲۔۔۔ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۵۹ (سیرتِ نبوی۔ توقیت کی روشنی میں از مولوی اسحٰق علوی) / عبدالکریم غزال۔ الغزوات الکبریٰ و معارک الفتح فی العراق والشام و مصر۔ الدار الشرقیہ الطباعۃ والنشر "دلیبا" (بیروت۔ عربی) ص ۱۰۸ / المواہب اللدنیہ۔ ص ۳۷۶۔

۳۔۔۔ سیرت کی زیادہ تر کتابوں میں بنو لحیان کے رئیس کا نام سفیان بن خالد لکھا جاتا ہے (الغزوات الکبریٰ و معارک الفتح فی العراق والشام و مصر۔ ص ۱۰۸ / مواہب اللدنیہ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۷۶ / رسالتمآب۔ ص ۲۱۰ / واقدی۔ مغازی الرسولؐ۔ ص ۳/ سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد دوم۔ ص ۲۸۳ / رسولِ رحمتؐ۔ ص ۲۲۳ / پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ص ۵۳۳ / پیغمبرِ عالمؐ۔ ۳۸۸۔

اور کچھ کتابوں میں خالد بن سفیان لکھا ہوا ہے۔ (الرحیق المختوم۔ ص ۴۷۲ / اصح السیر۔ ص ۱۱۵ / عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۲۳۱)

۴۔۔۔ جنگِ احد کے بعد طلحہ کی بیوی نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے انتقام نہ لے لوں، سر میں تیل نہ ڈالوں گی اور یہ کہ جو بھی بدلہ لے گا، اس کو سو اونٹ انعام میں دوں گی۔ سفیان بن خالد کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ عاصمؓ بن ثابت نے چار، طلحہ بن عبیداللہ نے دو اور زبیر بن عوام نے میرے ایک عزیز کو قتل کیا ہے۔ کفار انعام کے لالچ میں مدینہ پہنچے بظاہر مسلمان ہوئے اور عاصمؓ بن ثابت سے دوستی کر لی۔ تبلیغ کے لیے ساتھ آدمی مانگے اور بطورِ خاص حضرت عاصم بن ثابت کو لے جانے کی بات کی اور عاصمؓ بن ثابت سمیت دس مسلمانوں کو تبلیغ کے لیے لے کر مدینے سے باہر رجیع کے مقام پر پہنچے۔ مکے کے کافروں کو خبر ملی تو انہوں

نے مل کر حملہ کر دیا۔ سفیان بن خالد نے کہا عاصمؓ تم اور تمہارے ساتھی ہتھیار ڈال دو تو تمہیں امان ہے مگر حضرت عاصمؓ بن ثابت نے کفار کی امان سے انکار کر دیا اور ساتھیوں سمیت بہادری سے لڑے۔ اس طرح عاصمؓ سمیت سات افراد شہید ہو گئے۔ باقی تین کو کافروں نے فوراً گرفتار کر لیا۔ اور ان کے ہاتھ کمر سے باندھ دئیے۔ ان تین افراد میں سے حضرت عبداللہؓ بن طارق نے کسی طرح ہاتھ کھول لیے اور تلوار پکڑ کر کافروں پر حملہ کر دیا اور خود بھی شہید ہوئے۔ حضرت خبیبؓ بن عدی اور حضرت زیدؓ بن وثنہؓ کو مکہ لے جایا گیا۔ ان دونوں سے کفار نے آخری خواہش پوچھی تو حضرت خبیبؓ نے دو رکعت نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اور دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد کفار کے لیے بد دعا کی کہ الٰہی ان سب کو گھیر لے اور ان کو فوراً قتل کر دے۔ اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ۔ ابنِ اسحٰق کے مطابق جتنے آدمی اس وقت موجود تھے حضرت خبیبؓ کی بد دعا سے اکثر قتل ہوئے اور بیشتر مصیبتوں میں مبتلا رہے۔ کفار نے حضرت خبیبؓ سے کہا کہ تمہیں یہ پسند ہیں کہ تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے اور تم اپنے گھر میں رہتے۔ اس پر خبیبؓ نے جواب دیا۔ مجھے تو یہ گوارا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیر میں ذرا سا کانٹا چبھ جائے اور میں گھر میں رہوں۔

حضرت زیدؓ نے بھی دو رکعت نماز پڑھی۔ ان سے بھی وہی سوالات کیے گئے اور وہی جوابات پائے۔ اس موقع پر ابو سفیان نے کہا کہ ہم نے صحابہ کرامؓ سے زیادہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے محبت رکھنے والا کسی کو نہیں پایا۔ حضرت زیدؓ کو بھی شہید کر دیا گیا۔ حضرت خبیب کو شہید کرنے سے پہلے چالیس کفار نے ہلکے ہلکے نیزے مارے اور بعد میں ایک کافر نے سینے میں زور سے نیزہ مارا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد حضرت خبیبؓ شہید ہو گئے۔ کافروں نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکائے رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ جو خبیبؓ کو لائے اس کے لیے جنت ہے۔ حضرت زبیرؓ بن عوام اور مقدادؓ بن اسودؓ

رات کی تاریکی میں آہستہ سے چالیس کفار کے پہرے سے حضرت خبیبؓ کی لاش کو اتار لائے وہ لاش چالیس روز کے بعد بھی تازہ تھی اور خبیبؓ اپنے زخموں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے اور ان سے خون ٹپک رہا تھا۔ اور مشک کی خوشبو آرہی تھی۔ قریش کے ستر آدمیوں نے تعاقب کر کے حضرت زبیرؓ اور مقدادؓ کو گھیر لیا۔ انہوں نے لاش کو زمین پر رکھ دیا اور زمین نے فوراً ہی حضرت خبیبؓ کو اپنے اندر چھپا لیا۔ حضرت زبیر نے للکار کر کہا " میں زبیرؓ بن عوام بن عبدالمطلب ہوں اور یہ مقدادؓ بن اسود ہیں ہم دونوں شیر بیشہ ہیں۔ جدھر رخ کر لیتے ہیں راستہ صاف کر دیتے ہیں۔ اگر مقابلہ کرنا چاہو تو تیار ہیں اور اگر واپس جانا چاہو تو تمہیں اجازت ہے۔

کافر یہ سن کر واپس چلے گئے۔ یہ دونوں واپس مدینہ منورہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت جبریلؑ آئے اور کہا کہ فرشتے ان دونوں مردوں پر فخر کرتے ہیں (رسالتمآب۔ ص ۲۰۲-۲۰۹ / پیغمبرِ اعظم و آخر۔ ص ۵۳۳-۵۲۵ / سیرتِ محمدیہ ترجمہ مواہب اللدنیہ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۷۷-۳۸۴ / عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۱۶۱-۱۶۵ / جامی۔ شواہد النبوۃ۔ ص ۱۳۷-۱۳۹)

یہ جلیل القدر صحابی حضرت زبیرؓ بن عوام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سگی پھوپھی صفیہؓ کے بیٹے اور ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے بھائی عوام کے بیٹے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت اسماءؓ کے شوہر تھے۔ (شاہ معین الدین۔ سیر صحابہ۔ جلد دوم۔ مہاجرین حصہ اوّل۔ ص ۸۲ / عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۹۹-۱۰۲)

۵ ـــــ جنگِ احد میں طلحہ کے دو بھائی اور تین بیٹے مارے گئے تھے ـــــ جنگِ احد کے بعد طلحہ کی بیوی نے منت مانی تھی کہ وہ حضرت عاصمؓ بن ثابت کے کاسۂ سر کو جامِ شراب بنائے گی۔ جنہوں نے غزوۂ احد میں اس کے بیٹے مسافع کو مار ڈالا تھا۔ اس نے عاصمؓ کا سر لانے والے کے لیے سو اونٹوں کا انعام رکھا تھا

کفار حضرت عاصمؓ بن ثابت کو مارنے کے بعد ان کا سر کاٹنا چاہتے تھے مگر جب وہ حضرت عاصمؓ کی لاش کے قریب بُرے ارادے سے آئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے شہد کی مکھیوں نے حضرت عاصمؓ کی نعش کے گرد دائرہ بنا لیا۔ کفار کوشش کے باوجود قریب نہ جا سکے۔ ابھی موقع کا انتظار کر ہی رہے تھے کہ موسلا دھار بارش شروع ہوئی جو نعش کو بہا کر نامعلوم مقام کی طرف لے گئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے کفار کے شر سے حضرت عاصمؓ بن ثابت کو بحفاظت اٹھا لیا۔ (پیغمبرِ اعظم و آخر۔ ص ۵۳۳، ۵۳۴ / رسالتمآبؐ۔ ص ۲۰۴)

شہد کی مکھیاں ایسا ڈنک مارتیں کہ فوراً ورم آجاتا اور کافر تھوڑی دیر بعد ہی مر جاتا۔ (رسالتمآب۔ ص ۲۰۴ / جامی۔ شواہد النبوۃ۔ ص ۱۳۷، ۱۳۸)

۶ ـــــ اکیلے عبداللہ بن انیسؓ کو اس مہم کے لیے بھیجنے کا اصل مقصد کیا تھا ـــــ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کہتے ہیں۔ "آپؐ کی سیاسی و عسکری حکمتِ عملی کا جوہر یہ تھا کہ آپؐ جنگ و جدل پر صلح و امن کو ترجیح دیتے تھے۔ دشمن کو باز رکھنے اور جنگ نہ کرنے کے معاہدے پر مجبور کرنے کی خاطر پہلے مذاکرات اور پھر رعب و داب سے کام نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ جب لڑائی ناگزیر ہو جاتی تو پھر کم از کم کشت و خون کے ذریعے اس کا فیصلہ کرنے کی سعی فرماتے۔ چنانچہ ابھی قطن کی بغاوت فرو کرنے سے فراغت ہی ملی تھی کہ آپؐ کو اطلاع ملی کہ بنو لحیان کا رئیس سفیان بن خالد عرنہ میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے اور اس بغاوت کی آگ دوسرے قبائل میں بھی پھیلانا چاہتا ہے۔ بصیرتِ رحمۃ للعالمینؐ نے یہ فیصلہ دیا کہ ایک فتنہ گر و مفسد سفیان بن خالد کے خون سے بہت سی جانیں بچ سکتی ہیں چنانچہ آپؐ نے اس مہم کے لیے حضرت عبداللہ بن انیس کو منتخب کیا۔ (پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ص ۵۳۴)

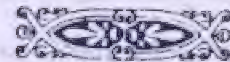
۷ ـــــ حضرت عبداللہ بن انیسؓ کسی شخص سے نہیں ڈرتے تھے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن انیسؓ کو نشانیاں بتاتے ہوئے کہا کہ

جس شخص کو دیکھ کر تمہیں ڈر لگے اور شیطانی وسوسہ دل میں آئے اور تیرے جسم کا رُواں رُواں ڈر کی وجہ سے کھڑا ہو جائے۔ (شرح المواہب۔ جلد ۲۔ ص ۶۳ بحوالہ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۱۰)

۸۔۔۔۔ اصح السّیر۔ ص ۱۱۵/ الرحیق المختوم۔ ص ۴۷۲/ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۱۱/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد دوم۔ ص ۴۸۴/ پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۳۸۸/ عبدالمصطفیٰ اعظمی سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۲۳۱/ رسولِ رحمتؐ۔ ص ۲۲۳۔

۹۔۔۔۔ پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ص ۵۳۳/ سیرتِ محمدیہؐ ترجمہ مواہب اللدنیہ۔ جلد اوّل ص ۳۷۶، ۳۷۷/ سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۸۹/ الرحیق المختوم۔ ص ۴۷۲/ اصح السّیر۔ ص ۱۱۵/ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۱۰، ۲۱۱/ مدارج النبوۃ جلد دوم۔ ص ۲۰۷/ پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۳۸۸/ عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۲۳۱/ محمد ادریس کاندھلوی۔ سیرت المصطفیٰؐ۔ ص ۲۰۴/ سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ جلد دوم۔ ص ۴۸۳، ۴۸۴۔

۱۰۔۔۔۔ محمد عابد سعید۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ ص ۳۷۰/ محمد شریف قاضی۔ اسوۂ حسنہ ص ۴۲۔



غزوۂ بدرِ موعد

اسحاق علوی بدرِ موعد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "۴ھ کی ایک دوسری مہم غزوۂ بدرِ موعد کے نام سے مشہور ہے جس کی تاریخ پنجشنبہ مستہل شعبان بیان کی گئی ہے۔ یہ تاریخ بھی حسابی رو سے غلط ہے اور مستہل شعبان کو یکشنبہ یا دوشنبہ کا دن آنا چاہیے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غزوۂ ذات الرقاع سے مدینہ میں آئے۔ جمادی الاولیٰ اور آخر رجب تک مدینہ میں اقامت فرمائی۔ پھر ماہِ شعبان میں بدر کی طرف ابوسفیان کی میعاد کی وجہ سے تشریف لے گئے۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ غزوہ ہلالِ ذیقعد میں تھا اور ابوسفیان کی میعاد اس سے ماسبق تھی۔ وہ یہ ہے کہ ابوسفیان نے یوم احد میں کہا تھا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان موعد بدر سالِ آئندہ ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اصحاب میں سے ایک مرد سے فرمایا، ابوسفیان سے کہہ دو کہ بہتر ہمارے اور تمہارے درمیان وہی موعد ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ سے ایسے حال میں نکلے کہ آپؐ کے ساتھ آپؐ کے اصحابؓ میں سے پندرہ سو مرد تھے اور دس گھوڑے تھے۔ آپؐ نے مدینہ پر عبداللہؓ بن رواحہ کو خلیفہ مقرر کیا۔ پس آپؐ اور آپؐ کے اصحابؓ نے بدر میں اقامت کی۔ ابوسفیان کا انتظار کرتے تھے اور ابوسفیان مکہ سے نکلا یہاں تک آیا کہ مجنہ میں جو امر الظہران کے ناحیہ سے ہے اور کہا جاتا ہے کہ عسفان کے ناحیہ سے ہے، اترا۔ پھر ابوسفیان کو پلٹنے کی صورت مناسب ظاہر معلوم ہوئی۔ ابوسفیان نے قریش سے کہا، اے معشرِ قریش تم کو راحت نہیں دے سکتا اور مشقتِ سفر زائل نہیں کر سکتا مگر وہ سال جس میں سرسبزی اور ارزانی ہو۔ تم اپنے جانوروں کو اس سال میں درختوں کے پتے کھلاؤ اور اپنے جانوروں کا دودھ پیو۔ تحقیق تمہارا سال خشکی کا سال ہے (کہ

بارش نہیں ہے اور زمین خشک ہے) اور میں پلٹنے والا ہوں۔ تم لوگ پلٹ چلو۔ یہ سن کر سالار کے سب آدمی پلٹ گئے۔ اہلِ مکہ نے ان لوگوں کے لشکر کا نام جیش السویق رکھا۔ ان سے اہلِ مکہ کہتے تھے تم لوگ مکہ سے نہیں نکلے مگر ستو پیتے تھے گیہوں یا جَو کو ستو کہتے ہیں۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقامِ بدر میں آٹھ دن تک قیام فرمایا۔ اصحاب کے ساتھ جو کچھ مال تجارت کا تھا، اس کو انہوں نے فروخت کیا۔[۵]

حواشی

۱ــــ اس غزوہ کا نام بدرِ ثانیہ اور بدرِ موعدہ (دھمکی) بھی ہے۔ (پیغمبرِ انسانیتؐ ص ۴۲۸) یہ غزوہ، بدرِ موعد، بدرِ ثانیہ، بدرِ آخرہ اور بدرِ صغریٰ کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے (الرحیق المختوم۔ ص ۴۸۶/ سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۹۶)

۲ــــ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۵۸۔

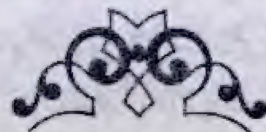
۳ــــ چنانچہ وعدہ کے موافق دوسرے سال ہی ابوسفیان سامانِ جنگ فراہم کرنے اور قتال کی تیاری کرنے میں مشغول ہوگیا اور قریش کو مکہ سے نکلنے کی ترغیب و تحریص دینے لگا لیکن یہ بہ تکلف اور بے دلی سے کرتا تھا تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ابوسفیان ڈر گیا ہے اور وہ میدانِ جنگ میں آنے سے گھبراتا ہے۔ (مدارج النبوّت۔ جلد دوم۔ ص ۲۶۳/ الرحیق المختوم۔ ص ۴۸۵)

۴ــــ ابوسفیان مسلمانوں سے جنگ کرنے سے اتنا ڈرتا تھا کہ اس نے نعیم بن مسعود کو سونے کے تین ٹکڑے دے کر کہا کہ وعدے کے مطابق لڑائی کا وقت قریب آرہا ہے تم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کو لڑائی کے نتائج سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کرو۔ مگر اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پندرہ سو صحابہؓ کے ہمراہ غزوۂ بدرِ موعد کے لیے روانہ ہوئے اور بغیر کسی نقصان کے صحیح سالم واپس مدینہ منورہ پہنچے۔ (تاریخِ مدینہ۔ ص ۸۴)

اس کے برعکس مسلمانوں کو دیکھ کر لشکرِ ابوسفیان پر کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ خرابیٔ موسم کا عذر کرکے کوئی مقابلہ کیے بغیر ہی واپس چلا گیا۔" (پیغمبرِ انسانیتؐ ص ۴۲۸/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۴۲۶/ الوفا۔ ص ۲۱۰)

ابوسفیان نے سوچ سوچ کر اپنے ساتھیوں کے سامنے یہ بہانہ بنایا کہ "قریش کے لوگو! جنگ اس وقت تک موزوں ہوتی ہے جب شادابی اور ہریالی ہو کہ جانور بھی چر سکیں اور تم بھی دودھ پی سکو۔ اس وقت خشک سالی ہے لہٰذا میں واپس جا رہا ہوں۔ تم بھی واپس چلے چلو"۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے ہی لشکر کے اعصاب پر خوف و ہیبت سوار تھی کیونکہ ابوسفیان کے اس مشورے پر کسی قسم کی مخالفت کے بغیر سب نے واپسی کی راہ لی۔ اور کسی نے بھی سفر جاری رکھنے اور مسلمانوں سے جنگ لڑنے کی رائے نہ دی۔ (الرحیق المختوم ص ۴۸۵، ۴۸۶/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۲۶۴)

۵ــــ سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۹۶، ۳۹۷/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۴۲۵، ۴۲۶/ پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۴۲۸/ الوفا۔ ص ۲۱۰، ۲۱۱/ الرحیق المختوم۔ ص ۴۸۵، ۴۸۶/ مدارج النبوّت۔ جلد دوم۔ ص ۲۶۲ - ۲۶۴۔



غزوۂ ذات الرقاع

اس غزوہ کی تاریخ اور دن کے بارے میں ابنِ حبیب لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۱۰ جمادی الاولیٰ دوشنبہ کے دن مدینہ سے روانہ ہوئے اور اسی مہینے میں چہارشنبہ کو واپسی ہوئی۔ اس کے خلاف واقدی اور ابنِ سعد اس غزوہ کو محرم ۵ ہجری کا واقعہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپؐ ہفتے کی رات ۱۰ محرم کو مدینہ سے اس غزوہ کے لیے نکلے۔ ابنِ اسحاق کے نزدیک یہ غزوہ ربیع الآخر اور جمادی الاولیٰ کے کچھ حصے میں ہوا اور ابنِ سعد اور ابنِ حبان کی رائے میں یہ محرم ۵ ہجری کا واقعہ ہے[1]۔

اسحاق علوی لکھتے ہیں کہ" ابنِ حبیب نے ۱۰ جمادی الاولیٰ کو دوشنبہ بیان کیا ہے وسٹنفیلڈ کی تقویم کے بموجب جمادی الاوّل کی پہلی تاریخ کو یکشنبہ تھا (مطابق ۲۸ ستمبر ۶۲۶ء) اس حساب سے دوشنبہ ۲ جمادی کو ہونا چاہیے لیکن یہ ایک روزہ اختلاف ناقابلِ التفات ہے۔ ابنِ سعد کے موجودہ نسخوں میں محرم کی دسویں تاریخ کو یوم السبت ملتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غلطی کسی ابتدائی ناقل کی ہے جس نے نسخہ کی خرابی کے باعث یا بدخطی کی وجہ سے "اثنین" کے دندانوں کو "س" کے دندانے سمجھ کر سبت پڑھ لیا ورنہ ازروئے حساب ۱۰ کو ہفتہ کس طرح ممکن نہیں"[2]

اس غزوہ کا نام "ذات الرقاع" کیوں پڑا، اس کے متعلق "انوارِ محمدیہ" میں ہے کہ اس موقع پر مسلمانوں نے کپڑے کے ٹکڑے سی کر علم بنائے تھے اس لیے اسے ذات الرقاع کہتے ہیں[3]۔ ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ "آپؐ روانہ ہو کر ایک نخلستان میں اترے۔ آپؐ کے ساتھ چھ[4] اشخاص تھے جن میں ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان سب کے درمیان سواری کے لیے ایک اونٹ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ پیدل چلنے کی وجہ سے لوگوں کے پیر چھلنی ہو گئے اور انگلیوں کے ناخن تک

گر گئے اور اس تکلیف سے بچنے کے لیے لوگوں نے اپنے پیروں پر پٹیاں اور چیتھڑے باندھ لیے اور اس لیے اس غزوہ کا نام غزوۂ ذات الرقاع یعنی "پٹیوں والا غزوہ" پڑ گیا[5]۔" امام نووی کہتے ہیں کہ بعض روایت ہے کہ ذات الرقاع ایک پہاڑ کا نام ہے۔ ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ ایک درخت کا نام ہے[6]۔ "الوفا" میں لکھا ہے کہ اس غزوہ کو پہاڑ کی نسبت سے غزوۂ ذات الرقاع کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں سرخ، سیاہ اور سفید قطعات تھے جو گلیم درویش کی مانند مختلف پیوندوں کا مرقع تھا[8]۔

اس غزوہ کا مقصد بنی محارب اور بنو ثعلبہ کی بستیوں پر حملہ کے ارادے سے کوچ تھا کیونکہ آپؐ کو معلوم ہوا تھا کہ مسلمانوں پر چڑھائی[9] کے ارادے سے انھوں نے لشکر جمع کر رکھا ہے۔ آپؐ چار سو یا سات سو صحابہؓ کو لے کر روانہ ہوئے اور مدینہ کی حکومت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نجد کے علاقے میں بمقام نخل جو غطفان کی بستیوں میں واقع ہے، کیمپ کیا۔ فوجیں آمنے سامنے ہوئیں لیکن جنگ کی نوبت نہ آئی۔ لوگ ایک دوسرے کو افواہوں سے ڈراتے رہے۔ چنانچہ آپؐ نے صحابہ کے ساتھ نمازِ خوف[10] ادا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس غزوے کے سلسلے میں پندرہ دن باہر رہے[11]۔

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس غزوہ میں ایک درخت کے سایہ میں محوِ خواب تھے ایک اعرابی آیا اور اپنی تلوار کھینچ کر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے سرہانے کھڑا ہو گیا حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بیدار ہو گئے۔ اعرابی نے کہا، کون ہے جو آپؐ کو مجھ سے بچائے۔ فرمایا "اللہ"۔ اس کے بعد حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اٹھے اور اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ پڑی۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اپنے ہاتھ میں تلوار لے کر فرمایا۔ کون ہے جو تجھے مجھ سے بچائے گا؟ اعرابی نے کہا میں عہد کرتا ہوں کہ آپ سے کبھی جنگ نہ کروں گا اور نہ اس جماعت میں شریک ہوں گا جو آپؐ سے لڑے۔ اس کے بعد حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اس کا سر اسے بخش دیا اور وہ اعرابی لوٹ کر اپنی قوم میں گیا اور کہا میں تمہارے پاس سب سے بہتر شخص کے پاس سے آیا ہوں

واقدی نے اس کا اسلام لانا اور پھر اپنی قوم کے بہت سے لوگوں سے اسلام قبول کرانا بیان کیا ہے۔"[۱۲]

جابر بن عبداللہ رضؓ کا بیان ہے کہ میرے پاس غزوۂ ذات الرقاع میں ایک اونٹ تھا جس کا گھٹنا ٹوٹا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے پاس سے گزرے مگر اونٹ کی سست روی اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ میں آپؐ کا ساتھ دے سکوں۔ مجھ سے پوچھا گیا تو میں نے سارا ماجرا سنایا۔ آپؐ نے عصا لے کر اونٹ پر تین بار گھسایا اور چلو بھر پانی اس پر چھڑکا اور حکم دیا کہ سوار ہو جاؤں۔ مجھے قسم ہے اس خدا کی جس نے ہم پر ایک سچا رسول مبعوث فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس قدر تیز چلاتے تھے، میرا اونٹ پیچھے نہیں رہتا تھا۔ اور میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ ہی رہتا تھا۔[۱۳] یہ حضور علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ غزوۂ ذات الرقاع ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس اونٹ کو حضرت جابرؓ سے چالیس درہم سے خرید لیا تھا مگر جب آپؐ کو معلوم ہوا کہ حضرت جابرؓ کے والد نے قرض چھوڑا ہے تو مدینہ پہنچ کر چالیس درہم بھی دیئے اور اونٹ بھی ہبہ کر دیا اور حضرت جابرؓ کے لیے چالیس بار استغفار کی اور جابرؓ کے والد کا چھوڑا ہوا قرض بھی ادا کر دیا۔[۱۴]

اس غزوہ میں ایک ایمان افروز واقعہ یہ ہوا کہ "ایک رات حضرت عبادؓ اور عمار بن یاسرؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خیمہ کے باہر پہرہ دینے کے لیے مقرر کیا گیا۔ دونوں نے آپس میں طے کر لیا کہ نصف نصف رات باری باری جاگ کر پہرہ دیں گے۔ چنانچہ نصف اوّل کی رات حضرت عبادؓ کے حصے میں آئی۔ انہوں نے نماز کی نیت باندھ کر سورۃ الکہف کی تلاوت شروع کر دی اور حضرت عمارؓ سو گئے۔ اتنے میں کسی کافر نے موقع پا کر حضرت عباد کو تیر مارا جس سے آپؓ کا خون بہنے لگا۔ کافر نے دیکھا کہ یہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتے تو اس نے یکے بعد دیگرے دو تیر اور چلائے اور خون زیادہ بہنے لگا مگر انہوں نے نماز نہیں چھوڑی اور جب خون زیادہ بہنے لگا تو نماز مختصر کر کے حضرت عمارؓ کو بیدار کر دیا۔ انہوں نے جب

یہ حال دیکھا تو بے اختیار کہا "اے اللہ کے بندے! تم نے پہلے ہی تیر پر مجھے کیوں نہ جگا دیا۔" حضرت عبادؓ نے جواب دیا کہ میں نے سورہ کہف کی تلاوت شروع کر رکھی تھی اور چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔[۱۵]

"سنگ دل اعراب کو مرعوب اور خوفزدہ کرنے میں اس غزوے کا بڑا اثر رہا۔ ہم اس غزوے کے بعد پیش آنے والے سرایا کی تفصیلات پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ غطفان کے ان قبائل نے اس غزوے کے سر اٹھانے کی جرأت نہ کی بلکہ ڈھیلے پڑتے پڑتے سپر انداز ہو گئے اور بالآخر اسلام قبول کر لیا حتیٰ کہ ان اعراب کے کئی قبائل ہم کو فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں مسلمانوں کے ساتھ نظر آتے ہیں اور انہیں غزوۂ حنین کے مال غنیمت سے حصہ دیا جاتا ہے۔ پھر فتح مکہ سے واپسی کے بعد ان کے پاس صدقات وصول کرنے کے لیے اسلامی حکومت کے عمال بھیجے جاتے ہیں اور وہ باقاعدہ اپنے صدقات ادا کرتے ہیں۔ غرض اس حکمت عملی سے وہ تینوں بازو ٹوٹ گئے جو جنگ خندق میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اور اس کی وجہ سے پورے علاقے میں امن و سلامتی کا دور دورہ ہو گیا۔ اس کے بعد بعض قبائل نے بعض علاقوں میں جو شور و غوغا کیا، اس پر مسلمانوں نے بڑی آسانی سے قابو پا لیا بلکہ اسی غزوے کے بعد بڑے بڑے شہروں اور ممالک کی فتوحات کا راستہ ہموار ہونا شروع ہوا کیونکہ اس غزوے کے بعد اندرون ملک حالات پوری طرح اسلام اور مسلمانوں کے لیے سازگار ہو چکے تھے۔[۱۶]

حواشی

۱ــــ نقوش، رسولؐ نمبر جلد ۲۔ ص ۱۷۴۔

۲ــــ ایضاً۔ ص ۱۷۵۔

۳ــــ انوار محمدیہ۔ ص ۱۰۸۔

۴ــــ ابوالحسن علی ندوی صحیح بخاری بروایت حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضؓ باب ذات الرقاع کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ غزوۂ ذات الرقاع میں صرف چھ اشخاص آپؐ کے ہمراہ تھے۔ مگر سیرت کی کئی کتابوں میں چار سو یا سات سو صحابہ رضؓ کا ذکر ہے (نبی رحمتؐ۔ ص ۱۲۵/ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۶۲/ عہدِ نبوی کے نادر واقعات ص ۲۱۴) مدارج النبوت میں چھ سو یا سات سو صحابہ رضؓ کا ذکر ہے۔ (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۳۲۳)

۵ــــ نبی رحمتؐ۔ ص ۲۴۷/ الرحیق المختوم۔ ص ۶۱۴/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۴۲۳۔

۶ــــ اصح السیر۔ ص ۱۳۶/ سیرت النبیؐ کامل۔ جلد دوم۔ ص ۲۳۵/ مدارج النبوت جلد دوم۔ ص ۳۲۴/ عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۲۶۸۔

۷ــــ الوفا۔ ص ۲۱۷۔

مسلمان لشکر نے ایک ایسے میدان میں ڈیرے ڈالے جس کے چاروں طرف سرخ، سفید اور سیاہ رنگ کی پہاڑیاں تھیں اور یوں نظر آتا تھا گویا رنگ برنگ کپڑے دھوپ میں لٹکے ہوئے ہیں۔ اس میدان کو ''ذات الرقاع'' کہتے ہیں۔ جس کے لفظی معنیٰ دھجیوں اور ٹکڑوں والے کے ہیں۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی یہ مہم غزوۂ ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہے (عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۲۱۴)

۸ــــ بنو نضیر نے مدینے سے نکلنے کے بعد گویا بیڑا اٹھایا تھا کہ اسلامی تحریک کا

کلیتہً استیصال کر دیا جائے گا۔ چنانچہ انھی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ اواخر ۴ھ میں خیبر اور مدینے کے قرب وجوار کے قبائل متحد ہونا شروع ہوئے اور قریش جو سیاسی اعتماد سے بسترِ مرگ پر آ چکے تھے، یہودی مسیحائی سے پھر زندہ ہونے لگے جس کے نتیجے میں ۵ھ کا وہ مشہور معرکہ ہوا جو غزوۂ خندق کے نام سے مشہور ہے لیکن اسی ۵ھ میں جنگِ خندق سے چند ماہ پہلے دو غزوے اور

ہوئے تھے یعنی غزوۂ ذات الرقاع اور غزوۂ بنو مصطلق یا مریسیع۔ یہ بھی یہودی تحریک کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۷۳)

یہ بدو کسی آبادی یا شہر کے باشندے نہ تھے اور ان کا قیام مکانات اور قلعوں کے اندر نہ تھا۔ اس لیے اہلِ مکہ اور باشندگانِ خیبر کی بہ نسبت ان پر پوری طرح قابو پا لینا اور ان کے شر و فساد کی آگ مکمل طور پر بجھا دینا سخت دشوار تھا۔ لہٰذا ان کے حق میں صرف خوفزدہ کرنے والی تادیبی کارروائیاں ہی مفید کر سکتی تھیں۔ چنانچہ ان بدوؤں پر رعب و دبدبہ قائم کرنے کی غرض سے اور بقول دیگر مدینہ کے اطراف میں چھاپہ مارنے کے ارادے سے جمع ہونے والے بدوؤں کو پراگندہ کرنے کی غرض سے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک تادیبی حملہ فرمایا جو غزوۂ ذات الرقاع کے نام سے معروف ہے (الرحیق المختوم۔ ص ۶۱۳)

۹ــــ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اطلاع ملی کہ قبیلۂ انمار نے آپؐ کے ساتھ حرب و قتال کے لیے متعدد جماعتیں جمع کر رکھی ہیں (الوفا۔ ص ۲۱۷/ نبی رحمت ص ۱۲۵/ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۶۳/ الرحیق المختوم۔ ص ۶۱۴/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۴۲۴/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۷۲)

''مدارج النبوّت'' میں ہے کہ ایک شخص مدینہ میں بکریاں فروخت کرنے کے لیے لایا تھا۔ اس نے بتایا کہ غطفان کے بنی انمار اور بنی ثعلبہ نے ایک لشکر تیار کر رکھا ہے۔ (مدارج النبوّت۔ جلد دوم۔ ص ۳۲۳)

۱۰ــــ اس غزوہ میں پہلی بار نمازِ خوف پڑھی گئی (عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۲۶۸/ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۶۴/ الرحیق المختوم۔ ص ۶۱۴/ مدارج النبوت۔ جلد دوم ص ۳۲۴/ سیرت النبیؐ کامل۔ ص ۲۳۵/ مختصر سیرۃ الرسولؐ ص ۴۲۴)

''اس میں شبہ نہیں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اس غزوہ میں صلوٰۃِ خوف

پڑھی۔ صحیح مسلم کی روایت لکھی ہے اور کئی صحابہ سے صحیح روایتیں اس باب میں ہیں اور اصحاب سیر بھی یہی لکھتے ہیں مگر علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ امام احمد اور اصحاب سنن ابو عیاش الزرقی رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف پہلے پہلے غزوۂ عسفان میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پڑھی ہے (اصح السیر۔ ص ۱۲۷)

۱۱ــــ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۰۸، ۱۰۹۔

"انوار محمدیہؐ" میں ہے کہ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئی تھیں مگر لڑائی نہ ہوئی مگر "اسوۃ الرسولؐ" میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنے چار سو صحابہ رضؓ کے ہمراہ وہاں پہنچے تو دشمن ڈر کر پہاڑوں میں چھپ گئے حتیٰ کہ آپؐ ایک ہفتہ وہاں ٹھہرنے کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ (اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۵۲۲، ۵۲۳)

۱۲ــــ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۳۲۵/ نبیٔ رحمتؐ۔ ص ۲۴۷، ۲۴۸/ الرحیق المختوم ص ۶۱۵/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۴۲۴، ۴۲۵۔

یہ شخص قبیلۂ بنو محارب کا تھا اور اس کا نام غورث کہا جاتا ہے۔ یہ شخص اپنی قوم غطفان اور محارب سے قتل کے ارادے سے آیا تھا۔ (سیرت النبیؐ کامل۔ جلد دوم۔ ص ۲۳۷)

۱۳ــــ عبد الرحمٰن جامی۔ شواہد النبوۃ۔ ص ۱۳۹، ۱۴۰/ رسالتمآبؐ ص ۲۶۴/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۴۲۵۔

کہتے ہیں کہ اس اونٹ کی قیمت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اوقیہ سونا مقرر کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضؓ کو ایک اوقیہ سونے سے کچھ زیادہ سونا دینے کے بعد اونٹ بھی انہیں دے دیا۔ حضرت جابر رضؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم جب تک یہ سونا میرے پاس رہا، برابر بڑھتا رہا۔ (سیرت

النبیؐ کامل۔ جلد دوم۔ ص ۲۳۸، ۲۳۹)

۱۴ــــ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۶۴/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۳۲۴، ۳۲۵/ سیرت النبیؐ کامل۔ ص ۲۳۷، ۲۳۸۔

۱۵ــــ عباد بن بشر انصاری کا شمار اکابر صحابہ رضؓ میں ہوتا ہے۔ آپؓ کا تعلق قبیلہ بنو عبد الاشہل سے تھا۔ اور آپؓ بھی حضرت سعد کی تحریک پر اسی دن مسلمان ہو گئے تھے۔ آپؓ نے بدر سے تبوک تک تمام غزوات میں بھرپور حصہ لیا۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک رات حضرت عباد رضؓ بن بشیر حضرت اسید بن حضیر کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپؐ کی اقتدا میں عشا کی نماز پڑھی۔ پھر کچھ دیر تک آپؐ کے پاس رہے اور جب واپس گھروں کو روانہ ہوئے تو سخت اندھیرا تھا اور کافی رات گزر چکی تھی۔ دونوں کے ہاتھ میں عصا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصت ہوتے تو ایک کا عصا روشن ہو گیا اور اس کی روشنی میں دونوں چلتے رہے۔ جب دونوں کا راستہ جدا ہوا تو دونوں کے عصا روشن ہو گئے اور دونوں اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا اور ان دونوں بزرگوں کی کرامت۔

آپؓ نے مرتدین کے خلاف بھرپور جہاد کیا اور مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں بہت بہادری سے لڑے یہاں تک کہ مرتدوں نے ان پر نیزوں اور تیروں کی بارش کر دی جس سے آپؓ شہید ہو گئے۔ اس وقت آپؓ کی عمر ۴۵ سال تھی۔ (عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۲۱۵)

۱۶ــــ عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۲۱۴، ۲۱۵/ اصح السیر۔ ص ۱۲۷/ الرحیق المختوم ص ۶۱۶/ سیرت النبیؐ کامل۔ جلد دوم۔ ص ۲۳۹ ــ ۲۴۱۔

۱۷ــــ الرحیق المختوم۔ ص ۶۱۶، ۶۱۷۔



غزوۂ بنو مصطلق

یہ غزوہ شعبان کی دو تاریخ کو سوموار کے دن سن پانچ ہجری میں واقع ہوا[1] الوفا میں ہے کہ بنی مصطلق ایک کنویں کا نام ہے[2] شبلی کے مطابق "خزاعہ کا ایک خاندان بنو المصطلق کہلاتا تھا۔ وہ مقام مریسیع میں جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل ہے آباد تھا[3]۔

"ماہِ رجب ۵ھ ہجری میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ خزاعہ کا ایک قبیلہ بنو مصطلق جس کا مرکزی مقام چشمۂ مریسیع ہے، مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری کر رہا ہے اور اس کے رئیس حارث بن ابی ضرار نے اپنے زیرِ اثر عرب قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بریدہ اسلمیؓ کو بھیج کر تحقیقات کرائی تو معلوم ہوا کہ یہ خبر صحیح ہے۔ اس لیے آپؐ نے ان کی سرکوبی کرنا ضروری سمجھا"[5]

"پیغمبرِ عالم" میں طبقات کے حوالے سے لکھا ہے کہ حارث بن ابی ضرار نے جب مدینہ منورہ پر حملہ کا ارادہ کیا تو اس نے اپنی قوم اور ان عربوں کو جن پر اس کا اثر و رسوخ تھا، ساتھ ملانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود جنگ کی دعوت دی تھی[6]

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور غزوات میں پہلی مرتبہ امہات المومنین میں سے حضرت عائشہؓ اور حضرت اُم سلمہؓ کو اپنے ساتھ لیا[7]

۲ شعبان کو فوجیں مدینہ سے روانہ ہوئیں۔ مریسیع میں خبر پہنچی تو حارث کی جمعیت منتشر ہو گئی اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا لیکن مریسیع میں جو لوگ آباد تھے، انہوں

نے صف آرائی کی اور دیر تک تیر برساتے رہے، مسلمانوں نے دفعۃً ایک ساتھ حملہ کیا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے[8]

تمام سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ کفار کے دس آدمی مارے گئے[9] اور مسلمانوں کا صرف ایک آدمی شہید ہوا[10] تقریباً چھ سو افراد گرفتار ہوئے[11] "مواہب اللدنیہ" میں ہے کہ قیدیوں کی تعداد سات سو سے زیادہ تھی[12] "الوفا" کے مطابق مردوں اور عورتوں کے ساتھ ان کی اولاد و عیال کو بھی جو دو سو گھروں پر مشتمل تھی، گرفتار کر لیا گیا[13] اور مجموعی طور پر دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں مالِ غنیمت میں ملیں[14] بنو المصطلق کے قیدیوں میں رئیس بنو المصطلق حارث بن ابی ضرار کی بیٹی برہ بھی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام برہ سے بدل کر جویریہ رکھا تھا۔ انہیں بعد میں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا[15] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی پر مسلمانوں نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سسرالی خاندان والوں کو ہم کس طرح قیدی بنائیں۔ اس طرح حضرت جویریہؓ اپنے قبیلہ کے لیے وجہِ خیر و برکت اور باعثِ عزت و عظمت بنیں[16] قبیلہ "بنی مصطلق نے برہ (حضرت جویریہؓ) کے رشتہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسنِ خُلق اور آپؐ کے اصحابؓ کا یہ باعزت معاملہ دیکھ کر بے حد مسرت کا اظہار کیا۔ اور فوراً تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا"[17]۔ بعد میں حارث بن ابی ضرار بھی مسلمان ہو گئے[18] واقعہ افک اسی بنو المصطلق کی واپسی پر پیش آیا[19]

حواشی

۱ـــــ عبد الکریم غزال۔ الغزوات الکبریٰ و معارک الفتح فی العراق والشام و مصر۔ (عربی) الدار الشرقیہ للطباعۃ والنشر "ایبا" (بیروت) ص ۱۰۸/ انوارِ محمدیہ۔ ص ۱۰۹/ سیرتِ محمدیہ۔ ترجمہ "مواہب اللدنیہ"۔ ص ۳۹۸/ عبد الصمد رحمانی، مولانا۔ پیغمبرِ عالم۔ ص ۴۱۲۔

۲ ——— الوفا۔ ص ۷۲۲۔

۳ ——— شبلی۔ سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۸۶۔

۴ ——— کچھ کتابوں مثلاً سلمان منصورپوری کی رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۹۱، انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۰۹، سیرتِ محمدیہؐ۔ ص ۳۹۹، سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۲۴۶ اور نبی کریمؐ کی معاشی زندگی از نور محمد غفاری، ص ۲۲۱ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بریدہ بن الحصیب الاسلمی کو تحقیق کے لیے بھیجا تھا مگر عبدالصمد کی کتاب پیغمبرِ عالمؐ (ص ۴۱۱) میں یہ نام یزید بن خصیب اور شبلی کی کتاب سیرت النبیؐ جلد اوّل (ص ۳۸۶) میں حضرت زیدؓ بن خصیب لکھا ہے۔

۵ ——— سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک ص ۲۴۶/ الوفا۔ ص ۷۲۲/ عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۲۵۲/ حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ رسولِ کریمؐ۔ ص ۱۱۵۔

۶ ——— پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۴۱۱/ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۰۹/ ادارۂ "در راہِ حق"۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ۔ ص ۸۴۔

۷ ——— سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۲۴۶، ۲۴۷/ سیرتِ محمدیہؐ۔ ص ۳۹۹/ عہدِ نبوی کے نادر واقعات۔ ص ۲۵۲/ رسولِ کریمؐ۔ ص ۱۱۶

۸ ——— شبلی۔ سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۸۷/ الوفا۔ ص ۷۲۲/ رسولِ کریمؐ ص ۱۱۶/ جوامع السیرت۔ ص ۲۱۴/ ادارۂ در راہِ حق۔ قم (ایران) حضرت محمد مصطفیٰؐ۔ ص ۸۴۔

۹ ——— سیرتِ محمدیہؐ۔ ص ۳۹۹/ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۱۰/ سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۸۷/ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک ص ۲۴۷/ پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۴۱۲/ الوفا۔ ص ۷۲۲/ عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۲۵۲/ رسولِ کریمؐ۔ ص ۱۱۶

۱۰ ——— الوفا۔ ص ۷۲۲/ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۱۰/ سیرتِ محمدیہ۔ ص ۳۹۹۔

بنو المصطلق کے اس واقعہ پر سیرت کی کئی کتابوں میں کسی ایک مسلمان کی شہادت کا بھی ذکر نہیں ملتا اور جن کتابوں میں ایک شخص کی شہادت کا ذکر ہے۔ وہ بھی شہید کا نام نہیں لکھتے۔ (سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۸۷/ پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۴۱۳/ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک ص ۲۴۷)

علی اصغر چودھری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ غزوۂ بنی المصطلق میں مسلمانوں میں سے بنو کلب بن عوف کے ایک آدمی جنہیں ابنِ صبابہ کہا جاتا تھا۔ عبادہؓ بن صامت کے گروہ کے ایک انصاری کے ہاتھ سے مارے گئے۔ انصاری نے انہیں دشمن سمجھا اور غلطی سے قتل کر دیا۔ (علی اصغر چودھری۔ عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۲۵۱/ جوامع السیرت۔ ص ۲۱۵)

راجا محمد شریف اپنی کتاب "شہدائے عہدِ نبویؐ" میں اس شہید کا نام حضرت ہشامؓ بن صبابہ یا حضرت ہشامؓ بن حزن بن سیار لکھتے ہیں۔ ابو سعید اسکری کی روایت کے مطابق حضرت ہشام کے والد کا نام حزن اور والدہ کا نام صبابہ بنت مقیس بن قیس تھا۔ آپ غزوۂ مریسیع میں شریک ہوئے تھے۔ اسی غزوہ میں آپؓ کو قبیلہ خزرج کی شاخ بنی عوف کے حضرت عبادہؓ بن صامت نے مشرک سمجھ کر قتل کر دیا۔" (شہدائے عہدِ نبویؐ۔ ص ۲۲۵)

۱۱ ——— سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۸۷/ پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۴۱۲/ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۲۴۷/ نور محمد غفاری، ڈاکٹر۔ نبی کریمؐ کی معاشی زندگی۔ ص ۲۲۱۔

علی اصغر چودھری کے مطابق سات سو آدمی تھے۔ (عہدِ نبوی کے نادر واقعات ص ۲۵۲) مگر عبدالمجید سوہدروی کے مطابق قیدیوں کی تعداد صرف ایک سو نوے تھی (رہبرِ کاملؐ۔ ص ۱۴۵)

۱۲ ——— سیرتِ محمدیہؐ ترجمہ مواہب اللدنیہ۔ ص ۳۹۹۔

۱۳ ——— الوفا۔ ص ۷۲۲

۱۴ـــــ سیرتِ محمدیہ۔ ص ۳۹۹/ سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۸۷/ الوفا۔ ص ۷۲۳
انوارِ محمدیہ۔ ص ۱۱۰/ پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۴۱۳/ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۲۴۷/
نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد چہارم۔ ص ۴۰۲/ نبیؐ کریم کی معاشی زندگی۔ ص ۲۲۱/
رسولِ کریمؐ۔ ص ۱۱۶۔

۱۵ـــــ الوفا۔ ص ۷۲۲، ۷۲۳/ سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۹۰، ۳۹۱/ پیغمبرِ
عالمؐ۔ ص ۴۱۳، ۴۱۴/ نبیؐ کریم کی معاشی زندگی۔ ص ۲۲۲/ ابنِ قیم جوزی۔ اسوۂ
حسنہ۔ ص ۲۴۱/ سیرتِ محمدیہؐ۔ ص ۲۸۵/ جوامع السیرت۔ ص ۲۱۵/ رسولِ
کریمؐ۔ ص ۱۱۷

۱۶ـــــ الوفا۔ ص ۷۲۳/ سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۹۱/ پیغمبرِ عالمؐ۔ ص ۴۱۳،
۴۱۴/ تاریخ المدینۃ المنورہ۔ ص ۱۸۹، ۱۹۰/ سیرتِ محمدیہ۔ ص ۲۸۵/ ابنِ قیم
جوزی۔ اسوۂ حسنہ۔ ص ۲۴۱۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا۔ "جویریہؓ کے سوا مجھے کسی ایسی خاتون کا علم نہیں ہے جس سے اس کی قوم کو اتنا فائدہ پہنچا ہو کہ اس کی وجہ سے سیکڑوں گھرانوں کو آزادی نصیب ہوئی ہو۔" (عبدالمجید سوہدروی۔ رہبرِ کاملؐ۔ ص ۵۰، ۵۱/ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۲۴۸/ سیرتِ محمدیہؐ۔ ص ۲۸۵)

سلمان منصور پوری مختصراً یوں ذکر کرتے ہیں کہ "دشمن کو شکست ہوئی قیدی سب چھوڑ دیئے گئے"۔ (رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۹۱/ الرحیق المختوم۔ ص ۴۴۶)

۱۷ـــــ رسولِ کریمؐ۔ ص ۱۱۷۔

۱۸ـــــ الرحیق المختوم۔ ص ۴۴۶/ رسولِ کریمؐ۔ ص ۱۱۷/ جوامع السیرت۔ ص ۲۱۴/
سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۲۴۸/ نور محمد غفاری۔ نبیِ کریمؐ کی معاشی زندگی
ص ۲۲۲

۱۹ـــــ سیرتِ محمدیہ۔ ص ۴۰۰/ سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۹۱/ الرحیق المختوم
ص ۴۴۴/ عبدالعزیز ہزاروی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۲۳۶-۲۴۱

غزوۂ خندق

غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب کے سلسلے میں دوشنبہ یعنی پیر کا ذکر دو جگہ آتا ہے۔ ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیر کے دن خندق کے مقام پر پہنچے اور دوسرے اس کے آخری تین دنوں یعنی دوشنبہ، سہ شنبہ اور چہار شنبہ کو مسجد فتح کے مقام پر اس غزوہ میں کامیابی کی دعا فرمائی جو اللہ تعالیٰ نے قبول کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے تیز آندھی آئی۔ یہ آندھی اتنی شدید تھی کہ کافروں کی ہانڈیاں الٹ گئیں اور ان کے خیمے اکھڑ گئے اور وہ اپنا کچا سامان چھوڑ کر راتوں رات بھاگ گئے [۱]

"غزوۂ خندق جسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔ اواخر شوال ۵ھ میں شروع ہوا۔ اس کے جاری رہنے کی مدت کے بارے میں اختلاف ہے۔ طبقاتِ ابنِ سعد میں ایک روایت ہے کہ محاصرہ چوبیس راتیں جاری رہا۔ دوسری روایت میں ہے کہ محاصرے میں پندرہ راتیں گزریں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ۸، ذی قعدہ کو پیر کے دن خندق پر پہنچے اور چہار شنبہ کو خندق سے اٹھ کر مدینہ منورہ آ گئے۔ اس وقت ماہ ذی قعدہ کے اختتام پر سات راتیں باقی تھیں۔ گویا اصل غزوہ ۸، ذی قعدہ ۵ھ کو شروع ہوا۔ ۲۳ ذی قعدہ ۵ھ کو ختم ہو گیا" [۲]

مولوی الحق النبی علوی تقویمی حساب کے مطابق کہتے ہیں۔ ابنِ سعد کا بیان ہے "اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) دوشنبہ کے دن ۸ ذلیقعدہ کو نکلے اور مشرکین نے پندرہ راتیں محاصرہ کیا اور رسولؐ اللہ چہار شنبہ کو جب کہ ذلیقعدہ کی سات راتیں باقی تھیں، واپس تشریف لائے" اوّل تو یہ واقعہ ذی قعدہ کا نہیں بلکہ اس سے متقدم مہینے یعنی شوال کا ہے جس پر موسمی قرائن موجود ہے۔ دوسرے یہ کہ بالفرض اگر اس کو ذی قعدہ کا واقعہ تسلیم کر بھی لیا جائے۔ اور یہ بھی مان لیا جائے کہ ۸ ذلیقعدہ

کو دوشنبہ کا دن تھا، تو اس سے پندرہ دن کے بعد ۲۲ ذیقعدہ کو پھر دوشنبہ کا ہی دن ہوگا نہ کہ چہار شنبہ کا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقدی اور ابنِ سعد کے یہاں غزوۂ خندق اور غزوۂ بنو قریظہ کی تاریخیں مخلوط ہو گئی تھیں۔[4]

غزوۂ خندق کے واقعے کا اصل محرک یہ تھا کہ ربیع الاوّل ۴ ہجری میں بنو نضیر[5] کو غداری اور سازشوں کی وجہ سے مدینہ سے جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ بنو نضیر مدینے سے نکلنے کو تو نکل گئے مگر خیبر پہنچ کر انہوں نے اپنی سازشوں کا جال سارے ملک عرب میں پھیلا دیا۔ ان کے رئیسوں نے مکّہ جا کر قریش کو تیار کیا۔ قبیلۂ غطفان کو خیبر کی آدھی پیداوار کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملایا۔ بنی اسد ان کے حلیف تھے۔ وہ بھی اٹھے غرض سب ملا کر دس ہزار کی بھاری فوج مدینہ کی سمت روانہ ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کا پتا چلا تو مسلمانوں سے مشورہ کیا مسلمانوں کو احد کی لڑائی کا تجربہ ہو چکا تھا۔ حضرت سلمان ؓ فارسی ؓ چونکہ ایران کے تھے اس لیے ایران کے جنگی طریقوں سے کچھ واقف تھے۔ انہوں نے رائے دی کہ شہر کے تین رخ تو مکانوں اور نخلستان سے گھرے ہوئے ہیں صرف ایک طرف کھلا ہوا ہے۔ ادھر خندق (کھائی) کھود لی جائے تاکہ دشمن اس سمت سے شہر میں گھسنے نہ پائیں۔ یہ رائے سب نے مان لی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ باہر نکلے، اور خندق کھودنے کی تیاری شروع کی۔ تین ہزار متبرک ہاتھوں نے بیس دن میں یہ کام پورا کیا۔ اور اس طرح پورا کیا کہ خود خدا کا رسول ؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی ان میں عام مزدوروں کی طرح کام کر رہا تھا۔ کئی کئی دن فاقے سے گزر رہے تھے۔ اس پر بھی اسلام کے شیدائیوں کا جوش ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا۔ ہاتھوں سے مٹی کھودتے اور پیٹھوں پر اس کو لاد لاد کر پھینکتے تھے۔ اور آواز میں آواز ملا کر یہ شعر گاتے تھے۔

"ہم ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر اس عہد پر بیعت کی ہے کہ جب تک جان میں جان ہے، ہم خدا کی راہ میں لڑتے جائیں گے۔"

دشمن اب قریب آگیا تھا۔ اس کے قریب آنے کی خبریں سن سن کر بزدل منافقوں

کے ہوش اڑے جا رہے تھے۔ جھوٹے بہانے کر کر کے اپنے گھرانوں کو لوٹ رہے تھے یہود کا اب صرف ایک تیسرا قبیلہ بنو قریظہ جو مدینہ کے پاس رہتا تھا۔ اس کی روش بھی صاف نہ تھی۔ اس لیے دو سو آدمیوں کا دستہ ان کی دیکھ بھال کے لیے الگ کر دیا گیا۔

بنو قریظہ اب تک کھل کر سامنے نہیں آتے تھے۔ بنی نضیر کا یہودی سردار حیی بن اخطب جواب خیبر جا بسا تھا، دشمنوں کی فوج کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے بنو قریظہ کے سردار کو، جو مسلمانوں سے معاہدہ توڑنے پر اس لیے آمادہ نہیں ہو رہا تھا کہ یہ باہر کے لوگ تو چلے جائیں گے۔ پھر مسلمانوں کو اکیلے ہمیں سے نبٹنا پڑے گا۔ یہ کہہ کر ملا لیا کہ میں اس وقت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف سارے عرب کو اٹھا رہا ہوں، ان کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کا موقع پھر اس سے بہتر ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس دلیل سے لاچار ہو کر وہ بھی دشمنوں سے مل گیا اور حیی نے اس کو یقین دلایا کہ اگر قریش اور غطفان تم کو بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے جائیں گے تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔

کفار بیس روز تک مدینہ کے گرد گھیرا ڈالے پڑے رہے اور شہر پر حملہ کرنے کی کوئی راہ نہیں پاتے تھے، ایک جگہ خندق کی چوڑائی کم تھی، ایک دن انہوں نے بڑی تیاری کر کے اسی رخ سے حملہ کرنا چاہا۔ عمرو بن عبدوُد جو قریش کا سب سے بڑا بہادر تھا گھوڑا کود اکر اس پار گیا۔ ادھر سے ذوالفقار والا ہاتھ بڑھا اور ایک ہی وار میں تلوار شانہ تک اتر آئی۔ حضرت علی ؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔

حملہ کا یہ دن بڑا سخت گزرا، دشمن ہر طرف سے تیر اور پتھر برسا رہے تھے۔ مسلمان عورتیں جس قلعہ میں محفوظ تھیں، وہ بنی قریظہ کے پاس تھا۔ بنو قریظہ نے یہ دیکھ کر مسلمان تو ادھر پھنسے ہیں، ادھر اس خالی قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک پر پہنچ چکا تھا کہ حضرت زبیر کی ماں صفیہ ؓ[9] نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں، آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر میدان میں پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر بنی قریظہ سمجھے کہ قلعہ میں کچھ فوج ہے۔ اس لیے ادھر ہمت نہ کی۔

محاصرہ جتنا طول پکڑتا جاتا تھا۔ دشمنوں کا میل ملاپ آپس میں کم ہوتا جاتا تھا۔ غطفان کا قبیلہ مدینہ کی کچھ پیداوار سالانہ لے کر لوٹنے پر آمادہ تھا۔ اس کے ایک رئیس[11] نے (جو درپردہ مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر ان کا مسلمان ہونا ابھی سب کو معلوم نہ تھا) قریش اور یہود سے جا کر الگ الگ ایسی باتیں کیں جس سے دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ خدا کا کرنا کہ انہی دنوں میں ایک رات کو ایک ایسی آندھی چلی کہ دشمنوں کے خیموں کی رسیاں اکھڑ گئیں، کھانے کی ہانڈیاں چولہوں پر الٹ پلٹ جاتی تھیں۔ سردی میں ہوا کی تیز باڑھ نے بھی کفار کے دل کپکپا دیئے۔ ان سب باتوں نے مل جل کر ساتھی فوجوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ بنی قریظہ ان کا ساتھ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے گئے غطفان بھی روانہ ہو گئے۔ یہ دیکھ کر قریش بھی ناچار محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے اور مدینہ کا کنارہ بیس بائیس دن تک غبار میں اٹ کر پھر صاف ہو گیا[11]

"خندق کی کھدائی کے دوران میں بعض ایسے واقعات رونما ہوئے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی دلیل تھے۔ ان میں ایک روایت ہے کہ جب آپؐ نے ہمیں خندق کی کھدائی کا حکم دیا تو ایک چٹان سامنے آ گئی جس پر کدال بھی کارگر نہیں ہوتے تھے۔ ہم نے واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا۔ آپؐ تشریف لاتے اور کدال اٹھایا اور بسم اللہ کہہ کر اس زور سے ضرب لگائی کہ تیسرا حصہ ٹوٹ کر دور جا گرا فرمایا اللہ اکبر مجھے ملکِ شام کی چابیاں دے دی گئی ہیں اور میں وہاں کی سرخ عمارتوں کا نظارہ کر رہا ہوں۔ پھر دوسری ضرب لگائی اور چٹان کا تیسرا حصہ علیحدہ ہو گیا۔ فرمایا بخدا میں مدائن کے سفید محلات دیکھ رہا ہوں۔ پھر بسم اللہ پڑھ کر تیسری ضرب لگائی۔ چنانچہ باقی ماندہ پتھر بھی ٹوٹ گیا۔ اس پر حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا۔ بخدا مجھے یمن کی چابیاں بھی دے دی گئیں اور مجھے صنعا کے دروازے نظر آ رہے ہیں[12]

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھوک کا خیال کیا تو بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور ان کی بیوی نے ایک صاع

(تقریباً ڈھائی کلو) جو پیسا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رازداری کے ساتھ خفیہ طور پر گزارش کی کہ اپنے چند رفقا کے ہمراہ تشریف لائیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام اہلِ خندق کو جن کی تعداد ایک ہزار تھی، ہمراہ لے کر چل پڑے۔ اور سب لوگوں نے اسی ذرا جتنے کھانے سے شکم سیر ہو کر کھایا۔ پھر بھی گوشت کی ہانڈی اپنی حالت پر برقرار رہی اور بھری کی بھری جوش مارتی رہی اور گوندھا ہوا آٹا اپنی حالت پر برقرار رہا۔ اس سے روٹی پکائی جاتی رہی۔ حضرت نعمان بن بشیر کی بہن خندق کے پاس دو مٹھی کھجور لے کر آئیں کہ ان کے بھائی اور ماموں کھالیں گے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزریں تو آپؐ نے ان سے وہ کھجوریں لے لیں اور ایک کپڑے کے اوپر بکھیر دیں۔ پھر اہلِ خندق کو دعوت دی۔ اہلِ خندق انہیں کھاتے گئے اور وہ بڑھتی گئیں یہاں تک کہ سارے اہلِ خندق کھا کھا کر چلے گئے اور کھجوریں تھیں کہ کپڑے کے کناروں سے باہر گر رہی تھیں[13]

اس جنگ میں مسلمانوں کے چھ آدمی شہید ہوئے اور تین کافر مارے گئے۔ [14]

غزوۂ خندق کے شہداء میں بنی عبدالاشہل کے انسؓ بن اوس اور عبداللہؓ بن سہل اور بنی سلمہ بن خزرج کے طفیل[15] بن نعمانؓ اور ثعلبہؓ بن غنمہ اور بنی دینار بن النجار بن الخزرج کے کعبؓ بن زبیر، ان کے علاوہ سعد[16] بن معاذؓ کو بھی غزوۂ خندق کے شہداء میں شمار کیا جاتا ہے کیونکہ غزوۂ خندق میں ایک تیر ان کی شہ رگ میں لگ گیا تھا۔ اسی زخم سے وہ غزوۂ خندق کے ایک ماہ بعد فوت ہو گئے۔

قریش کے مقتولین میں سے بنی عبدالدار کے منبہ بن عثمان[17] بن منبہؓ اور نوفل[18] بن عبداللہ جو بنی مخزوم کے تھے۔ ان کے علاوہ بنی عامر بن لوی کے عمرو[19] بن عبدودؓ اور حسل بن عمرو بن عبدود۔ مگر حسل بن عمرو بن عبدود کے قتل پر اتفاق نہیں[20]

حواشی

۱ — مسجدِ فتح کو مسجدِ احزاب بھی کہتے ہیں، مسجدِ اعلیٰ بھی۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے۔ جابرؓ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ فتح میں پیر، منگل، بدھ تین دن تک دعا فرماتے رہے اور قبولیت کی بشارت پائی۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ جب مجھے کوئی سخت حاجت پیش آتی ہے تو اس وقت مسجدِ فتح کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں اور اجابتِ دعا کی بشارت پاتا ہوں۔ (عبدالحق محدّث دہلوی، شیخ - تاریخ مدینہ۔ ص ۱۵۱)

اس مقدس مسجد کے قرب و جوار میں جو مساجد ہیں، ان کے بارے میں شیخ عبدالحق محدّث دہلوی لکھتے ہیں "پہلی مسجد جو مسجدِ فتح کے قریب قبلہ کی جانب ہے اس کو مسجدِ سلمان فارسیؓ کہتے ہیں اور جو اس مسجد کے پیچھے ہے اس کا مسجدِ علی مرتضیٰؓ نام رکھتے ہیں اور جو مسجد پہاڑ کی جڑ میں ہے اور سب مساجد سے چھوٹی قبلہ کی جانب ہے مسجدِ ابوبکر صدیقؓ کہی جاتی ہے" (ص ۱۵۳) محمد عبدالمعبود نے لکھا ہے کہ "مسجدِ فتح کے قریب قبلہ کی جانب (جنوب کو) پہلی مسجد، مسجدِ سلمان فارسیؓ کے نام سے شہرت پذیر ہے۔ اور اس کے قریب بجانبِ قبلہ جو مسجد ہے اس کا نام مسجدِ علیؓ ہے اور جو مسجد پہاڑ کے دامن میں ہے اور سب سے چھوٹی ہے اس کا نام مسجدِ ابوبکرؓ ہے" (عبدالمعبود، محمد۔ تاریخ المدینۃ المنورہ۔ ص ۳۲۶) منظور احمد شاہ مسجدِ فتح کے قریب والی مساجد کا ذکر یوں کرتے ہیں "مسجدِ سیدنا صدیق اکبرؓ، مسجدِ سیدنا علیؓ ابن ابی طالب، مسجدِ سیدنا سلمان فارسیؓ (یہ مسجد شریف وہاں متعارف نہیں، نہ معلوم کیوں) مسجدِ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ" (مدینۃ الرسول ص ۲۵۴)

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی اور محمد عبدالمعبود نے مسجدِ عمرؓ اور مسجدِ فاطمہؓ کا ذکر نہیں کیا۔ منظور احمد شاہ نے مسجدِ فاطمہؓ کا ذکر تو کیا ہے لیکن مسجدِ عمرؓ کا ذکر انہوں نے بھی نہیں کیا۔ محمد شفیع اوکاڑوی نے "مساجدِ خمسہ" یہ بیان کی ہیں، مسجدِ فتح، مسجدِ ابوبکر صدیق، مسجدِ علی مرتضیٰ، مسجدِ سلمان فارسی اور مسجدِ بنی حرام" (محمد شفیع اوکاڑوی، مولانا۔ راہِ عقیدت - مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی س ن - ص ۱۴۶) مسجدِ بنی حرام کے بارے میں ان کا کہنا درست نہیں، وہ خمسہ یا ستّہ مساجد میں شامل نہیں ہے۔ انہوں نے بھی مسجدِ عمرؓ اور مسجدِ فاطمہؓ کا ذکر نہیں کیا۔ منظور احمد شاہ نے جانے کیسے یہ لکھ دیا ہے کہ مسجدِ سلمان فارسیؓ وہاں متعارف نہیں جبکہ محمد عبدالمعبود کہتے ہیں کہ یہ مسجد، مسجدِ سلمان فارسی کے نام سے شہرت پذیر ہے۔

جاوید جمال ڈسکوی نے مسجدِ عمرؓ کا ذکر تو کیا ہے، مسجدِ فاطمہؓ کا ذکر نہیں کیا۔ (جاوید جمال ڈسکوی۔ میرے حضورؐ کے دیس میں۔ جنگ پبلشرز۔ لاہور اکتوبر ۱۹۹۰۔ ص ۸۳) حکیم محمد محی الدین حسین نے بھی مسجدِ عمرؓ اور مسجدِ فاطمہؓ کا ذکر نہیں کیا۔ (سفرنامہ حرمین شریفین۔ اشاعۃ العلوم حیدر آباد دکن ۱۳۴۳ھ ص ۷۹) ماہر القادری نے اپنے سفرنامے میں مسجد عمر بن خطابؓ گنوائی ہے لیکن مسجدِ فاطمہ کا نام نہیں لیا۔ (کاروانِ حجاز۔ مکتبہ فاران، کراچی۔ س ن۔ ص ۱۵۱) غلام الثقلین نقوی نے لکھا ہے "پانچ مساجد دوسرے نامور صحابہؓ سے معنون ہیں۔ ایک چھوٹی سی مسجد حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے نام سے شرفِ مناسبت رکھتی ہے۔ (ارضِ تمنا۔ مکہ و مدینہ۔ فیروز سنز۔ ۱۹۸۸۔ ص ۹۸)

عام طور پر سیرت نگار بھی اور سفرنامہ نگار بھی ان مساجد کو "خمسہ مساجد" کہتے ہیں۔ میرے والدِ محترم (راجا رشید محمود۔ ایڈیٹر "نعت") نے بتایا کہ مدینہ طیبہ میں بھی انہیں "خمسہ مساجد" ہی کہا جاتا ہے حالانکہ یہ "ستہ مساجد"

ہیں اور محمد سعید اختر نے اپنے سفر نامے "سوئے حرمین" میں درست لکھا ہے کہ "جبلِ سلع کے دامن میں چھ مساجد ہیں جو اس جنگ (غزوۂ خندق) کی یادگار ہیں۔ یہ مساجد غالباً ان مقامات پر تعمیر کی گئی ہیں جہاں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور صحابہ رضؓ کے خیمے تھے۔ بلند ترین مقام پر مسجدِ فتح یا مسجدِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ قریب ہی الٹے ہاتھ مسجدِ سلمان فارسی رضؓ ہے۔ جہاں سے سیدھے ہاتھ سڑک کے ساتھ مسجدِ ابوبکر صدیق رضؓ ہے۔ اس کے بائیں ذرا پیچھے مسجدِ عمر فاروق رضؓ ہے۔ مسجدِ عمر فاروق رضؓ کے عقب میں ایک ننھی سی مسجد ہے جو مسجدِ بی بی فاطمہ رضؓ کہلاتی ہے۔ مسجدِ بی بی فاطمہ رضؓ سے بائیں جانب دامنِ کوہ میں مسجدِ علی رضؓ ہے۔ (سوئے حرمین طاہر پبلی کیشنز، مریدکے ضلع شیخوپورہ۔ ۱۹۸۷۔ ص ۱۰۹)

بریگیڈیر گلزار احمد نے مساجدِ خمسہ کی تفصیل نہیں بتائی (تذکرۂ حجاز۔ مکتبۃ المختار، راولپنڈی۔ ۱۴۰۲ھ۔ ص ۱۹۸) اور نسیم حجازی نے صرف یہ لکھا ہے کہ "جہاں غزوۂ خندق کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضؓ کے خیمے نصب تھے، ترکوں نے وہاں پانچ مسجدیں تعمیر کروادی تھیں"۔ (پاکستان سے دیارِ حرم تک۔ قومی کتب خانہ، لاہور۔ ۱۹۸۴۔ ص ۱۲۹)

میرے والد (راجا رشید محمود) نومبر ۱۹۷۹ء میں زیارتِ حرمین الشریفین کے لیے گئے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ محمد سعید اختر کا بیان درست ہے۔ وہاں چھ مساجد ہیں۔ سب سے اونچے مقام پر سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیمہ تھا اور وہیں مسجدِ فتح ہے۔ اس کے پیروں میں حضرت سلمان فارسیؓ سے منسوب مسجد ہے۔ حضرت علیؓ سے منسوب مسجد سامنے اونچے مقام ہے لیکن یہ مسجدِ فتح سے کم اونچائی پر ہے۔ مسجدِ ابوبکر رضؓ سڑک کے قریب ہے اور وہاں کی موجودہ حکومت نے اس کی کچھ توسیع کرکے اس میں پنکھے وغیرہ بھی لگا دیے ہیں۔ باقی مساجد میں ایسا کوئی انتظام نہیں۔ میرے والد

کہتے ہیں کہ جن حضرات نے اپنی تصانیف میں مسجدِ عمر فاروق رضؓ کا ذکر نہیں کیا، حیرت ہے کہ انہوں نے ایسا کیسے کیا جبکہ میرے والد نے میری دادی جان (مرحومہ) کے ہمراہ اس مسجد میں دوگانہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان سب مساجد میں سے مسجدِ فاطمہ رضؓ زیادہ بے توجہی کی نذر ہو رہی ہے۔

۲ ــــ تاریخِ مدینہ۔ ص ۱۵۱/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۳۰۰/ رسالتمآب۔ حصہ اوّل و دوم۔ ص ۲۵۳/ تاریخ المدینۃ المنورۃ۔ ص ۳۲۴/ حکیم رحمان علی۔ المشاہد۔ ص ۱۱۱۔

۳ ــــ رسولِ رحمتؐ۔ ص ۳۳۷۔

۴ ــــ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۴۷۔

۵ ــــ بنو نضیر یہودِ مدینہ کا ایک قبیلہ تھا جو مسجدِ نبویؐ سے جنوب مشرق کی طرف شہر سے باہر آباد تھا۔ یہ ہر وقت اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ آپؐ ہمارے تین علماء سے اسلام پر گفتگو کرنے کے لیے تشریف لائیں اور ساتھ تین صحابی بھی لے آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعوت قبول فرمالی۔ اور حضرت ابوبکر رضؓ حضرت عمر رضؓ اور حضرت علی رضؓ کو ساتھ لے کر ان کے ہاں چلے گئے۔ یہود نے آپ کے آنے سے پہلے چھت پہ ایک یہودی کو چڑھا دیا تھا اور ہدایت کی تھی کہ جب مسلمان باتوں میں لگ جائیں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک وزنی سل گرا دے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو انہیں اسی دیوار کے ساتھ سائے میں بٹھایا گیا لیکن وحی نے آپؐ کو سازش کی اطلاع دے دی۔ چنانچہ آپ اٹھ کر واپس چلے گئے اور بنو نضیر کو سزا دینے کی سکیم بنانے لگے۔ آپؐ ربیع الاوّل ۴ھ میں صحابہ کا ایک جیش لے کر بنو نضیر کے محلے میں گئے ان کا محاصرہ کر لیا اور پندرہ دن کے بعد اس شرط پر صلح ہوئی کہ یہود ہتھیار چھوڑ جائیں اور جتنا سامان اٹھا سکتے ہیں لے کر

مدینے سے نکل جائیں چنانچہ یہ لوگ خیبر وغیرہ کی طرف چلے گئے (نقوش۔ رسول نمبر جلد ۴۔ ص ۴۰۰۔ مضمون "مہماتِ رسول" از غلام جیلانی برق / محمد ایوب خاں کرنل، ڈاکٹر۔ حیاتِ رسول ۔ ص ۶۸ / غلام نبی حکیم۔ سراپائے اقدس ۔ ص ۹ / خاتون پاکستان (ماہنامہ) کراچی۔ رسول نمبر ۱۹۶۴۔ ص ۱۱۲۔ مضمون "سیرتِ نبوی کی بعض ضروری تاریخیں" از مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی / عبدالحق محدث دہلوی، شیخ۔ تاریخ مدینہ۔ ص ۸۴ / نور بخش توکلی۔ غزوات النبی ۔ ص ۱۲۲ / عطاء اللہ خان عطاء، مولانا۔ رحمتِ عالم ۔ ص ۱۳۲ / عبدالباری۔ رسولِ کریم کی جنگی اسکیم۔ ص ۸۹، ۹۷ / عمر ابوالنصر۔ رسولِ عربی ۔ ص ۱۴۲ / شبلی نعمانی۔ سیرۃ النبی ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۸۳ — ۳۸۷ / نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر۔ پیغمبرِ اعظم وآخر ۔ ص ۵۳۶ — ۵۳۸ / قوسِ قزح ۔ ص ۳۷ — ۳۹۔

۲ —— حضرت سلمان رض کا اصل نام مابہ تھا..... مسلمان ہونے پر آپؓ کا نام سلمانؓ رکھا گیا۔ کنیت ابوعبداللہ ہے اور "سلمان الخیر" کے لقب سے مشہور ہیں ایک دفعہ لوگوں نے آپؓ سے حسب ونسب کی بابت دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ میرا نام سلمان بن اسلام ہے۔ (محمد احمد پانی پتی۔ غلامانِ محمد۔ ص ۸۴)

حضرت سلمان فارسیؓ اصبہان کی بستی جیؔ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد اپنے علاقے کے سب سے بڑے کسان تھے۔ باپ کو سلمانؓ سے بہت محبت تھی۔ اس لیے سلمانؓ ہر وقت لڑکیوں کی طرح گھر کے اندر رہتے اور ہر وقت آگ کو پوجتے رہتے۔ اسے ایک لمحہ کے لیے بھی نہ بجھنے دیتے ایک دن باپ نے کہا کہ میں گھر کی مرمت میں مصروف ہوں۔ آج تم زمینوں کی دیکھ بھال کے لیے چلے جاؤ۔ یہ گھر سے نکلے۔ راستے میں ایک گرجے کے پاس سے گزر رہے۔ گرجے میں لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھ کر تعجب اور رغبت ہوئی۔ اور یہ دین انہیں اپنے دین سے بہتر لگا۔ اب یہ گھر سے سچے دین کی تلاش میں نکلے۔ جگہ جگہ کئی مذاہب اختیار کرتے اور کئی ملکوں

میں پھرتے رہے مگر کسی طرح سکون نہ مل سکا۔ آخر ایک شخص نے مرتے وقت کہا اے بیٹے! لوگوں میں کوئی ایسا شخص نہیں جو اس دین پر صحیح کرتا ہو، جس پر ہم ہیں۔ لہذا میں تجھ کو کہاں بھیجوں۔ ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر مبعوث ہونے والے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زمانہ قریب ہے۔ وہ عرب کی سرزمین سے مہاجر ہو کر دو پہاڑوں والی زمین کی طرف جائیں گے جن کے درمیان نخلستان ہے۔ ان کے لیے یہ نشانیاں ہوں گی وہ ہدیہ کھائیں گے صدقہ نہیں کھائیں گے اور ان کے دونوں کندھوں کے درمیان مُہرِ نبوّت ہے اگر تم میں استطاعت ہو تو اس علاقہ میں ان سے ملاقات کرنا۔ پھر وہ آدمی فوت ہو گیا۔ اس کو دفنانے کے بعد حضرت سلمان رض اس نشانی والی زمین مدینہ منورہ تک پہنچ گئے۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا۔ حضرت سلمان رض فارسی آپؐ کو یاد کر کے روتے رہتے تھے۔ آخر خدا تعالیٰ کو ان پر رحم آ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ ابھی آپ قبا میں ہی مقیم تھے کہ حضرت سلمان رض کو آپؐ کی آمد کی خبر پہنچی۔ شام کو حضرت سلمان رض قبا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور نبوت کی تمام نشانیاں آپؐ میں پائیں۔ اور جس سکون کی تلاش میں وہ جگہ جگہ پھر رہے تھے وہ ایک لمحہ میں حاصل ہو گیا۔ اب ان کے مالک نے کہا کہ سلمانؓ کی آزادی کے بدلے میں تین سو کھجور کے پودے منگوانا چاہتا ہوں جن میں سے ایک بھی ضائع نہ ہو اور اس کے علاوہ چالیس اوقیہ سونا چاہتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ کے لیے اپنے ہاتھ سے تین سو پودے لگائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں کے لگائے ہوئے پودے درخت بن گئے یعنی ایک پودا بھی ضائع نہ ہوا اس کے علاوہ کبوتری کے انڈے جتنا سونا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

میں پیش کیا گیا تو حضرت سلمان رض نے عرض کیا۔ یہ ادائیگی سے کم لگتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک اس سونے پر لگائی تو سونا پورا ہو گیا۔ (سیرتِ دحلانیہ۔ ص ۳۲۷ — ۳۲۸/ جامی، شواہد النبوۃ۔ ص ۱۱۹-۱۲۱ (مترجم بشیر حسین ناظم)/ سعید احمد، مولانا۔ غلامانِ اسلام۔ ص ۲۹ - ۳۲/ محمد احسد پانی پتی۔ غلامانِ محمدؐ۔ ص ۸۴ — ۹۱/ قوسِ قزح۔ ص ۲۲، ۲۳/ محمد عنایت احمد کاکوروی۔ تواریخِ حبیبِ الٰہ۔ ص ۶۵، ۶۶/ محمد عبدالمعبود۔ تاریخ المدینۃ المنورۃ ص ۱۸۳/ ابوالنصر منظور احمد شاہ۔ مدینۃ الرسولؐ۔ ص ۳۰۰-۳۰۹)

حضرت سلمان فارسی رض جب قبا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فارسی زبان میں آپ سے گفتگو کی۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترجمانی کے فرائض انجام دینے کے لیے ایک یہودی کو بلوا بھیجا۔ حضرت سلمان رض نے اپنی زبان فارسی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کی اور یہودیوں کی مذمت کی۔ یہودی نے ترجمہ کرتے ہوئے کہا کہ سلمان رض آپ کے خلاف باتیں کر رہا ہے اور یہودیوں کی تعریفیں کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے صحیح ترجمہ نہیں کیا اس نے ایسے ایسے کہا ہے۔ یہ سن کر یہودی نے اسلام قبول کر لیا اور کہا کہ آپؐ کی اس بات سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اس طرح حضرت سلمان رض کے ساتھ ایک اور شخص نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریلؑ سے فرمایا کہ سلمان رض کو عربی سکھائیں۔ حضرت جبریلؑ نے کہا۔ آپؐ ان سے کہیں کہ اپنی آنکھیں بند کر کے منہ کھول دیں۔ سلمان رض نے ایسا ہی کیا تو حضرت جبریلؑ نے ان کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالا تو سلمان رض فصاحت سے عربی بولنے لگے۔ (سیرتِ دحلانیہ۔ ص ۳۳۵، ۳۳۶/ شواہد النبوّۃ (اردو ترجمہ) ص ۱۲۰)

خندق کی کھدائی کے وقت "ہر دس آدمیوں کے لیے دس گز زمین حصہ میں آئی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ دس آدمیوں کے برابر کام کرتے تھے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ روزانہ پانچ گز کھودتے تھے اور اس کی گہرائی بھی پانچ گز ہوتی تھی۔ مہاجرین و انصار حضرت سلمان رض کے بارے میں نزاع کرنے لگے ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ سلمان رض ہمارے ساتھ شامل ہو کے کام کریں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سلمان رض ہمارے اہلِ بیت میں سے ہیں (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۲۹۲/ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۴۳/ اصح السیر۔ ص ۱۴۴/ شیخ محمد رضا محمد رسول اللہؐ۔ ص ۴۴۶، ۴۴۷/ حکیم رحمان علی۔ المشاہد۔ ص ۱۰۵)

سلمان رض فارسی کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ تین لڑکیاں تھیں، ایک اصفہان میں اور دو مصر میں بیاہی گئیں۔ (فضل احمد عارف، علامہ۔ سیرتِ سلمان رض۔ ص ۱۲۸/ غلامانِ محمد۔ ص ۹۸)

حضرت سلمان رض کی عمر کے متعلق اربابِ سیر و تاریخ نے عجیب و غریب روایتیں لکھی ہیں۔ صاحبِ اصابہ فرماتے ہیں کہ" اس میں تو کسی کو شک نہیں کہ حضرت سلمان رض کی عمر ڈھائی سو برس تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے اسّی برس عمر پائی تھی (غلامانِ اسلام۔ ص ۳۷/ سیرتِ سلمان رض۔ ص ۱۲۷، ۱۲۸/ غلامانِ محمد۔ ص ۹۹)

اس وقت مدینہ منورہ میں سخت سردی کا موسم تھا۔ غذائی سامان کی کمی تھی پھر خندق کھودنے کے لیے نہ نوکر موجود تھے نہ مزدور۔ راہِ حق کے جن مجاہدوں کو عساکرِ احزاب کی بلاتے بے درماں سے لڑنا تھا، انہی کو خندق تیار کرنا تھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کام کی اہمیت کے پیشِ نظر بہ نفسِ نفیس موقع پر موجود تھے بلکہ آپ کے لیے خیمہ جبل ذباب پر لگ گیا تھا۔ آپ صحابہ کرام رض کے برابر خندق کھودنے اور مٹی باہر نکالنے کا کام انجام دیتے تھے جیسا کہ مختلف روایات سے واضح ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسلسل نگرانی، شب بیداری اور محنت و مشقت سے چور ہو کر تھوڑی دیر آرام کے لیے لیٹ گئے اور نیند آگئی تو حضرت ابوبکر رض اور

حضرت عمرؓ سرہانے کھڑے ہو گئے تاکہ لوگوں کو پاس نہ آنے دیں، نہ پاس سے گزرنے دیں۔ مبادا حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آرام میں خلل آئے۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ کپڑوں میں مٹی اٹھا اٹھا کر باہر ڈالتے تھے۔" (رسولِ رحمتؐ۔ ص ۳۴۰)

۸ —— ابوطلحہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھوک کا شکوہ کیا۔ اور اپنے شکم کھول کر ایک ایک پتھر دکھلایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا شکم کھول کر دو پتھر دکھلائے (الرحیق المختوم۔ ص ۲۹۲/ شبلی۔ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل۔ ص ۳۹۶)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی ایک سنّت پر بہت زیادہ زور دینے والے حضرات کو یاد رکھنا چاہیے کہ پیٹ پر دو دو پتھر باندھنا بھی سنّت ہے بلکہ پیٹ کو اس قابل رکھنا کہ اس پر پتھر باندھے جا سکیں، بھی سنّت ہے۔

۹ —— شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۰۰/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۴۱۹، ۴۲۰/ مصطفیٰ خان بی اے۔ غزواتِ نبویؐ۔ ص ۵۳/ شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہ۔ ص ۴۵۰، ۴۵۱/ پیغمبرِ انسانیت۔ ص ۴۴۶، ۴۴۷/ رسولِ رحمتؐ۔ ص ۳۵۱/ رسولِ کائنات۔ ص ۱۵۲/ المدینۃ المنورۃ۔ ص ۲۶۲

مفتی عزیز الرحمٰن "رسالتمآبؐ" میں لکھتے ہیں کہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ بھی غزوۂ خندق میں عورتوں کے پاس موجود تھیں۔ (رسالتمآبؐ۔ حصہ اوّل و دوم۔ ص ۲۴۷)

اور حضرت عائشہؓ کے بارے میں ہے کہ وہ سعدؓ بن معاذ کی والدہ کے ساتھ بنو حارثہ کے قلعہ میں تھیں اور یہ مدینہ کے تمام قلعوں سے محفوظ تر تھا۔ (جوامع السیرۃ۔ ص ۱۹۸)

اس کے علاوہ اس جنگ میں "رفیدہ" نامی ایک خاتون کا ذکر بھی ہے جو غزوۂ خندق میں زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔ ابنِ سعد نے رفیدہ کے ذکر

میں لکھا ہے کہ اُن کا خیمہ، خیمہ نبویؐ کے پاس تھا۔ اسی میں وہ بیماریوں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔ حضرت سعدؓ کا علاج بھی انہوں نے کیا مگر وہ ایک ماہ بعد فوت ہو گئے۔ (شبلی۔ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل۔ ص ۴۰۳، ۴۰۴ (متن اور حاشیہ) توکلی۔ غزواتُ النبیؐ۔ ص ۱۲۴/ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۹۸۔

حضرت رفیدہؓ نے زخمی مسلمانوں کے لیے خود کو وقف کر دیا تھا۔ جب حضرت سعدؓ دشمن کے تیر سے زخمی ہو گئے تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صحابہؓ کو حکم دیا تھا کہ انہیں رفیدہؓ کے خیمہ میں داخل کر دو تاکہ نزدیک رہنے سے میں آسانی سے ان کی عیادت کرتا رہوں۔ (شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۴۶۱)

۱۰ —— بنو غطفان کے نعیم بن مسعود بن عامر اشجعی نے غزوۂ خندق کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا۔ اور کفار میں پھوٹ ڈلوا دی تھی۔ (الرحیق المختوم۔ ص ۵۰۳، ۵۰۴/ اصح السیر۔ ص ۱۴۹/ محمد عابد، سیّد۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ ص ۲۰۲/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۲۔ ص ۲۲۴ (مضمون سرورِ انسانیتؐ از ڈاکٹر شیخ مصطفیٰ سباعی مترجم نور الٰہی)/ ابنِ قیم جوزی۔ اسوۂ حسنہ۔ ص ۲۴۷/ شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۴۵۲/ پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۴۴۷/ رسولِ رحمتؐ۔ ص ۳۴۸)

۱۱ —— سلیمان ندوی، سیّد۔ رحمتِ عالمؐ۔ ص ۸۰۔ ۸۱/ واقدی۔ مغازی الرسولؐ ص ۲۸۴ ۔ ۲۹۲/ الرحیق المختوم۔ ص ۴۸۹۔ ۵۰۷/ الوفا۔ ص ۲۲۳ ۔ ۲۲۵/ مدارج النبوۃ۔ جلد دوم۔ ص ۲۸۹ ۔ ۳۰۳/ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۴۱ ۔ ۲۵۵/ شبلی۔ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل۔ ص ۳۹۲ ۔ ۴۰۴/ ہیکل۔ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۴۱۱ ۔ ۴۲۳/ سیرۃ محمدیہؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۰۳ ۔ ۴۱۵/ اصح السیر۔ ص ۱۴۶ ۔ ۱۵۱/ محمد عابد، سیّد رحمۃ للعالمینؐ۔ ص ۳۰۱، ۳۰۲/ مصطفیٰ خان۔ غزواتِ نبویؐ۔ ص ۴۶ ۔ ۵۳/ شرف النبیؐ۔ ص ۳۲۶/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۴۔ ص ۴۰۲ ۔ ۴۰۴ (مضمون مہماتِ رسولؐ۔ از ڈاکٹر غلام جیلانی برق) نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۲۔ ص

۴۲۳-۴۲۵ (مضمون سرورِ انسانیتؐ۔ از ڈاکٹر شیخ مصطفیٰ سباعی مترجم نور الٰہی / باڈلے الرسولؐ۔ ص ۲۶۷—۲۷۷ / توکلی۔ غزوات النبیؐ۔ ص ۱۲۳، ۱۲۴ / اسوۃ الرسولؐ۔ جلد دوم۔ ص ۵۲۸، ۵۲۹ / عبدالرحمٰن ابنِ جوزی۔ النبی الاطہر۔ ص ۱۴۳، ۱۴۴ (حاشیہ) / ابنِ قیم جوزی۔ اسوۂ حسنہ۔ ص ۲۴۵—۲۵۰ / شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۴۴۴—۴۵۶ / پیغمبرِ انسانیت۔ ص ۴۳۸—۴۵۳ / سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۹۷، ۱۹۸ / امام ابنِ حزم ظاہری۔ جوامع السیرۃ۔ ص ۱۹۳—۲۰۰ / رسولِ رحمتؐ۔ ص ۳۳۷—۳۵۱ / سیرۃ الرسولؐ من القرآن۔ ص ۲۷۱—۲۷۶ / پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ص ۵۵۸—۵۶۷ / عبدالکریم ثمر۔ رسولِ کائناتؐ۔ ص ۱۵۰—۱۵۲ / ولید الاعظمی۔ معجزاتِ سرورِ عالمؐ۔ ص ۷۵—۸۰ / سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک ص ۲۶۳—۲۶۵ / محمد عبدالمعبود۔ تاریخ المدینۃ المنورۃ۔ ص ۱۹۰، ۱۹۱ / ڈاکٹر رؤف اقبال۔ عہدِ نبویؐ کے غزوات و سرایا۔ ص ۱۵۲—۱۶۲۔

۱۲— انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۱۱ / الرحیق المختوم۔ ص ۴۹۲ / الوفا۔ ص ۷۲۳، ۷۲۴ / عروہ بن زبیر۔ مغازی رسول اللہؐ۔ ص ۱۹۰ / مدارج النبوّت۔ جلد دوم۔ ص ۲۹۴ / رسالتمآب ۲۴۴، ۲۴۵ / سیرۃ محمدیہؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۰۶، ۴۰۷ / اصح السیر۔ ص ۱۴۵ / مصطفیٰ خان۔ غزوات نبویؐ۔ ص ۴۷ / شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۴۴۷، ۴۴۸ / پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۴۴۱ / جامع السیرۃ۔ ص ۱۹۴ / رسولِ رحمت ص ۳۴۰ / رسولِ کائنات۔ ص ۱۵۱ / ولید الاعظمی۔ معجزاتِ سرورِ عالمؐ۔ ص ۷۴، ۷۹ / ڈاکٹر رؤف اقبال۔ عہدِ نبویؐ کے غزوات و سرایا۔ ص ۱۵۳ / المدینۃ المنورۃ ص ۲۵۹۔

۱۳— الرحیق المختوم۔ ص ۴۹۳، ۴۹۴ / انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۱۱ / شرف النبیؐ ص ۱۶۲ / مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۲۹۴، ۲۹۵ / اصح السیر۔ ص ۱۴۵ / جوامع السیرۃ ص ۱۹۴ / معجزاتِ سرورِ عالمؐ۔ ص ۷۵—۷۸۔

۱۴— الوفا۔ ص ۷۲۵ / سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۲۶۵ / پیغمبرِ انسانیت۔ ص ۴۵۰۔

۱۵— اسی جنگ میں حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی نے حضرت طفیل بن نعمان کو شہید کیا۔ (پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ص ۵۶۱، ۵۶۲)

۱۶— حضرت سعد بن معاذؓ ایک تیر شہ رگ میں لگ جانے سے شہید ہوئے۔ یہ تیر نوفل نے مارا تھا۔ جنگِ خندق کے بعد ہونے والی جنگ، غزوۂ قریظہ کے بعد فوت ہوئے۔

(انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۱۲، ۱۱۳ / رسالتمآبؐ۔ ص ۲۵۲ / شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۰۳ / سیرۃ محمدیہ ص ۴۱۰ / اصح السیر۔ ص ۱۴۹ / الرسولؐ۔ ص ۲۷۴ / شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہ۔ ص ۴۵۰ / سیرتِ رسولِ عربی۔ ص ۱۹۸ / رسولِ رحمتؐ ص ۳۴۶ / پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ص ۵۶۱ / المدینۃ المنورۃ۔ ص ۲۶۱)

۱۷— منبہ بن عثمان بن عبید بن سباق ابن عبدالدّار۔ اسے تیر آکر لگا جس کے زخم کے اثر سے وہ مکہ جا کر فوت ہو گیا۔ (شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہ۔ ص ۴۵۶)

۱۸— نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ کو قتل کرنے والے کے بارے میں ایک سے زیادہ صحابہ کا ذکر آتا ہے۔ کسی کے مطابق نوفل کو حضرت زبیرؓ نے قتل کیا۔ (انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۱۲) کہیں حضرت عمرؓ کا ذکر آتا ہے (رسالتمآبؐ۔ ص ۲۵۱) کسی جگہ لکھا ہے کہ اس کو زبیرؓ بن عوام نے مارا تھا۔ (الرسولؐ۔ ص ۲۷۴ / پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۴۴۶) ایک جگہ لکھا ہے کہ نوفل گر کر مر گیا۔ (نقوش۔ رسول نمبر جلد ۴۔ ص ۴۰۳) اور کہیں اس بات کا ذکر ہے کہ اس کو حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا۔ (شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ ص ۳۹۹ / مصطفیٰ خان بی اے۔ غزوات نبویؐ۔ ص ۵۱ / پیغمبرِ اعظم و آخرؐ۔ ص ۵۶۱ / حکیم رحمان علی۔ المشاہد۔ ص ۱۰۸)

۱۹— عمرو بن عبد ود العامری جب خندق پار کر کے آ گیا تو حضرت علیؓ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اس نے انکار کیا۔ سیدنا علیؓ نے اسے گھوڑے سے اتر کر مقابلہ کی فرمائش کی۔ وہ اترا اور حضرت علیؓ پر وار کیا۔ حضرت علیؓ نے ایک ہی وار میں اسے ہلاک کر ڈالا۔ (پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۴۴۶ / الوفا۔ ص ۷۲۴ / سیرتِ

رسولِ عربیؐ ۔ص ۱۹۸/ شرف النبیؐ ۔ص ۳۲۶/ جوامع السیرۃ ۔ص ۱۹۷/ رسولِ رحمتؐ ص ۳۴۴/ سیرۃ الرسولؐ من القرآن ۔ص ۲۷۲/ رسالتمآبؐ ۔ص ۲۵۰/ پیغمبرِ اعظم و آخرؐ ۔ص ۵۶۱/ رسولِ کائناتؐ ۔ص ۱۵۲/ انوارِ محمدیہؐ ۔ص ۱۱۲/ شیخ محمد رضا محمد رسول اللہؐ ۔ص ۴۴۹/ الرسولؐ ۔ص ۲۷۴/ شبلی ۔سیرۃ النبیؐ ۔جلد اوّل ۔ص ۳۹۸، ۳۹۹/ سیرۃ محمدیہؐ ۔جلد اوّل ۔ص ۱۴۰/ اصح السیر ۔ص ۱۴۸/ محمد عابد سیّد ۔رحمۃ للعالمینؐ ۔ص ۳۰۱/ مصطفیٰ خان ۔غزواتِ نبویؐ ۔ص ۵۰، ۵۱/ توکلی غزوات النبیؐ ۔ص ۱۲۴/ النبی الاطہرؐ ۔ص ۱۴۴ ۔کفار نے ابن عبد ود کی نعش خریدنی چاہی مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رقم قبول نہ کی اور لاش واپس کردی۔ (پیغمبرِ انسانیتؐ ۔ص ۴۴۶)

۲۰ــــــ رسولِ رحمتؐ ۔ص ۳۵۱/ شیخ محمد رضا ۔محمد رسول اللہ ۔ص ۴۵۶۔



غزوۂ بنو قریظہ

ابن حبیب کے مطابق بنو قریظہ سے واپسی دوشنبہ (پیر) ۴ ذوالحجہ ۵ ہجری کو ہوئی[1] واقعہ یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لاتے ہی مدینہ کے یہودیوں سے ایسا معاہدہ کیا تھا جس میں یہود کو امان دی تھی اور اس عہد نامہ کی رُو سے کچھ شرطیں یہود کے حق میں تھیں اور کچھ ان پہ عائد تھیں ۔ اس عہد نامے کی رُو سے جنگ کی صورت میں انہیں ایک دوسرے کی مدد کرنا لازم تھا اور مدینہ پہ حملے کی صورت میں مل کر اس کا مقابلہ کرنا تھا مگر غزوۂ خندق کے موقع پہ بنی نضیر کے سردار حُیّیٰ بن اخطب یہودی نے بنی قریظہ کو مسلمانوں سے عہد شکنی پہ آمادہ کر لیا ۔ اس لیے بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسعد نے مسلمانوں کے مشکل وقت میں یہ عہد توڑ دیا ۔ اس عہد شکنی کی اطلاع پہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعدؓ بن معاذ کو جو اوس کے سردار تھے ۔ (اور اوس بنو قریظہ کا حلیف تھا) کو انصار کے کچھ آدمیوں کے ساتھ تحقیق کے لیے بھیجا ۔ ان بدنصیب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی اور کہا کیسا اللہ کا رسولؐ ۔ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے ۔ بنو قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کی باقاعدہ تیاری شروع کر دی تھی ۔ یہ نوعیت خطرناک تھی ۔ مسلمانوں کے لیے یہ بہت بڑا حادثہ تھا ۔ جب غزوۂ خندق کی واپسی کے بعد مسلمانوں نے اپنے ہتھیار رکھ دیئے تو حضرت جبریلؑ تشریف لائے اور کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) کیا آپؐ نے ہتھیار کھول دیئے ہم یعنی فرشتوں نے ابھی اپنے ہتھیار نہیں رکھے ۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپؐ بنی قریظہ کو جائیں ۔ اس پہ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ نمازِ عصر بنی قریظہ[2] میں ادا کریں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ پہنچ کر ان کا محاصرہ کر لیا جو پچیس

دن جاری رہا۔ اس دوران بنو قریظہ کی طرف سے پیغام آیا کہ بنی عمرو بن عوف ہمارے حلیف ہیں، انہیں ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم مشورہ کر سکیں۔ ان کی درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو لبابہ رضؓ کو ان کے پاس بھیجا۔ ابو لبابہ رضؓ نے ان کے پوچھنے پر اشارے سے بتا دیا کہ تم قتل کر دیئے جاؤ گے۔ مگر ابو لبابہ رضؓ اپنی اس حرکت پر خود ہی شرمندہ ہو گئے۔ اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ فوراً بنو قریظہ سے نکلے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جانے کی بجائے مسجد نبویؐ کے ایک ستون سے خود کو باندھ لیا اور اعلان کر دیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ میرے اس قصور کو معاف نہیں کرے گا، میں یہاں سے نہ ہٹوں گا۔ یہ تقریباً بیس دن بندھے رہے، ان کی بیوی ہر نماز کے وقت انہیں کھول دیتی اور پھر باندھ دیتی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور یہ آیت نازل فرمائی۔ "اور کچھ لوگ ہیں کہ اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں۔ انہوں نے اچھے اور بُرے عملوں کو ملا جلا دیا تھا۔ قریب ہے کہ خدا ان پر مہربانی سے توجہ فرمائے بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے" لوگ انہیں کھولنے لگے تو حضرت ابو لبابہ رضؓ نے لوگوں سے کہا کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مجھے خود اپنے دستِ مبارک سے نہ کھولیں گے، میں اسی حالت میں رہوں گا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ہاتھوں سے کھولا۔ قبیلہ اوس کے کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور اس کی اجازت چاہی کہ بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ قبیلہ اوس کا کوئی آدمی کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، یہ کام میں سعدؓ بن معاذ کے حوالے کرتا ہوں۔ حضرت سعدؓ بن معاذ کے قبیلہ والوں یعنی قبیلہ اوس کے لوگوں نے حضرت سعد رضؓ سے کہا کہ بنو قریظہ کے بارے میں بہتر فیصلہ کرنا کیونکہ یہ ہمارے حلیف ہیں۔ حضرت سعدؓ بن معاذ نے فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ کے تمام مرد قتل کر دیئے جائیں ان کا مال تقسیم کر لیا جائے، بچے اور عورتیں غلام بنا لیے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اے سعد رضؓ تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ سعدؓ بن معاذ کے فیصلے اور حکم کی تعمیل کی گئی ؎

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بنی قریظہ سے جو معاملہ فرمایا، وہ جنگی سیاست اور عرب کے یہودی قبائل کی سرشت اور افتادِ طبع کے مطابق تھا۔ ان کے لیے اسی قسم کی سخت اور عبرت ناک سزا کی ضرورت تھی، جس سے عہد شکنی کرنے والوں اور دھوکہ بازوں کو ہمیشہ کے لیے سبق مل جائے اور آئندہ نسلیں اس سے عبرت پکڑیں ؁۹

حضرت سعد رضؓ بن معاذ کا فیصلہ سننے کے بعد حضرت علی رضؓ نے کہا " عورتوں، بچے اور وہ لڑکے لڑکیاں جو ابھی سنِ بلوغ کو نہیں پہنچے۔ بوڑھی عورتیں اور مرد سزا سے بری ہیں۔ اگر دوسرے لوگ اسلام لے آئیں گے تو انہیں معاف کر دیا جائے گا" یہ اعلان سن کر بہت سے یہودی مسلمان ہو گئے ..... اس کے بعد حضرت علی رضؓ نے مسلمانوں کو تاکید کی کہ عورت، بچے، نابالغ لڑکے، لڑکیوں اور بوڑھوں کو قلعہ سے باہر نکلنے دیا جائے تاکہ بھوک کی تکلیف نہ اٹھائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ صرف وہ مرد قلعوں میں رہ گئے جو جنگ کرنا چاہتے تھے۔ یہ لوگ لڑتے لڑتے مارے گئے ؁۱۰

مسلمانوں کی رحم دلی کا یہ عالم ہے کہ جن لوگوں نے مسلمانوں کو ہر لحاظ سے تنگ کیا۔ ان یہودیوں کے پاس جب خوراک کی قلت ہو گئی تو بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد نے قلعہ پر چڑھ کر آواز دی کہ ہمارے شیر خوار بچوں کو دودھ چاہیے عورتوں کے لیے غذا ابھی نہیں کہ بچوں کو دودھ پلا سکیں۔ اس کے باوجود کہ یہودی محاصرہ میں تھے اور جنگ ختم نہ ہوئی تھی مگر یہودیوں کو ایک ہفتہ کا سامان دے دیا گیا تاکہ ان کی بیوی بچے بھوکے نہ رہیں۔ اس کے چند روز بعد جنگ کا فیصلہ ہوا ؁۱۱

زبیر بن باطا اس غزوے میں پکڑا گیا تھا اس نے ایک بار حضرت ثابت بن قیس رضؓ پر احسان کیا تھا۔ اس کے بدلے حضرت قیس رضؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زبیر بن باطا کی رہائی چاہی اور زبیر بن باطا کی رہائی کا حکم حاصل کر کے اس کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ تمہارے اس احسان کا بدلہ کر دوں جو تم نے جنگِ بعاث میں مجھ پر کیا تھا۔ زبیر بن باطا نے کہا کہ بے شک شریف آدمی دوسرے شریف آدمی کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا کرتا ہے۔ یہ سن کر ثابت رضؓ بن قیس حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ان کے اہل و عیال کی بھی جان بخشی کی دی جائے۔ آپؐ نے قبول فرمالیا۔ زبیر بن باطا کو اس کی اطلاع دی تو یہ ایک قدم اور آگے بڑھا کہ ثابتؓ یہ بتلاؤ کہ کوئی انسان صاحبِ عیال کیسے زندہ رہے گا؟ جب اس کے پاس مال نہ ہو۔ ثابت بن قیسؓ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا مال بھی اس کو دلوا دیا۔ یہاں تک تو ایک مؤمن کی شرافت اور احسان شناسی کا قضیہ تھا جو حضرت ثابت بن قیسؓ کی طرف سے ہوا۔ اب دوسرا رخ سنیے کہ زبیر بن باطا کو جب اپنے اور اپنے اہل و عیال کی آزادی اور اپنے مال و متاع سب واپس مل جانے کا اطمینان مل چکا تو اس نے حضرت ثابتؓ بن قیس سے قبائلِ یہود کے متعلق سوال کیا اور پوچھا کہ ابن ابی الحقیق کا کیا ہوا، جس کا چہرہ چینی آئینہ جیسا تھا۔ انہوں نے بتلایا کہ وہ تو قتل کر دیا گیا۔ پھر پوچھا کہ بنی قریظہ کے سردار کعب بن قریظہ اور عمرو بن قریظہ کا کیا انجام ہوا؟ انہوں نے بتلایا کہ یہ دونوں بھی قتل کر دیئے گئے۔ پھر دو جماعتوں کے متعلق سوال کیا۔ اس کے جواب میں ان کو خبر دی گئی کہ وہ سب قتل کر دیئے گئے۔ یہ سن کر زبیر بن باطا نے حضرت ثابت بن قیسؓ سے کہا کہ آپ نے اپنے احسان کا بدلہ پورا کر دیا اور اپنی ذمہ داری کا حق ادا کر دیا مگر میں اب اپنی زمین جائیداد کو ان لوگوں کے بعد آباد نہیں کروں گا مجھے بھی ان لوگوں کے ساتھ شامل کر دو۔ ثابت بن قیسؓ نے اس کو قتل کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر اس کے اصرار پر کسی دوسرے مسلمان نے اس کو قتل کر دیا [۱۲]

اس غزوے میں ایک مسلمان خلادؓ بن سوید شہید ہوئے تھے جو قلعہ کی دیوار سے سایہ میں بیٹھے تھے کہ ایک یہودیہ نے چکی کا پاٹ پھینک کر انہیں شہید کر دیا [۱۳] غزوۂ بنو قریظہ کے محاصرے کے دوران ایک مسلمان ابوسنان بن محصن وفات پا گئے تھے [۱۴] اس غزوہ کا مالِ غنیمت پندرہ سو تلوار، تین سو زرہ، دو ہزار نیزوں اور پانچ لوہے اور لکڑی کی ڈھالوں پر مشتمل تھا۔ اور اونٹ جو کہ پانی کھینچنے کے کام آنے والے تھے [۱۵]۔

حواشی

۱ — نقوش۔ رسول نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۷۲۔

۲ — عربی زبان میں قریظہ، اقاقیا ببول کے پتوں کو کہتے ہیں چونکہ اقاقیا سے دباغی (کھال رنگنے) میں کام لیا جاتا تھا اور اکثر یہودیان بنو قریظہ یہی کام کرتے تھے۔ لہٰذا وہ بنو قریظہ کہلائے ... مدینہ کے یہودی، زرگری، زراعت اور دباغی کی وجہ سے بہت دولت مند ہو گئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے بڑے مضبوط محلات بنا لیے تھے۔ ان کے بعض گھر، مسکن بھی تھے اور جنگی قلعے بھی (عبدالصمد صارم۔ محمدؐ رسول اللہ ص ۲۷۳۔

۳ — حضرت سعدؓ بن معاذ مشہور اور جلیل القدر انصاری تھے۔ قبیلہ بنو عبدالاشہل کے سردار تھے۔ ہجرت سے پہلے حضرت مصعبؓ بن عمیر کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ ان کی تبلیغ سے ان کا سارا قبیلہ بھی مسلمان ہو گیا۔ ان کا اسلام لانا عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کے درمیان کا واقعہ ہے۔ بدر سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانثاری کا یقین دلایا۔ جنگ میں قبیلہ اوس کا جھنڈا ان کے پاس تھا۔ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ پر پہرہ دار مقرر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو صحابیؓ ثابت قدم رہے، ان میں ایک یہ بھی ہیں۔ (عہدِ نبوی نادر واقعات۔ ص ۱۹۱)

غزوۂ خندق میں ایک تیر حضرت سعدؓ کے رگ اکحل پر لگا۔ خون جاری ہو گیا سعدؓ سمجھ گئے کہ یہ زخم کاری ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی۔ خداوندا اگر کوئی جنگ تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قریش کے درمیان باقی ہے تو مجھے زندہ رکھ تاکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل کر قریش سے لڑ سکوں۔ ورنہ اسی تیر کو میری شہادت کا سبب بنا مگر اتنی مہلت ضرور دے

دے تاکہ بنی قریظہ کا انجام دیکھ لوں۔ اس پر ان کے زخم کا خون بند ہو گیا۔

بنو قریظہ سے جنگ کے فوراً بعد سعدؓ بن معاذ لیٹے ہوئے تھے کہ ایک بکری دوڑتی ہوئی آئی اور حضرت سعدؓ کے جسم پر ہو کر گزری۔ اس کی کھری زخم پر پڑ گئی زخم پھٹ گیا، خون جاری ہو گیا اور پھر بند نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور سعدؓ کا سر اپنے زانوئے مبارک پر رکھ کر فرمایا۔ الٰہ العالمین تیری راہ میں سعدؓ نے تکلیف اٹھائی اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اسلام کے حقوق پورے کیے۔ اے اللہ تو اس کی روح کے ساتھ وہی سلوک کر جو اپنے دوستوں کی روح کے ساتھ کرتا ہے حضرت سعدؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سن کر آنکھیں کھول لیں اور سلام عرض کیا "السلام علیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) ان کی وفات کے فوراً بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ کے صحابہؓ میں سے کس کی وفات ہوئی ہے کہ آسمان کے دروازے اس کی روح کے لیے کشادہ ہو گئے ہیں اور عرشِ اعظم ہِل گیا ہے۔ انہیں جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔ (حکیم رحمان علی۔ المشاہد۔ ص ۱۱۱، ۱۱۹)

جب حضرت سعدؓ کے سینے کے اوپر والی جانب گڑھے سے ان کا زخم پھوٹ پڑا اور خون بہہ نکلا۔ مسجد میں بنو غفار کا خیمہ تھا جب انہوں نے خون آتا دیکھا تو کہنے لگے اے اہلِ خیمہ۔ تمہارے خیمہ سے ہماری طرف کیا آ رہا ہے۔ جب ادھر جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ سعدؓ کے زخم سے خون بہہ رہا ہے جس سے ان کا انتقال ہو گیا۔ (الشیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب۔ مختصر سیرۃ الرسولؐ اردو ترجمہ از حافظ محمد اسحاق۔ جامعۃ العلوم الاثریہ جہلم ۱۹۹۰۔ ص ۴۶۱/ الرحیق المختوم۔ ص ۵۱۶)

حضرت سعدؓ بن معاذ کے نمازِ جنازہ میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے اور عرش ہِل گیا۔ اور حضرت سعدؓ کی روح کے آنے کی خوشی میں ملأ اعلیٰ میں خوشی کی لہر دوڑ

گئی۔ حضرت ابو سعیدؓ خدری حضرت سعدؓ بن معاذ کی قبر کھودنے والوں میں شامل تھے کہتے ہیں کہ اس سے کستوری کی خوشبو آ رہی تھی (انوارِ محمدیہ۔ ص ۱۱۵/ سراپائے اقدسؐ۔ ص ۲۵۰)

۴ــــ یہ مسجد حرہ شرقیہ کے نزدیک باغات کی انتہا پر واقع تھی۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جب بنو قریظہ کا محاصرہ فرمایا تو اس جگہ نزول فرمایا نماز ادا فرمائی یہ بھی روایت ہے کہ اس جگہ کے قریب ایک خاتون کا مکان تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس میں نماز ادا فرمائی۔ ولید بن عبدالملک نے مسجد کی تعمیر کے وقت اس مسجد کو بھی مکان کے اندر داخل کر دیا۔ پرانی عمارت میں مسجدِ قبلہ کے منارے کی طرز کا ایک منارہ بھی تھا۔ یہ مسجد شریف اپنی تعمیر، چھت، ستون، منارہ کے لحاظ سے مسجدِ قبا شریف سے ملتی جلتی تھی۔ اس کی پیمائش ۴۳×۴۴ گز ہے (ابوالنصر منظور احمد شاہ۔ مدینۃ الرسولؐ۔ ص ۲۷۹/ محدّثِ دہلوی۔ تاریخ مدینہ۔ ص ۱۴۵، ۱۴۶/ محمد عبدالمعبود۔ تاریخ المدینۃ المنورۃ۔ ص ۳۱۹، ۳۲۰)

۵ــــ جب ابولبابہؓ نے خود کو باندھ لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان کے اس فعل کی اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا۔ اگر یہ میرے پاس آجاتا تو میں خود اس کی بخشش کی دعا مانگتا۔ اب اس نے جب اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا ہے تو جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہ فرمائے گا، میں نہیں کھولوں گا۔ آخر ابولبابہؓ کی توبہ قبول ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو اپنے ہاتھ مبارک سے کھولا۔ (الشیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب۔ اردو ترجمہ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۴۵۹)

۶ــــ مسجدِ نبویؐ میں یہ ستون (جس سے ابولبابہؓ نے خود کو باندھ لیا تھا) اب بھی موجود ہے جس پر اسطوانہ ابی لبابہ لکھا ہوا ہے۔ ابولبابہؓ کا ایمان، ندامت، توبہ اور قبولِ توبہ کے صحیح مقام کا اندازہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کون کر سکتا ہے؟ (محمد جعفر شاہ پھلواروی۔ پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۴۵۶)

۷ــــ نبیؐ رحمت۔ ص ۲۶۲ ــ ۲۶۸/ مغازی الرسولؐ۔ ص ۲۹۲ ــ ۲۹۶/ شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۴ ــ ۴۱۰/ محمد جعفر شاہ پھلواروی۔ پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۴۵۲ ــ ۴۵۹/ حکیم رحمان علی۔ المشاہد۔ ص ۱۱۲ ــ ۱۲۰/ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۱۴، ۱۱۵/ الوفد۔ ص ۲۵، ۲۶/ پرویز، معراجِ انسانیتؐ۔ ص ۲۹۶/ عروہ بن زبیرؓ۔ مغازی رسول اللہؐ۔ ص ۱۹۰ ــ ۱۹۵/ ڈاکٹر رؤف اقبال۔ عہدِ نبویؐ کے غزوات و سرایا۔ ص ۱۶۲ ــ ۱۶۵/ مفتی محمد شفیع۔ سیرۃِ رسولِ اکرمؐ۔ ۲۲۳ ــ ۲۲۷/ عبداللہ بن الشیخ محمد بن الوہاب۔ اردو ترجمہ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۴۵۷ ــ ۴۶۰/ عہدِ نبوی کے نادر واقعات۔ ص ۱۸۸ ــ ۱۹۱/ عبدالصمد صارم۔ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۲۷۳ ــ ۲۷۶/ الرحیق المختوم ص ۵۰۹ ــ ۵۱۷/ سید سلیمان ندوی۔ رحمتِ عالمؐ۔ ص ۸۱/ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۹۸، ۱۹۹/ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۵۵ ــ ۲۵۹/ سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک ص ۲۶۶، ۲۶۷/ شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۴۵۷ ــ ۴۶۹/ نذیر احمد سیماب قریشی۔ خاتم النبیینؐ۔ ص ۱۴۹/ عنایت احمد کاکوروی مفتی۔ تواریخِ حبیبِ الٰہ۔ ص ۱۱۸ ــ ۱۲۱/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۲۔ ص ۴۲۵ ــ ۴۲۷ (مضمون سرورِ انسانیتؐ از ڈاکٹر شیخ مصطفیٰ سباعی۔ مترجم نور الٰہی ایڈووکیٹ)

۸ــــ غزوۂ خندق کے بعد جب لشکرِ کفار تباہ و خوار ہو کر فرار ہو گیا اور اہلِ اسلام خوش و خرم مدینہ میں داخل ہوئے تو بنی قریظہ کے مکانات کا محاصرہ کر لیا کیونکہ انھوں نے عہد شکنی کر کے مسلمانوں کو بہت سی افراتفری میں ڈال دیا تھا پندرہ دن تک محاصرہ۔ کیے جانے کے بعد لڑائی کی نوبت پہنچی۔ کچھ قتلِ عام اور کچھ مشرف باسلام ہوئے (نذیر احمد سیماب قریشی۔ خاتم النبیینؐ۔ ص ۱۴۹)

۹ــــ نبیؐ رحمت۔ ص ۲۶۹

۱۰ــــ عبدالصمد صارم۔ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۲۷۶

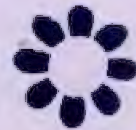
۱۱ــــ ایضاً ص ۲۷۴ ــ ۲۷۶

۱۲ــــ مفتی محمد شفیع۔ سیرۃِ رسولِ اکرمؐ ص ۲۲۶، ۲۲۷/ الرحیق المختوم ص ۵۱۵/ رسالتمآبؐ ص ۲۵۸/

۱۳ــــ اس غزوہ میں شہید ہونے والے خلادؓ بن سوید کا نام اور نسب بیان کرتے ہوئے حکیم رحمان علی یوں لکھتے ہیں، ان کا نام خلاد بروزن جواد، سوید بموزن زبیر اور نسب خلاد بن سوید بن ثعلبہ بن عمرو بن حارثہ بن امرءُ القیس الانصاری الخزرجی الحارثؓ العبقی البدری الاحدی الخندقی۔ اور ان کی شہادت کا واقعہ لکھتے ہیں کہ یہ بنی قریظہ کے محاصرہ کے دوران دیوار کے سایہ میں بیٹھے تھے کہ ایک یہودیہ عورت نے جس کا نام نبانہ تھا، چکی کا پاٹ قلعہ کے اوپر سے ان کے سر پر پھینک دیا۔ اس کی وجہ سے ان کا سر پھٹ گیا اور یہ شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا" انّ لہٗ اجر شہیدین رضی اللہ عنہٗ۔ پھر وہ عورت بنی قریظہ کے مردوں کے ساتھ قتل کر دی گئی۔ اس کے سوا کوئی عورت قتل نہیں ہوئی۔ اس کا پورا حال ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا۔ کہ ایک عورت بنی قریظہ کی میرے پاس بیٹھی ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی کہ کسی نے آواز دی کہ فلاں عورت کہاں ہے۔ یہ بولی میں یہاں ہوں۔ پکارنے والے نے کہا۔ ادھر باہر نکل۔ وہ ہنستی کھلکھلاتی اٹھی اور مجھے کہا۔ یہ مجھ کو قتل کرنے کے لیے بلاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ عورتوں کو قتل کرنے کا دستور تو تمہیں ہے مگر تجھ کو یہ کس وجہ سے مار رہے ہیں۔ اس یہودیہ نے بتایا کہ میں بنو قریظہ کے ایک یہودی کی بیوی ہوں، ہم دونوں میں بڑی محبت تھی۔ میرے شوہر نے کہا کہ مسلمان مردوں کو قتل کر دیں گے۔ میں نے جواب دیا کہ میں تمہاری جدائی میں خوش نہ رہوں گی میرا شوہر بولا۔ اگر تو سچ کہتی ہے تو مسلمانوں کی ایک جماعت قلعہ کے دیوار کے سایہ میں بیٹھی ہے، تو چکی کا پاٹ ان کے اوپر ڈال دے، شاید ان میں سے کوئی مر جائے۔ اس طرح مسلمان اس قتل کے بدلے میں تجھ کو قتل کر دیں گے اور اس طرح ہم اکٹھے مریں گے میں نے ایک پتھر دیوار سے پھینکا

وہ خلاد کے سر پر پڑا، وہ مر گئے ۔ ان کے قصاص میں مجھے قتل کرنے کے لیے بلاتے ہیں ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مدت ہو گئی مگر اس کا ہنسنا کھکھلانا مجھے نہیں بھولتا ۔ (حکیم رحمان علی ۔ المشاہد ۔ ص ۱۲۰ / الرحیق المختوم ۔ ص ۵۱۷ / رسالتمآب ۔ ص ۲۵۸ / عنایت احمد کاکوردی، مفتی ۔ تواریخ حبیب الٰہ ص ۱۱۹، ۱۲۰ / شیخ محمد رضا ۔ محمد رسول اللہ ۔ ص ۴۶۳، ۴۶۴ / شبلی ۔ سیرۃ النبی جلد اوّل ۔ ص ۴۰۸، ۴۰۹)

۱۴ جب حضرت ابو سنان بن محصن رض وفات پا گئے تو انہیں بنو قریظہ کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا جس میں آج بھی مسلمان دفن کیے جاتے ہیں ۔ اور پہلے بھی کیے جاتے رہے ہیں ۔ (شیخ محمد رضا ۔ محمد رسول اللہ ص ۴۶۶)



صُلح حدیبیہ

ابن سعد کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیبیہ کے لیے مدینہ سے روانگی کی تاریخ یکم ذیقعدہ اور دن دوشنبہ ہے[۱] اسحاق علوی لکھتے ہیں کہ ہجری تقویم کے مطابق یکم ذی قعدہ ۶ھ کو (۲۹ کا چاند مان کر) اگرچہ یک شنبہ پڑتا ہے لیکن ایک دن کا یہ فرق ایسا نہیں کہ تاریخ کو غلط قرار دیا جا سکے ۔ اور اگر ۳۰ کا چاند مان لیا جائے تو دوشنبہ ہی کی پہلی ہو گی"[۲]

مسلمانوں کی بڑی خواہش تھی کہ وہ مکہ جا کر خانہ کعبہ کے طواف اور زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں ۔ جس کے دیدار سے وہ سالہا سال سے محروم[۳] کر دیے گئے تھے ۔ اسی ارادہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چودہ[۴] سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر مدینے سے روانہ[۵] ہوئے ۔ لڑائی کی نیت بالکل نہ تھی ۔ ممانعت تھی کہ تلواروں کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ لیا جائے اور تلواریں بھی نیام میں ہوں ۔ قربانی کے اونٹ ساتھ تھے اور عرب کا بچہ بچہ جانتا تھا کہ جو سفر اس مقدس غرض سے کیا جائے اس میں لڑنا کیا تلوار اٹھانا بھی جائز نہیں ۔

جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مکہ کے قریب پہنچے تو ایک مخبر کو حال دریافت کرنے کے لیے مکہ بھیجا وہ خبر لایا کہ قریش نے حبشی جمعیت ساتھ لے کر مسلمانوں کو روکنے کی غرض سے آگے بڑھ رہے ہیں[۶] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راستہ کترا کر حدیبیہ کے مقام پر اتر پڑے ۔ اور ایک سفیر قریش کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم صرف عمرہ ادا کرنے آئے ہیں، لڑنا مقصود نہیں، اور یہ بہتر ہے کہ قریش تھوڑی مدت کے لیے ہم سے صلح کا معاہدہ کر لیں ۔ اور مجھ کو عرب کے ہاتھوں میں چھوڑ دیں ۔ سفیر نے قریش کے سرداروں کے سامنے جا کر یہ تقریر کی ۔

عروہ بن مسعود ثقفی ایک نیک دل سردار نے قریش سے کہا، تمہیں مجھ سے کوئی بدگمانی تو نہیں۔ انہوں نے کہا نہیں، تب اس نے کہا کہ مجھے اجازت دو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے مل کر اس معاملہ کو طے کروں۔ لوگوں نے رضامندی ظاہر کی تو وہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عروہ نے یہاں پہنچ کر مسلمانوں کے روحانی انقلاب کا جو تماشا دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ان کی حیرت سے بھری عقیدت کا جو حال اُس کے دیکھنے میں آیا، اس نے اس کے دل پر بڑا اثر کیا۔ قریش سے جاکر کہا میں نے قیصر اور کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، عقیدت اور محبّت کی یہ تصویر مجھ کو کہیں نظر نہیں آئی محمدؐ بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے کوئی ادب سے نظر بھر کر اُن کی طرف نہیں دیکھتا، وضو کرنے میں قطرے گرتے ہیں تو عقیدت مند ان کو لے کر ہاتھ اور چہرے پر ملتے ہیں۔

اس پر بھی بات ناتمام رہی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنا سفیر بھیجا قریش نے اس پر حملہ کیا لیکن وہ بچ گیا۔ اب قریش نے لڑنے کو ایک دستہ[۸] بھیجا مسلمانوں نے اس کو پکڑ لیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے چھوڑ دیا اور معافی دے دی اور حضرت عثمان رضؓ کو سفیر[۹] بنا کر مکہ بھیجا۔ وہ اپنے ایک عزیز کی حمایت میں مکہ آگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا پیغام سنایا۔ قریش نے ان کو قید کر لیا اور مسلمانوں تک یہ خبر یوں پہنچی کہ حضرت عثمان رضؓ شہید کر دیئے گئے۔ مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہوا۔ آپؐ نے فرمایا۔ عثمان رضؓ کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے یہ کہہ کر ببول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابہ رضؓ سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ اسی کا نام "بیعتِ رضوان" ہے۔ یعنی خدا کی خوشنودی کی بیعت۔ کیونکہ اس کے بارے میں خدا نے قرآن میں اپنی خوشنودی ظاہر فرمائی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کی خبر صحیح نہ تھی لیکن مسلمانوں کے اس جوش و خروش اور صداقت کا یہ اثر ہوا کہ قریش ہمت ہار گئے۔ انہوں نے بھی اپنا سفیر[۱۰] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

کے پاس بھیجا اور پہلی شرط یہ پیش کی کہ مسلمان اس سال واپس جائیں اور اگلے سال آئیں اور تین دن رہ کر واپس جائیں۔

کچھ رد و بدل کے بعد دس سال کے لیے لڑائی موقوف ہوئی اور یہ شرطیں منظور ہوئیں کہ

۱ مسلمان اس سال واپس جائیں اور اگلے سال تین دن کے لیے آئیں۔
۲ تلوار کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہو، اور تلواریں بھی میان میں ہوں۔
۳ جاتے وقت مکہ میں جو مسلمان رہ گئے ہیں، ان کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔
۴ قریش میں سے کوئی مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے تو واپس کر دیا جائے۔ اور اگر کوئی مسلمان مدینہ چھوڑ کر مکہ چلا جائے تو وہ واپس نہ کیا جائے۔
۵ عرب کے قبیلوں میں سے جو جس فرقت کے ساتھ چاہے، معاہدہ میں شریک ہو جائے۔

اس معاہدے کے بعد مسلمان واپس[۱۱] چلے آئے۔ معاہدہ کی یہ شرطیں گو ظاہر میں کڑی[۱۲] تھیں اور اسی لیے جوش میں بھرے ہوئے کچھ مسلمانوں کو ان کے ماننے میں تأمل ہو رہا تھا۔ مگر خود خدا کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اس کو مان چکا تھا تو پھر کس کو انکار کی جرأت ہو سکتی تھی۔ چند ہی دنوں کے بعد معلوم ہو گیا کہ یہ شرطیں اسلام کے حق میں بے حد فائدہ کی تھیں۔"[۱۳]

جب صلح نامہ لکھا جا رہا تھا، اسی وقت سہیل بن عمرو کے بیٹے ابوجندل رضؓ اپنی بیڑیاں گھسیٹتے آ پہنچے۔ سہیل بن عمرو نے کہا، اس کو معاہدہ کی رو سے واپس کر دیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ابھی تو صلح نامہ مکمل نہیں ہوا، اس لیے اس کو میری خاطر میرے پاس چھوڑ دو مگر وہ نہ مانا۔ کہنے لگا کہ اس صورت میں صلح نہ ہو گی۔ آپؐ نے اسے بہت کہا مگر وہ اپنی بات پر اڑ گیا۔ سہیل نے ابوجندل رضؓ کو مارا پیٹا اور ابوجندل رضؓ نے مسلمانوں سے منّت سماجت کی کہ مجھے نہ جانے دو۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے سمجھایا کہ ابوجندل! صبر کرو اور اسے باعثِ ثواب

سمجھو۔ ہم نے قریش سے صلح کر لی ہے اور ہم نے ان کو اور انہوں نے ہم کو اس پر اللہ کا عہد دے رکھا ہے۔ اس لیے ہم بد عہدی نہیں کر سکتے۔ اس طرح ابو جندلؓ قریش کو واپس کر دیئے گئے [۱۴]

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ تشریف لے آئے تو ابو جندلؓ کی طرح قبیلہ ثقیف کا ایک آدمی ابو بصیر قریش کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مکہ سے بھاگ کر مدینہ پہنچ گیا۔ قریش نے صلح حدیبیہ کے وعدے کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ابو بصیرؓ کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ آپؐ نے انہیں قریش کے دو سفیروں کے حوالے کر دیا۔ راستے میں ابو بصیر نے ان دو آدمیوں میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس پناہ لے کر اپنی جان بچائی۔ یہ بھی آپ کے پاس پہنچ گئے (مگر یہ سمجھنے پر کہ انہیں پھر واپس کر دیا جائے گا) یہ ساحلِ سمندر پر آ گئے۔ وہاں ابو جندلؓ بھی پہنچ گئے اور ان سے آ ملے۔ اب قریش کا جو آدمی بھی مسلمان ہوتا، وہ ابو بصیرؓ سے آ ملتا[۱۵]۔ اس طرح یہ ایک جماعت بن گئی۔ اب اس جماعت نے قریش کے قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ قریش اس پارٹی سے اتنا تنگ آ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے گزارش کی کہ آپ انہیں اپنے پاس بلا لیں بلکہ ان کے علاوہ بھی کوئی آپ کے پاس جانا چاہے تو ہماری طرف سے اجازت ہے اس طرح یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پناہ میں آ گئے [۱۶]

صلح حدیبیہ کے بعد کچھ مومنہ عورتیں آ گئیں۔ ان کے اولیاء نے مطالبہ کیا کہ حدیبیہ میں جو صلح مکمل ہو چکی ہے، اس کی رو سے انہیں واپس کیا جائے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ مطالبہ اس دلیل کی بنا پر مسترد کر دیا کہ اس دفعہ کے متعلق جو مطالبہ لکھا گیا تھا وہ یہ تھا " اور یہ معاہدہ اس شرط پر کیا جا رہا ہے کہ) ہمارا جو آدمی آپؐ کے پاس جائے گا۔ آپؐ اسے لازماً واپس کر دیں گے۔ خواہ وہ آپؐ ہی کے دین پر کیوں نہ ہو" لہٰذا عورتیں اس معاہدے میں سرے سے داخل ہی نہ تھیں [۱۷]۔

صلح حدیبیہ کے دوران کچھ معجزے ہوئے۔ ایک، جب آپؐ حدیبیہ کے ایک سرے

پر ایک چشمے پر رکے۔ اس چشمے میں پانی بہت کم تھا جب پانی ختم ہو گیا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے صحابہؓ نے پیاس کی شکایت کی۔ آپؐ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور فرمایا کہ اس چشمے میں گاڑ دو۔ کہتے ہیں کہ تیر گاڑنے کی دیر تھی کہ پانی جوش مار کر نکلا [۱۸]

"مختصر سیرۃ الرسولؐ" میں لکھا ہے کہ ایک دن لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس پیاس کی وجہ سے تشریف لائے۔ آپؐ وضو کر رہے تھے۔ صحابہ نے عرض کی کہ پانی صرف اتنا ہی ہے جس سے آپؐ وضو کر رہے تھے۔ یہ سن کر آپؐ نے اپنا ہاتھ ڈولچی میں رکھا تو آپ کی انگلیوں سے چشمے پھوٹ پڑے۔ سب نے پیٹ بھر کر پانی پیا اور وضو کیا۔ اس وقت صحابہؓ کی تعداد پندرہ سو تھی [۱۹]۔

"مقامِ حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حجامت بنوا کر تمام بال ایک سبز درخت پر پھینک دیئے۔ تمام اصحابؓ اس درخت کے نیچے جمع ہو گئے اور بالوں کو ایک دوسرے سے چھیننے لگے۔ حضرت اُمِ عمارہؓ کہتی ہیں کہ میں نے بھی چند بال حاصل کر لیے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے بعد جب کوئی بیمار ہوتا تو میں ان مبارک بالوں کو پانی میں ڈبو کر پانی مریض کو پلاتی تو ربّ العزت اسے صحت عطا کر دیتا [۲۰]

"حدیبیہ سے واپس ہوئے تو زادِ راہ کی کمی کی شکایت کی گئی۔ حضور علیہ السلام نے اونٹوں پر لدے ہوئے سامانِ خورد و نوش کی طرف اشارہ کیا۔ ایک شخص حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی معیت میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) اگر ہم اپنا تھوڑا تھوڑا زادِ راہ ایک جگہ اکٹھا کر دیں اور آپؐ حق سبحانہٗ سے اس کے زیادہ ہونے کی دعا فرما دیں تو بے شک و شبہ آپؐ کی دعا بارگاہِ ربانی میں مقبول و مستجاب ہو گی۔ چنانچہ تمام لوگوں نے اپنا اپنا سامان جمع کیا۔ کسی کے پاس چند کھجوریں اور کسی کے پاس تھوڑے سے ستّو تھے۔ حضور علیہ السلام نے خداوند قدوس سے خیر و برکت کی دعا مانگی تو خوراک کا ذخیرہ اتنا زیادہ ہو گیا

کر جانور اٹھانے سے عاجز آگئے۔[21]

حواشی

۱ —— انوارِ محمدیہ۔ ص ۱۲۳/ عہدِ نبوی ؐ کے نادر واقعات ۔ ص ۱۹۴/ مختصر سیرۃ الرسولؐ ص ۳،۲۴/ نقوش ۔ رسولؐ نمبر ۔ جلد ۷ ۔ ص ۴۲/ سیرتِ محمدیہ ۔ جلد اوّل ۔ ص ۴۴۳۔

۲ —— نقوش ۔ رسولؐ نمبر ۔ جلد ۲ ۔ ص ۵۹، ۱۷۸۔

۳ —— قریش نے اپنے جاہ و نخوت کی وجہ سے رسولِؐ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور مسلمانوں پہ کعبہ کا دروازہ اس طرح بند کر رکھا تھا کہ مسلمان حج و عمرہ میں سے کوئی فریضہ ادا نہ کر سکتے ۔ سوال یہ ہے کہ "بیتِ عتیق" یعنی کعبہ قریش کی ملکیت تھی، وہ تمام عرب کی یکساں ملک تھی۔ قریش تو اس کے صرف محافظ تھے۔ اس کے متعلق کعبہ کی کلید برداری یا حاجیوں کے پانی اور دعوت کی چاکری تھی۔ اور ان کے یہ مناصب بھی کعبہ کے لیے آنے والوں کا صدقہ تھا۔ (حیاتِ محمدؐ ۔ ص ۴۵۴)

۴ —— ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد ابنِ مسلم بن شہاب زہری نے بواسطہ عروہ ابنِ زبیرؓ، مسور ابنِ مخرمہ اور مروان ابنِ حکم کی یہ روایت بیان کی کہ سات سو صحابہؓ تھے اور ہر دس نفر پر ایک اونٹ پڑتا تھا جیسا کہ مجھے معلوم ہوا، جابرؓ بن عبداللہ فرماتے تھے ہم اصحابِ حدیبیہ چودہ سو تھے۔" (ابنِ ہشام ۔ سیرت النبیؐ کامل ۔ جلد دوم ۔ ص ۳۶۸، ۳۶۹) اور سلیمان ندوی اور جعفر شاہ پھلواروی بھی چودہ سو صحابہؓ کا ذکر کرتے ہیں (سلیمان ندوی ۔ رحمتِ عالمؐ ۔ ص ۸۴/ پیغمبرِ انسانیتؐ ۔ ص ۴۰۲) کچھ کتابوں میں چودہ سو یا پندرہ سو صحابہؓ کا ذکر ہے۔ (مختصر سیرۃ الرسولؐ ۔ ص ۳،۲۴/ الرحیق المختوم ۔ ص ۵۴۸)

۵ —— اُمّ المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ صلح حدیبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ تھیں ۔ (انوارِ محمدیہ ۔ ص ۱۲۳/ سیرتِ رسولِؐ عربی ۔ ص ۱۹۹/ سیرتِ محمدیہؐ ۔ جلد اوّل ۔ ص ۴۴۳/ مختصر سیرۃ الرسولؐ ۔ ص ۳،۲۴/ عہدِ نبوی ؐ کے نادر واقعات ۔ ص ۱۹۴)

۶ —— مدبّرِ رسالتؐ کے ادائے عمرہ کے عزم بالجزم کے ساتھ انتہا درجہ کے حزم و احتیاط کو بھی ابتدا ہی سے مدِّ نظر رکھا ۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام سے مختلف معرکوں میں قریش کا زور بالکل ٹوٹ گیا تھا، قوت گھٹ گئی تھی، حوصلے پست ہو گئے تھے یہ سب کچھ تھا مگر اسلام سے نفرت، اہلِ اسلام سے قلبی عداوت میں ذرا بھی خم نہیں آیا تھا۔ اور ابھی تک وہ استیصالِ اسلام کی فکروں سے غافل نہیں تھے۔ اس بنا پر جناب رسالتمآبؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بے محابا اہلِ اسلام کی جمعیتِ کثیر لے کر مکہ میں چلا جانا خلافِ مصلحت سمجھا ۔ (اسوۃ الرسولؐ ۔ جلد سوم ۔ ص ۳،۴)

قریش کو جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی آمد کا علم ہوا تو چراغ پا ہو گئے ۔ بے دین لوگ مسلمانوں کو حج بیت اللہ سے روکنے کا حق نہ رکھتے تھے ۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں کو روکنے کے لیے مضبوط فوجی دستے مقرر کیے گئے جنہوں نے شاہراہیں بند کر دیں ۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے عام راستے ترک کر کے حدیبیہ کا راستہ اختیار کیا اور اعلان کر دیا کہ مسلمانوں کی غرض جنگ نہیں بلکہ محض عمرہ ہے ۔ (النقوش ۔ رسولؐ نمبر ۔ جلد ۲ ۔ ص ۱۷۱)

" رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جب مقام عسفان (مکہ سے دو منزل) پر آ پہنچے تو بنو کعب کا ایک آدمی اِدھر سے آ رہا تھا۔ رہگزر سے قریش کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے کہا" اہلِ مکہ آپؐ کے اِدھر آنے کی خبر سنتے ہی طیش میں آگئے۔ اب ان کا لشکر (مقام) ذی طویٰ میں ہے ۔ ان میں سے ایک ایک لشکری نے قسم کھائی ہے کہ آپ لوگوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا جائے ۔ خالد بن ولید انہیں (مقام) کراع الغمیم تک لے پہنچا ہے" یہ مقام رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پڑاؤ عسفان سے آٹھ میل کی مسافت پر تھا ۔ یہ داستان سننے کے بعد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا" وائے بر حال قریش! وہ جنگوں سے برباد ہو گئے مگر پھر بھی نہ سمجھے! آج اگر وہ مسلمانوں اور عرب زائرین کو طواف و زیارت سے نہ روکتے (تو ان کا کیا بگڑتا) پیشِ نظر صورتِ حال میں اگر وہ

مجھ پر غالب آ گئے تو انہیں بڑی خوشی ہو گی اور اگر مجھے ان پر اللہ نے غالب کر دیا تو وہ جوق در جوق اسلام قبول کر لیں گے۔ اگر انہوں نے جنگ شروع کر دی جس کی ان میں قوت ہے ہی کہ وہ گھروں سے اسی نیت سے نکلے ہیں (اور مسلمان صرف طواف و زیارت کے لیے) مگر میرے متعلق کس مغالطہ میں ہیں! بخدا میں اسلام کو قائم رکھنے کے لیے ہمیشہ ہمیشہ جہاد کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ اسلام کو غالب کرے یا دستِ اجل مجھ پر اپنا قبضہ کرے۔ (حیاتِ محمدؐ۔ ص ۴۵۹، ۴۶۰/ نقوش جلد ۷۔ ص ۴۲)

۷۔۔۔ "انوارِ محمدیہؐ" میں ہے کہ "حدیبیہ ایک گاؤں کا نام ہے جو مکے سے نو میل کے فاصلے پر تھا" (انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۲۳)

شبلی لکھتے ہیں کہ حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ گاؤں بھی اسی کنوئیں کے نام سے مشہور ہے (سیرۃ النبیؐ جلد اوّل۔ ص ۲۶۸)

سیرتِ محمدیہؐ جو مواہب اللدنیہ کا اردو ترجمہ ہے میں لکھا ہے "حدیبیہ ایک کنواں ہے۔ اس کنوئیں کے ساتھ اس جگہ کا نام رکھا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ایک درخت ہے اور محب طبری نے کہا ہے کہ ایک قریہ ہے کہ مکہ سے قریب ہے۔ اکثر اس قریہ کا حصہ حرم شریف میں ہے اور باقی حل میں ہے۔ اور قریہ مکہ سے نو میل پر ہے۔ (سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۴۴)

۸۔۔۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کی طرف اپنے پہلے قاصد خراش بن امیہ الخزاعی کو روانہ کیا تو قریش نے خراش کو دیکھتے ہی ان پر حملہ کر کے ان کی سواری کو ہلاک کر دیا اور انہیں پکڑ لیا مگر احابیش نے مداخلت کر کے ان کی جان بچائی۔ دوسرے قاصد کو ابھی روانہ نہ کیا تھا کہ رات کی تاریکی میں قریش کے چالیس پچاس نوجوانوں نے مسلمانوں پر پتھراؤ کیا اور پھر یک دم جھپٹ پڑے مگر مسلمانوں نے سب کو قید کر لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا۔ آپؐ نے

ان کو رہا کر دیا۔ اس کے بعد دوسرے قاصد حضرت عثمانؓ کو بھیجا گیا۔ (حیاتِ محمدؐ۔ ص ۴۶۳)

۹۔۔۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ارشاد کے مطابق سیدنا عثمانؓ بن عفان مکے تشریف لے گئے اور اپنے ایک قرابت دار ابان بن سعید کے گھر ٹھہرے۔ جب اہل مکہ کو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پیغامِ مصالحت پہنچایا تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اصحابِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہرگز مکے میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ ہاں اگر تم خود عمرہ ادا کرنا چاہو تو کر لو، سیدنا عثمانؓ نے اس کا جو جواب دیا، وہ اوراقِ تاریخ پر ہمیشہ ابھرے ہوئے حروف میں ہیرے کی طرح چمکتا رہے گا۔ آپؓ نے فرمایا۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ یہاں تنہا عمرہ و طواف کر لوں اور میرا کعبۂ حقیقت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیت اللہ سے دور حدیبیہ میں بیٹھا رہے" اللہ اللہ۔ ظاہر بین فقیہ کی نگاہوں میں جناب عثمانؓ طوافِ کعبہ کے ایک بڑے ثواب سے محروم رہے۔ مگر حقیقت بین نگاہ میں اس ترکِ طواف کا ثواب، ثوابِ طواف سے کہیں زیادہ ہے۔

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور عثمانؓ کے درمیان روحانی وائرلیس لگا ہوا تھا۔ یہاں حدیبیہ میں بعض لوگ بولے کہ عثمانؓ بڑے خوش قسمت ہیں، وہ کم سے کم عمرہ تو ادا کر ہی لیں گے۔ "عثمانؓ کے نبض شناس پیغمبرؐ نے فرمایا۔ مجھے یقین نہیں کہ عثمانؓ میرے بغیر عمرہ و طواف کر لیں"۔ صَدَقَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واقعہ بھی یہی ہے کہ عثمانؓ کو حقیقتِ کعبہ کا کیا علم تھا۔ قوم نے تو اس بیت اللہ کو بیت الاصنام بنا دیا تھا۔ یہ کعبۂ حقیقتؐ ہی تھا جس نے حقیقتِ کعبہ سے دنیا کو روشناس کرایا۔ (پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۴۷۹)

۱۰۔۔۔ "زہری نے بیان کیا۔ پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بلایا اور ارشاد فرمایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو۔ اس پر سہیل نے کہا۔

میں یہ نہیں جانتا، بلکہ لکھو۔ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ (اے اللہ تیرے نام سے) اس پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا۔ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ ہی لکھو۔ عرب اس وقت باسمک اللّٰھم ہی لکھتے تھے۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اسلام نے سکھائی (حاشیہ) حضرت علیؓ نے یہی لکھ دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا لکھو هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" (یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمدؐ اللہ کے رسول نے سہیل بن عمرو سے صلح کی۔)

سہیل نے کہا۔ اگر میں اس بات کا اقرار کرتا کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں تو آپؐ سے جنگ کی ضرورت کیوں پیش آتی۔ صرف اپنا اور اپنے والد کا نام لکھیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکھو۔ (سیرت النبیؐ کامل۔ جلد دوم۔ ص ۲۷۸/ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۲۰۳، ۲۰۴/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۳۶۳/ سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۷۲/ مغازی الرسولؐ۔ ص ۳۰۹/ مختصر سیرت الرسولؐ ص ۴۷۹/ نقوش۔ جلد ۷۔ ص ۴۴۳، ۴۵۱/ پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۴۸۲/ سیرتِ محمدیہ جلد اوّل۔ ص ۴۵۰، ۴۵۱/ شواہد النبوت۔ ص ۱۴۷، ۱۴۸)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا رسول اللہؐ کا لفظ نکال دو حضرت علیؓ نے عرض کی کہ میرے لیے یہ بات نہایت تکلیف دہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علیؓ سے وہ کاغذ لیا اور اپنے ہاتھ سے رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دیا۔ (اُسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۶ (ابنِ اثیر و امام مسلم محدث)/ سیرتِ محمدیہ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۵۱–۴۵۵)

۱۱—— حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حدیبیہ میں دس بارہ دن قیام فرمایا اور مکہ سے رخصت ہوئے۔ (انوارِ محمدیہ۔ ص ۱۲۸) مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے وحی کے ذریعہ "فتح مبین" کی بشارت نازل ہوئی۔ قرآن کی اس سورۃ کا نام ہی "فتح" ہے (حیاتِ محمدؐ۔ ص ۴۶۸/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۴۸۴/ نقوش۔ جلد ۷۔ ص ۴۷/ پیغمبرِ انسانیت۔ ص ۴۹۰)

۱۲—— صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی تیسری شرط عجیب شنیع تھی۔ وہ یہ کہ جو کوئی ہماری جانب سے بغیر اجازت کے، از خود تم میں چلا جائے، اُسے ہماری طرف لوٹا دیں اگرچہ مسلمان ہو کر ہی پہنچے اور جو کوئی آپ کی طرف سے آ جائے گا اسے ہم نہ لوٹائیں گے۔ مسلمانوں نے اس شرط پر تعجب کیا اور کہنے لگے، ہم کس طرح اسے لوٹائیں گے۔ جو مسلمان ہو چکا ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ جب سہیل نے اس شرط کا ذکر کیا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ایسا ہی ہو گا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپؐ اس شرط پر راضی ہیں؟ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے تبسم فرمایا اور فرمایا "اے عمرؓ جو کوئی ان کے پاس سے ہمارے پاس مسلمان ہو کر آئے گا اور ہم اسے لوٹائیں گے تو حق تعالیٰ اس کے لیے کشادگی اور آزادی کی راہ پیدا فرما دے گا۔ اور جو کوئی ہم سے انحراف کر کے مشرکوں کی طرف جائے گا، ہمارا اس سے کیا سروکار ہے۔ وہ کفار کی صحبت ہی کے لائق ہے اور آخری شق کا وقوع بہت کم ہو گا۔ اور کمتر واقع ہو گا لیکن شق اوّل وقوع پذیر ہو گی۔ لیکن بالآخر عاقبت بخیر بعد معاملہ احسن وجود میں آئے گا۔ (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۳۶۱، ۳۶۲/ مغازی الرسولؐ۔ ص ۳۰۸/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۴۸۱)

۱۳—— سلیمان ندوی، رحمتِ عالمؐ۔ ص ۸۴–۸۶/ سیرت النبیؐ کامل جلد دوم۔ ص ۳۶۸–۳۸۵/ الوفا۔ ص ۷۲۷–۷۲۹/ الرحیق المختوم۔ ص ۵۴۸–۵۶۵/ انوارِ محمدیہ۔ ص ۱۲۳–۱۲۸/ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۹۹–۲۰۸/ عہدِ نبوی کے نادر واقعات۔ ص ۱۹۴–۲۰۰/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۳۶۱–۳۷۴/ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل۔ ص ۲۶۸–۲۷۶/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۷۱۔/ مغازی الرسولؐ۔ ص ۳۰۴–۳۱۱/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۱–۲۶/ حیاتِ محمدؐ ص ۴۵۵–۴۷۱/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۴۷۲–۴۸۸/ سیرۃ محمدیہ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۴۳–۴۶۷/ پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۴۸۱–۴۹۵/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۴۱۱–۴۲۸۔

۱۴ــــ الرحیق المختوم۔ ص ۵۵۷/ سیرتِ رسولِ عربی۔ ص ۲۰۶/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۳۶۲-۳۶۳/ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۷۳، ۲۷۴/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۱۸-۲۰، ۲۶/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۴۶۷/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۴۸۰-۴۸۱/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۴۶/ پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۴۸۶، ۴۸۷/ مغازی الرسولؐ۔ ص ۲۰۹، ۲۱۰۔

۱۵ــــ قریش تنگ آکر حضور رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے طالبِ رحم ہوئے اور واپسی کی شرط بھی اڑا دی۔ پس حضورِ انور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ابوبصیرؓ و ابوجندلؓ کے نام ایک نامہ بھیجا۔ ابوبصیرؓ اس وقت قریب الموت تھا وہ نامہ مبارک اس کے ہاتھ میں ہی تھا کہ انتقال کر گیا۔ اور ابوجندلؓ ساتھیوں سمیت مدینہ میں حاضرِ خدمتِ اقدس ہو گیا اور مدینہ ہی میں رہا یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق کے عہد میں ملکِ شام میں شہید ہو گیا۔ (سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۲۰۸/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۳۷۳، ۳۷۴)

"اسوۃ الرسولؐ" میں محدّث شیرازی کے حوالے سے لکھا ہے "جس وقت یہ نامہ مبارک عیص میں پہنچا۔ غریب ابوبصیرؓ پر عالمِ نزع طاری تھا۔ ابوجندلؓ جو مکہ سے آکر انہی کے پاس مقیم تھے، سرہانے تیمارداری کر رہے تھے۔ ابوبصیرؓ کے کان میں چلا کر نامۂ مقدس کی آمد کی بشارت دی۔ ابوبصیرؓ نے یہ مژدۂ جانفزا سن کر آنکھیں کھول دیں اور ابوجندلؓ کے ہاتھ سے نامۂ مبارک لے کر اپنے سینے پر رکھ لیا اور روح عالمِ قدس کی طرف پرواز کر گئی۔ ابوجندلؓ کا بیان ہے کہ ہم نے مل کر ابوبصیرؓ کو دفن کر دیا اور ایک مسجد وہاں تعمیر کر دی۔ پھر وہاں سے ہم لوگ مدینہ منورہ چلے آئے۔ (اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۲۷)

۱۶ــــ الرحیق المختوم۔ ص ۵۶۴، ۵۶۵/ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۲۰۷، ۲۰۸/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۳۷۲، ۳۷۳/ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۷۵، ۲۷۶/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۲۶، ۲۷/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۴۶۹، ۴۷۰/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔

ص ۴۸۶، ۴۸۷/ نقوش۔ جلد ۷۔ ص ۴۷، ۴۸۔

۱۷ــــ الرحیق المختوم۔ ص ۵۵۸، ۵۵۹/ سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۷۵/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۴۸۳۔

مستورات میں سے حضرت ام کلثومؓ جو رئیسِ مکہ (عقبہ بن ابی معیط) کی صاحبزادی تھیں اور مسلمان ہو چکی تھیں۔ مدینہ ہجرت کر کے آئیں لیکن ان کے ساتھ ان کے دونوں بھائی عمارۃ اور ولید بھی آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کو واپس دے دیجیے۔ آپؐ نے منظور نہ فرمایا۔ صحابہؓ میں سے جن لوگوں کی ازواج مکہ میں رہ گئی تھیں اور اب تک کافرہ تھیں، صحابہؓ نے ان کو طلاق دے دی (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۷۶/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۲۴، ۲۵/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۴۷۰، ۴۷۱)

۱۸ــــ انوارِ محمدیہ۔ ص ۱۲۴، ۱۲۵/ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۲۶۹/ سیرت النبیؐ کامل جلد دوم۔ ص ۳۷۰/ الوفا۔ ص ۷۲۸/ الرحیق المختوم۔ ص ۵۵۰، ۵۵۱/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۴۷۴۔

"سیرتِ رسولِ عربیؐ" میں لکھا ہے کہ آپؐ نے اس کنویں میں پانی کی ایک کلی ڈالی تھی جس سے پانی بکثرت ہو گیا تھا۔ (سیرتِ رسولِ عربیؐ" ص ۲۰۰، ۲۰۱/ شواہد النبوۃ۔ ص ۱۴۶، ۱۴۷)

۱۹ــــ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۴۸۵/ شواہد النبوۃ۔ ص ۱۴۷۔

حضرت جابرؓ سے اس واقعہ کے بارے میں کسی نے پوچھا کہ کتنے لوگ اس وقت موجود تھے۔ انہوں نے کہا۔ اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی کافی تھا لیکن ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔ (شواہد النبوت۔ ص ۱۴۷)

۲۰ــــ شواہد النبوۃ۔ ص ۱۴۸۔

۲۱ــــ ایضاً۔ ص ۱۴۸، ۱۴۹۔

عُمرۃ القضا

اسحٰق علوی عمرۃ القضا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ابنِ حبیب نے اس کی تاریخ بھی دوشنبہ ۶ ذی قعدہ بیان کی ہے۔ حسابی رو سے ذلقیدہ ۷ھ کی پہلی تاریخ کو (۲۹ کا چاند مان کر) پنجشنبہ تھا۔ اس لیے دوشنبہ کا دن بجائے ۶ کے ۵ کو پڑتا ہے لیکن "۳۰" کا چاند مان لیا جائے تو یہ تفاوت بھی نہیں رہتا۔[1]

حاکم نے اکلیل میں بیان کیا ہے کہ جب ہجرت کے ساتویں سال ذی القعدہ کا چاند نظر آگیا تو تواتر سے یہ خبریں آنے لگیں کہ حضور اصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو حکم دیا ہے کہ وہ عمرۂ قضا[2] کے لیے تیار ہوجائیں جسے مشرکینِ مکہ نے گزشتہ سال روک دیا تھا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد تھا کہ جو آدمی بھی سالِ گزشتہ حدیبیہ میں موجود تھا وہ ضرور شامل ہو۔ چنانچہ سوائے ان لوگوں کے جو خیبر میں شہید ہوگئے تھے یا فوت ہوگئے تھے، باقی سب شریکِ سفر تھے[3] حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دو ہزار[4] مسلمانوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ مدینہ کی سیادت ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ قربانی کے ساٹھ اونٹ تھے۔ متفرق ہتھیار، تلواریں، زرہیں اور نیزے بھی ساتھ تھے۔ جب آپؐ ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو آپ نے سواروں کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں آگے روانہ کیا۔ پھر ہتھیار روانہ فرمائے اور بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ اس کے انچارج تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے احرام باندھا، تلبیہ پڑھی اور باقی مسلمان بھی آپ کے ساتھ ساتھ تلبیہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنا دستہ لیے مرالظہران کے مقام پر پہنچ گئے۔ وہاں قریش کے کچھ آدمیوں سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کل صبح یہاں پہنچ جائیں گے

انہوں نے قریش کو جاکر بتایا تو وہ گھبرا گئے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دوسرے دن مرالظہران کے مقام پر پہنچ گئے اور لشکر کے ہتھیار[5] وادیٔ یاجج جو مکے کے قریب ایک جگہ ہے، بھیج دیئے اور اوس بن خولی الانصاری رضی اللہ عنہ کو دو سو آدمیوں کے ساتھ ان کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا۔

اہلِ مکہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ[6] گئے۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم قربانی کے اونٹوں کو لیے روانہ ہوتے جو ذی طوی کے مقام پر روک لیے گئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی اونٹنی قصوٰی پر سوار ہوکر نکلے۔ صحابہؓ نے حضورِ اکرمؐ (فداہ امی وابی) کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اور تلواریں گردنوں میں حمائل کیے ہوئے تھے اور تلبیہ پڑھ رہے تھے چنانچہ اس گھاٹی پر جو حجون کے سامنے تھی، تشریف لے آئے۔ حضرت ابنِ رواحہ رضی اللہ عنہ نے آپؐ کی اونٹنی کی مہار پکڑی ہوئی تھی اور بطور رجز پڑھ رہے تھے۔

"اے مشرکو! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راستے سے ہٹ جاؤ۔ آج ہم آپؐ کی تشریف آوری پر تمہیں زبردست ضرب لگائیں گے۔

یہ ایسی ضرب ہوگی کہ شیر اپنے کچھار سے بھاگ نکلے گا اور دوست دوست کو بھول جائے گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابنِ رواحہ رضی اللہ عنہ سے کہا، تم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے شعر پڑھ رہے ہو۔ حضورِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا۔ عمر رضؓ! اسے شعر پڑھنے دو، کیونکہ تیر کی نوک سے بھی اس کا اثر جلدی ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تلبیہ پڑھتے پڑھتے جا رہے تھے تاآنکہ آپؐ نے حجرِ اسود کو اپنے عصا سے چھوا، اور آپ نے جامۂ احرام کو دائیں بغل کے نیچے سے گزار کر اس کا دوسرا پلو بائیں بازو پر ڈال لیا جس سے دائیں کندھا ننگا تھا اور بایاں ڈھانپا ہوا تھا۔ باقی صحابہؓ نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تتبع میں اسی طرح جامۂ احرام اوڑھ رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی اونٹنی پر طواف کر رہے تھے اور صحابہؓ آپؐ

کے ساتھ گھوم رہے تھے۔

بخاری شریف میں مذکور ہے کہ مشرکین آپس میں کہنے لگے کہ تمہارے یہاں ایسے لوگ آئے ہیں جنہیں مدینے کی گرمی نے کمزور کر دیا ہے[8] اس لیے حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انہیں حکم دیا کہ تین طواف جلدی جلدی قدم اٹھا کر پورے کرو اور رکنین کے درمیان حسبِ معمول چل کر، اور ایک روایت میں ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لمبے لمبے ڈگ بھر کر چلو، تاکہ مشرکین کو تمہاری طاقت کا اندازہ ہو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹنی کی پیٹھ پر ہی صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی جب طواف کا ساتواں پھیرا تھا اور قربانی کے اونٹ مروہ کے پاس کھڑے کیے گئے تھے آپؐ نے فرمایا۔ یہ ہے قربان گاہ اور مکے کی ہر وادی قربان گاہ ہے۔ اس پر آپؐ نے مروہ کے پاس قربانی کی اور یہیں سر منڈایا۔ باقی لوگوں نے بھی اسی طرح کیا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ کچھ آدمی اپنے ان ساتھیوں کے پاس جو وادیٔ یاجج میں ٹھہرے ہوتے ہیں، جائیں۔ وہ وہاں ہتھیاروں کی حفاظت کے لیے رک جائیں اور انہیں مناسک ادا کرنے کے لیے بھیجیں۔ چنانچہ صحابہؓ نے تعمیل ارشاد کی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن تک مکے میں قیام فرما رہے۔ جب میعاد ختم ہو گئی تو مشرکینِ مکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے پاس آئے اور کہا اپنے ساتھی سے کہو کہ وہ مکے کو چھوڑ دیں کیونکہ میعاد ختم ہو گئی ہے۔ اس پر آپؐ نے مکے سے کوچ فرمایا۔[9]

اسی عمرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت میمونہؓ بنت حارث عامریہ سے شادی کی۔ حضرت میمونہ رضؓ کی بہن حضرت ام الفضل حضرت عباس رضؓ کی زوجیت میں تھیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکے پہنچنے سے پہلے حضرت جعفر رضؓ کو حضرت عباس کے پاس حضرت میمونہ رضؓ کے رشتہ کے لیے بھیجا تھا جو انہوں نے منظور کیا اور حضرت عباس رضؓ نے حضرت میمونہ رضؓ کی شادی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر دی۔[10]

"آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مکے سے چلنے لگے تو سیدنا امیر حمزہ رضؓ کی کمسن صاحبزادی جناب امامہ رضؓ جو ہنوز مکے میں تھیں، چچا چچا، کہتی ہوئی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس دوڑ کر آئیں۔ سیدنا علی رضؓ نے گود میں اٹھا لیا۔ سیدنا زیدؓ بن حارثہ اور سیدنا جعفرؓ بن ابی طالب بھی موجود تھے۔ جھگڑا یہ ہوا کہ اس یتیم بچی کی پرورش کا ذمہ کون لے؟ ان تینوں نے اپنا اپنا حق جتانا شروع کیا۔ علیؓ نے کہا یہ سب سے پہلے میرے پاس آئی ہے اور یہ میری چچا زاد بہن بھی ہے۔ زیدؓ نے اپنا دعویٰ یوں پیش کیا کہ حمزہ رضؓ میرے دینی بھائی تھے۔ اس لیے میں بھی امامہ[11] کا چچا ہوں۔ جعفرؓ نے اپنا حق یوں جتایا کہ "حمزہ رضؓ تو میرے بھی دینی بھائی تھے اور اس یتیمہ کی خالہ میرے گھر ہے۔" آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تینوں کے دعوے کو برابر کا درجہ دیا اور فرمایا" خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔" اس کے بعد امامہ کو جناب اسمؓا کے حوالے کر دیا۔[12]

حواشی

۱۔۔۔۔ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۵۹، ۶۰۔

۲۔۔۔۔ صفی مبارک پوری لکھتے ہیں کہ اس عمرے کو عمرۃ القضا اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ حدیبیہ کی قضا کے طور پر تھا یا یہ کہ یہ حدیبیہ کی صلح کے مطابق تھا اور چونکہ اس طرح کی مصالحت کو عربی میں قضا اور مقاضاۃ کہتے ہیں اس لیے اس عمرہ کو عمرۃ القضا کہا جاتا ہے۔ (الرحیق المختوم۔ ص ۶۲۳)

"مدارج النبوتؐ" میں ہے کہ" قضا بمعنی صلح ہے یعنی وہ عمرہ جو صلح حدیبیہ میں طے پایا تھا کہ سال آئندہ آئیں اور عمرہ ادا کریں۔ اسی بنا پر اس کا نام "عمرۃ الصلح" و "عمرۃ القضا" اور "عمرۃ القضیہ" بھی واقع ہے (مدارج النبوت جلد دوم۔ ص ۴۴۱)

ابنِ ہشام لکھتے ہیں" اس عمرے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "عمرۃ قصاص" کا نام دیا کیونکہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذی قعدہ ۶ ھ میں عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور یہ حرمت کا مہینہ تھا۔ اس لیے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مشرکوں سے اس کا قصاص لیا۔ چنانچہ ذی قعدہ ۷ھ میں (ایک سال بعد) آپ مکہ میں داخل ہو گئے"۔ (سیرت النبیؐ کامل۔ حصہ دوم ص ۴۳۲)

۳ —— "دو ہزار مسلمانوں کی فوج اسی جوش و خروش کے ساتھ گامزن تھی۔ ان کے دل فرطِ خوشی سے بلّیوں اچھل رہے تھے۔ تصوّرات میں یہ نقشے تھے کہ جونہی اپنی اپنی سواریوں سے اتر کر شہر میں داخل ہوں گے۔ (دوستوں سے مل کر) زندگی کے اس دور کی یاد تازہ کریں گے جس کی آخری گھڑیوں میں قضا و قدر نے انہیں گھر سے بے گھر نکال دیا تھا۔ ان احباب کا تذکرہ ہوگا جنہیں مکہ سے جلاوطن ہوتے وقت زندہ چھوڑ گئے تھے اور اس کے بعد وہ آسودۂ لحد ہو گئے۔ عزیزوں کے ساتھ بیٹھ کر اپنے اس مال و اسباب کی لوٹ اور غارت کی داستان بھی دریافت کی جائے گی جس سے خدا کی راہ میں ہجرت کے موقع پر ہاتھ دھو کر روانہ ہو گئے تھے۔ اور یہ تصوّر بھی ان کے دماغ میں کروٹیں لے رہا تھا کہ جس ایمان نے ان کی زندگی نے یہ انقلاب پیدا کر دیا تھا، وہ انہیں کس انداز سے خدا کے گھر کی طرف لے آیا ہے ..... ابھی تک وہ منظر بھی ان کی نظر سے اوجھل نہ ہوا تھا جب انہیں اس مقدس فرض کے ادا کرنے سے سالہا سال سے رد کر دیا گیا۔ آج وہ کس قدر خوش تھے کہ ذرا دیر بعد وہ اس متبرک سرزمین میں امن و سلامتی کے ساتھ داخل ہوں گے۔ (حیاتِ محمدؐ۔ ص ۴۹۷، ۴۹۸)

۴ —— "تاریخ مدینہ" میں لکھا ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دو ہزار ایک سو سواروں کے ہمراہ عمرۂ قضا ادا کیا۔" (تاریخ مدینہ۔ ص ۸۸)

"الرحیق المختوم" میں ہے کہ عمرۃ القضا ادا کرنے والے صحابہ کی تعداد عورتوں اور بچوں کے علاوہ دو ہزار تھی۔ (الرحیق المختوم۔ ص ۶۲۰)

۵ —— "جب قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری کا سنا تو

اسلحہ اور گھوڑوں کو دیکھا تو پوچھنے لگے یہ کیا ہے؟ کیا حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جنگ کے ارادے سے آئے ہیں اور صلح کو توڑتے ہیں؟ فرمایا۔ صلح اپنی جگہ قائم ہے۔ یہ بطور احتیاط ساتھ لیا ہے۔ اس سے کفار کو اطمینان ہو گیا" (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۴۴۲)

"مکے سے آٹھ میل کے فاصلے پر ایک جگہ بطن یاجج میں تمام اسلحہ رکھ دیئے گئے اور دو سو سواروں کا دستہ حفاظتِ اسلحہ کے لیے یہاں متعین کر دیا گیا۔ عربوں کا یہ عام دستور یہی تھا کہ ہتھیاروں کے بغیر کہیں سفر نہیں کرتے تھے۔ اس عادت کے علاوہ بھی مسلمانوں کو ہر وقت چوکس اور ہوشیار رہنا پڑتا تھا۔ بطن یاجج میں آٹھ میل کے فاصلے پر ہتھیاروں کو سوار دستے کی حفاظت میں اس لیے رکھ دیا گیا ہوگا کہ خدانخواستہ اگر اہلِ مکہ اپنے معاہدے کے خلاف چھیڑ چھاڑ کریں اور دفاع کی نوبت مجبوراً آجائے تو نہتے ہونے کی وجہ سے مسلمان مار نہ کھائیں بلکہ ایک آواز میں بطن یاجج سے اسلحہ پہنچ جائیں۔ (پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۵۲۲، ۵۲۳/ سلیمان ندوی۔ رحمتِ عالمؐ۔ ص ۹۶)

۶ —— "مسلمان شہر میں داخل ہوئے تو اس سے پہلے قریشِ مکہ سے روپوش ہو گئے کسی نے (قریبی) پہاڑیوں میں خیمے نصب کر لیے، کوئی درختوں کی آڑ میں جا چھپا، بعض کوہِ ابوقبیس پر چڑھ گئے، کسی نے حرا میں پڑاؤ ڈال لیا۔ الغرض سب مرد و زن ندامت سے منہ چھپانے کے لیے گرد و نواح کی پہاڑیوں میں دبک گئے۔ روپوشی کے ساتھ قریش کا ہر فرد مسلمانوں کی طرف تاک لگائے دیکھ رہا تھا کہ جن لوگوں کو دھتکار کر مکہ سے نکال دیا تھا، آج وہ اس شان و شوکت کے ساتھ شہر میں داخل ہو رہے ہیں" (حیاتِ محمدؐ۔ ص ۴۹۸)

۷ —— "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے تین چکر دوڑ کر لگائے، مشرکین نے دیکھا تو کہنے لگے۔ یہ لوگ جن کے متعلق ہم سمجھ رہے تھے کہ بخار نے ا

توڑ دیا ہے، یہ تو ایسے اور لوگوں سے بھی زیادہ طاقتور ہیں۔ (الرحیق المختوم۔ ص ۶۲۲)

۸— ہیکل لکھتے ہیں کہ آپؐ عمرہ کے بعد "دوسرے دن بیت اللہ میں تشریف لائے۔ کعبہ میں بدستور بُت موجود تھے۔ بایں ہمہ حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان کہی اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اپنے دو ہزار صحابہؓ سمیت ظہر کی نماز ادا کی۔ یہی کعبہ ہے جس میں سات برس تک عبادت کرنے سے روک دیا گیا تھا۔ (حیاتِ محمدؐ۔ ص ۴۹۹)

۹— انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۳۳-۱۳۶/ الرحیق المختوم۔ ص ۶۲۰-۶۲۳/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۴۹۷-۵۰۰/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۴۴۱-۴۴۸/ سیرت النبیؐ کامل ص ۴۳۳-۴۳۶/ سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۹۰-۴۹۶/ شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۰۰-۳۰۱/ اُسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۱۲۹-۱۳۲/ پیغمبرِ انسانیتؐ ص ۵۰۰-۵۳۶/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۵۱۴-۵۱۸/ سلیمان ندوی۔ رحمتِ عالمؐ ص ۹۶، ۹۷۔

۱۰— ...یق المختوم۔ ص ۶۲۳/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۵۰۰/ سیرت النبیؐ کامل۔ جلد دوم ص ۵.. / سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۹۶/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۵۱۸/ تاریخِ مدینہ۔ ص ۸۸۔

...سو درہم بطور مہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب سے ادا کیے گئے (...رت النبیؐ کامل۔ جلد دوم۔ ص ۴۳۵)

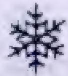
...ضرت میمونہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت خالدؓ بن ولید کی خالہ ...ہ (مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۵۱۸)

حضرت میمونہؓ بحیثیت نکاح حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سب سے

آخری بیوی ہیں اور ایک قول کے مطابق تمام بیویوں میں سب کے آخر میں فوت ہوئیں مگر ایک روایت کے مطابق سب سے آخر میں حضرت صفیہؓ فوت ہوئی تھیں۔ حضرت میمونہؓ "سرف" کے مقام پر ہجرت کے تریسٹھ سال بعد فوت ہوئیں (تاریخِ مدینہ۔ ص ۸۸/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۵۱۸/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۵۰۰/ سیرت النبی کامل۔ ص ۴۳۶)

۱۱— کچھ کتابوں میں حضرت حمزہؓ کی بیٹی کا نام امامہؓ لکھا ہے (پیغمبرِ انسانیتؐ ص ۵۳۵/ سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۰۱/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۱۳۱) مگر "مدارج النبوت" میں ان کا نام عمارہؓ لکھا ہے۔ لکھتے ہیں کہ حضرت عمارہؓ کی نسبت سے حضرت حمزہ کی کنیت "ابو عمارہ" تھی۔ یہ اپنی والدہ سلمیٰ بنت عمیس کے ساتھ مکے میں ہی رہتی تھیں (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۴۴۵)
حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر ابو سلمہؓ کے بیٹے سلمہؓ کی شادی حضرت عمارہؓ سے کردی تھی۔ (مدارج النبوت، جلد دوم۔ ص ۴۴۶)

۱۲— پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۵۳۵/ رحمتِ عالمؐ۔ ص ۹۷/ الرحیق المختوم۔ ص ۶۲۲، ۶۲۳/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۵۱۷، ۵۱۸/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۴۴۵، ۴۴۶/ سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۹۵، ۴۹۶/ شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۰۱/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۱۳۱، ۱۳۲۔



فتح مکّہ

اسلام کی تاریخ کا سب سے سنہری دن "فتح مکّہ" کا دن ہے۔ کیونکہ مکہ میں رہنے والوں نے مسلمانوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ظلم اور زیادتیوں کی انتہا کر دی تھی۔ جنھوں نے مسلمانوں کو تنگ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، ان کو جانی اور مالی نقصانات پہنچائے۔ جنھوں نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی راہ میں ہمیشہ رکاوٹیں پیدا کیں، آج وہی محکوم ہونے والے تھے۔

رات کی تاریکی میں ظالموں سے چھپ کر نکلنے والے، آج اسلام کی روشنی لیے، دن کے اجالے میں واپس تشریف لا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تاریخ کے اس اہم موڑ پر مدینہ سے روانگی کے لیے دوشنبہ کا دن چنا۔

اسحاق علوی اس غزوہ کی روانگی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "بیان کیا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے سلسلے میں مسلمان فوجیں چہارشنبہ ۱۰ رمضان ۸ ہجری کو نکلی تھیں۔ اور یومِ فتح جمعہ ۲۰ رمضان ۸ھ متعین ہے مگر حساب سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ ۱۰ کو چہارشنبہ ممکن ہے، نہ ۲۰ کو جمعہ بلکہ ۱۰ رمضان ۸ھ کو دوشنبہ آتا ہے!

"حدیبیہ کی صلح کے سبب سے خود سے مسلمان اب مکہ پر حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ مگر خدا کی قدرت دیکھیے کہ اس کا موقع خود مکہ والوں نے پیدا کر دیا۔ حدیبیہ کی صلح کی رُو سے کچھ قبیلوں نے مکہ والوں کا ساتھ دیا تھا اور کچھ مسلمانوں کے ساتھ تھے ان میں سے خزاعہ کا قبیلہ مسلمانوں کے ساتھ تھا اور ان کے دشمن بنو بکر قریش سے ملے ہوئے تھے۔ معاہدے کی رو سے قریش کے ساتھیوں میں سے کسی کا مسلمانوں کے کسی ساتھی قبیلہ پر حملہ کر دینا معاہدہ کو توڑ دینا تھا۔

خزاعہ اور بنو بکر میں زمانہ سے لڑائیاں چلی آتی تھیں، جب تک اسلام سے مقابلہ رہا، سب ملے رہے۔ اب جب حدیبیہ کی صلح نے مطمئن کر دیا تو بنو بکر سمجھے کہ اب دشمن سے بدلہ لینے کا وقت آ گیا۔ یک بیک انھوں نے خزاعہ پر حملہ کر دیا، قریش کے بہت سے بہادروں نے راتوں کو صورتیں بدل بدل کر خزاعہ پر تلواریں چلائیں خزاعہ نے حرم میں پناہ لی مگر وہاں بھی اس کو پناہ نہ مل سکی۔ شرط کے مطابق مسلمانوں پر ان کی مدد فرض تھی۔ خزاعہ کے چالیس شتر سواروں نے فریاد لے کر مدینہ کی راہ لی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے واقعہ سنا تو آپ کو بہت رنج ہوا۔ آپ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں۔ کہ ان میں سے وہ کوئی منظور کر لیں۔

١. خزاعہ کے جو لوگ مارے گئے ان کے خون کے بدلے میں روپیہ ادا کریں۔
٢. بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔
٣. اعلان ہو جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش کے سردار نے قریش کی طرف سے تیسری بات منظور کر لی۔ یعنی یہ کہ حدیبیہ کا معاہدہ اب باقی نہیں رہا۔ لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش بہت پچھتائے اور انھوں نے ابوسفیان کو اپنا سفیر بنا کر مدینہ بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کو پھر سے تازہ کرے۔ ابوسفیان نے مدینہ آ کر پہلے نبوت کی بارگاہ میں عرض کی، وہاں سے کوئی جواب نہ ملا تو حضرت ابوبکرؓ سے آ کر کہا۔ انھوں نے انکار کیا تو وہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ انھوں نے کہا یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ پھر وہ حضرت علی کے پاس گیا۔ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو طے کر چکے ہیں، اس کے بارے میں ان کو کچھ مشورہ نہیں دیا جا سکتا۔ بہتر یہی ہے کہ تم مسجد میں جا کر اعلان کر دو کہ میں حدیبیہ کی صلح کو پھر بحال کرتا ہوں۔ اس نے یہی کیا۔ ابوسفیان نے جا کر لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا۔ سب نے کہا "نہ یہ صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھیں اور نہ یہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان کریں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور احتیاط کی کہ مکہ والوں کو پتا نہ لگے۔ ۱۰ رمضان کو دس ہزار فوج مکہ کی طرف بڑھی۔ مکہ سے ایک

منزل اِدھر اتر کر پڑاؤ ڈالا۔ قریش کو خبر نہ تھی، ابوسفیان اور قریش کے دو سردار پتا لگانے کو نکلے۔ کچھ دور نکلے تو دیکھا کہ باہر ایک فوج پڑی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جو مکہ سے نکل کر پہلے ہی راستہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ چکے تھے۔ مکہ والوں کی حالت پر رحم آیا اور یہ سوچ کر کہ اگر فوج کے مکہ میں داخلے سے پہلے مکہ والے خود آ کر امن مانگ لیں تو ان کی مصیبت دور ہو جائے گی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمہ سے نکلے اور آپؐ کی سواری پر بیٹھ کر مکہ کی راہ کی۔ ابھی کچھ ہی دور چلے تھے کہ ابوسفیان وغیرہ مل گئے، ان کو بتایا کہ اسلام کا لشکر مکہ کے پاس پہنچ گیا اب قریش کی خیر نہیں۔ ابوسفیان نے مشورہ پوچھا۔ فرمایا تم میرے ساتھ چلے آؤ۔ وہ ساتھ ہو لیے۔ حضرت عباسؓ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے چلے۔ راہ میں حضرت عمرؓ نے دیکھ کر کہا "کفر کا سردار اب ہمارے قبضہ میں ہے" اور یہ کہہ کر جھپٹے مگر حضرت عباسؓ ان کو لے کر جلدی سے حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خیمہ میں گھس گئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) میں نے ابوسفیانؓ کو پناہ دی ہے۔

یہ کونسا ابوسفیان تھا؟ وہی جس نے اسلام کے خلاف بدر کے بعد سے لے کر اب تک ساری لڑائیاں کھڑی کی تھیں۔ عرب کے قبیلوں کو ابھار ابھار کر بار بار مدینہ پر چڑھا کر لایا تھا جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازشیں کی تھیں۔ وہ مسلمانوں کے پنجہ میں تھا اور اپنے ہر جرم کی سزا کا مستحق تھا، لیکن اسلام کا رحمتِ مجسمؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان سب سے درگزر کر کے اس کو اسلام کی بشارت سناتا ہے اور اتنا ہی نہیں، بلکہ اس کے لیے یہ فخر کا خلعت عطا فرماتا ہے کہ اعلانِ عام کر دیا جاتا ہے کہ "آج جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس سے کوئی باز پرس نہیں۔" یہ رحمت اور عام ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ "جو اپنا گھر بند کر لے گا، اس کو بھی امن ہے"

حضرت عباسؓ کو حکم ہوا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر ذرا اسلامی لشکر کا سیلاب دکھاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد اسلام کی فوجیں جوش مارتی ہوئی آگے بڑھیں۔

سب سے پہلے قبیلہ غفار کا پرچم نظر آیا، پھر جہینہ، ہدیم اور سلیم کے قبیلے ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے نکل گئے۔ ابوسفیان پر دفعہ ڈر جاتا تھا۔ سب کے بعد انصار کا قبیلہ اس سر و سامان سے آیا کہ پہاڑی گونج اٹھی۔ سعدؓ کے ہاتھ میں انصار کا جھنڈا تھا ابوسفیان نے حیرت سے پوچھا۔ یہ لشکر کون ہے؟ حضرت عباسؓ نے نام بتایا، آخر میں خود رسالتمآب کا آفتابؐ نظر آیا جس کے چاروں طرف جاں نثاروں کا ہالہ تھا۔ حضرت زبیرؓ کے ہاتھوں میں اس کا جھنڈا تھا۔

یہ پورا لشکر جب مکہ کے پاس پہنچا تو امن کی منادی ہوئی اور حرم کا گھر جو تین سو ساٹھ بتوںؑ کا مسکن تھا، اس گندگی سے پاک ہوا۔ اور ابراہیمؑ کے خدا کا گھر اب پھر خدا کا گھر بنا۔ اور توحید کی اذان[1] مسجد کے منارے سے بلند ہوئی۔ مکہ کے بڑے بڑے سردار جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن، مسلمانوں کے قاتل اور اسلام کی راہ کے پتھر تھے آج حرم کے صحن میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نظر اٹھا کر دیکھا اور پوچھا "اے مکہ کے سردارو! آج میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟" سب نے کہا "آپؐ جوانوں کے شریف بھائی اور بوڑھوں کے شریف بھتیجے ہیں" ارشاد ہوا۔ "جاؤ آج تم پر کوئی ملامت[11] نہیں، تم سب آزاد ہو۔" یہ آواز کیسی توقع کے خلاف تھی۔ مگر یہ دل کی گہرائی سے اٹھی تھی اور دل کی گہرائیوں میں اتر گئی۔ ہند ابوسفیان کی بیوی[12] جس نے احد کے میدان میں حضرت حمزہؓ کی لاش کے ٹکڑے کیے تھے۔ نقاب اوڑھ کر سامنے آئی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عام معافی کے پیغام سے خوش ہو جاتی ہے اور چلا اٹھتی ہے کہ "اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیک وسلم) آج سے پہلے مجھے آپؐ کے خیمہ سے زیادہ کسی خیمہ سے نفرت نہ تھی مگر آج سے آپؐ کے خیمہ سے زیادہ کوئی خیمہ مجھے پیارا نہیں معلوم ہوتا"

آج کفر کی ساری قوتیں ٹوٹ گئیں، دشمنوں کے سارے منصوبے ناکام ہو گئے اور اسلام کی فتح کا جھنڈا مکہ کی چہار دیواریوں پر بلند ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر تاثیر میں ڈوبی ہوئی یہ تقریر[13] فرمائی۔

ایک کے سوا اور کوئی خدا نہیں، اس کی خدائی میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور آخر اس نے کفر کے سارے جتھوں کو اکیلے توڑ دیا۔ ہاں! آج کفر کے سارے فخر اور غرور، خون کے سب پرانے کینے اور جاہلیت کے سارے بدلے اور سارے دعوے میرے پاؤں کے نیچے ہیں صرف دو عہدے باقی رہیں گے، خانہ کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت۔ اے قریش کے لوگو! خدا نے اب جاہلیت کے غرور اور باپ دادوں پر فخر کو مٹا دیا۔ اب آدمؑ کی ساری نسل برابر ہے۔ تم سب ایک آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ خدا فرماتا ہے "لوگو! میں نے تم سب کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ میں نے تم کو قبیلوں اور خاندانوں میں اس لیے بنایا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ آج سے اللہ نے شراب کی خرید و فروخت اور سود کے کاروبار کو حرام ٹھہرایا [14]

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خطبہ کے دوران انصار نے ایک دوسرے سے کہا کہ اس ہستی مکرم کو اپنی قوم پر رافت و رحمت نے اپنے شہر کی طرف رغبت اور قلبی میلان نے اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ اس لیے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں فرمائی اور ان کی ایذا رسانیوں کو نظر انداز کر دیا ہے لہٰذا عین ممکن ہے کہ اب واپس مدینہ منورہ تشریف نہ لائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے فرمایا اے جماعتِ انصار تم نے یہ کہا ہے کہ اس جوان اور ہستی مکرم کو رافت و رحمت اور شہر کی رغبت اپنی گرفت میں لے چکی ہے۔ اگر میں تمہارے ساتھ طے کردہ عہد نہ نبھاؤں اور واپس مدینہ طیبہ نہ آؤں تو اس وقت میں کون کہلاؤں گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بخدا ایسا ہرگز نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عبدِ خاص ہوں اور اس کا رسول ہوں۔ معاذ اللہ کہ میں عہد سے پھروں اور عہد شکنی سے کام لوں (ترجمہ) میری زندگی تمہاری زندگی ہے اور میری موت تمہاری موت

یعنی زندہ رہوں گا تو تمہارے ساتھ اور دارِ آخرت کی طرف انتقال کروں گا تو بھی تمہارے ہاں۔ الغرض انصار رضی اللہ عنہم نے جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس کرم نوازی اور ذرہ پروری کو دیکھا اور اس دلنواز خطاب کو سنا تو خوشی میں ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کے سیلاب امڈ آئے اور کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کے آنسوؤں نے اس کے سینے کو تر نہ کر دیا ہو۔

عرض کرنے لگے یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) بخدا ہم نے جو کچھ کہا ہے وہ صرف اور صرف اس خوف و خطر اور اندیشہ و فکر کے تحت کہ کہیں ہم سے یہ دولتِ کونین چھن نہ جائے اور ہم اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اہل مکہ کے حوالے کر کے سراپا حرمان بن کر واپس نہ جائیں تو آپؐ نے فرمایا۔ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سچے ہو اور وہ جانتے ہیں کہ تم جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہو تمہارے دل میں بھی وہی ہے [15]

کفارِ مکہ نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب وہ وقت تھا کہ ان کو ان کے حقوق دلائے جاتے لیکن آپؐ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی مملوکات سے دست بردار ہو جائیں [16]

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے تھے تو مکہ مکرمہ کے جنوب مشرقی حصے میں خندمہ پہاڑی کے آگے بوقبیس پہاڑ کے دامن میں عقیس، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو، عکرمہ بن ابوجہل اور چند دوسرے قریش کے سربھروں کی ایک چھوٹی سی جماعت مسلمانوں کو سرقیمت پر داخل ہونے سے روکنے کے لیے جمع تھی ان میں حبشی نامی پہاڑی کے دامن میں رہنے والے تیر اندازوں کے علاوہ بنی بکر اور قبیلہ حارث کے لوگ بھی شریک تھے۔ یہ لوگ ابھی اپنی تیاریوں ہی میں تھے کہ مسلمانوں کے دو آدمی کرز بن جابر الفہریؓ اور حبیشؓ بن اشعر اپنی جمعیت سے بچھڑ کر ان کے قریب پہنچ گئے تو عکرمہ اور اس کی جماعت نے ان پر حملہ کر دیا۔ حبیش جو ان کی زد میں تھے، مارے گئے لیکن کرز مقابلے پر ڈٹ گئے۔ اسی اثنا میں حضرت

خالد بن ولید رضؓ بھی اپنے دستے کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ کافروں نے ان پر بھی تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ حضرت خالد بن ولید رضؓ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم تھا کہ دشمن کی طرف سے پہلے حملہ ہو تو ضرور مقابلہ کرو لہٰذا حضرت خالد رضؓ نے انہیں تلواروں کی زد میں رکھ لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ بزدل لوگ بھاگ اٹھے[۱۷]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ میں قیام کے دوران ایک اہم واقعہ یہ ہوا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبے کا طواف کر رہے تھے تو فضالہ بن عمیر نے آپؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب آیا تو آپ نے پوچھا فضالہ! تم اپنے آپ سے کیا باتیں کر رہے تھے۔ کہنے لگا کچھ نہیں یا رسول اللہؐ! میں خدا کو یاد کر رہا تھا۔ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم مسکرائے اور فرمایا استغفر اللہ۔ پھر آپؐ نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھا جس سے اس کا دل مطمئن ہو گیا۔ فضالہ کہا کرتے جونہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے سینے سے اٹھایا میں نے یوں محسوس کیا۔ گویا خدا نے آپؐ سے محبوب تر کوئی اور چیز دنیا میں پیدا ہی نہیں کی۔[۱۸] فضالہ رضؓ نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا[۱۹]

"پندرہ دن تک آپؐ نے وہاں قیام فرمانے کے بعد حنین کی طرف سفر فرمایا اور مکہ مکرمہ پر عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنایا تاکہ انہیں نمازیں پڑھائیں اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو تعلیمِ سنن اور فقہ پر مامور فرمایا تاکہ ان کو عقائد واعمال کی تعلیم دیں[۲۰]

حواشی

۱ـــــ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۵۸۔

"سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک" میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ سے روانگی دوشنبہ کے دن لکھی ہے۔ (ص ۲۱۹)

اسحاق علوی اپنے مضمون میں اس بات کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ وسٹنفیلڈ کی قمری تقویم کے بموجب ۱۰ رمضان ۸ھ کو بجائے چہار شنبے کے دوشنبہ آتا ہے جو روایت سے مطابقت نہیں کرتا۔ جس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ رمضان قمری نہیں تھا بلکہ "مکی" رمضان تھا۔ چنانچہ مکی رمضان یکشنبہ ۲ مئی ۶۳۰ء کو شروع ہوا تھا جس کے حساب سے ۱۰ کو سہ شنبہ آتا ہے۔ گویا ایک دن کا فرق ہے جو قابلِ لحاظ نہیں۔ یہ مدینے سے روانگی کی تاریخ تھی مگر ابنِ سعد نے تسخیرِ مکہ کی تاریخ بھی بیان کی ہے جو مکی تقویم کے اعتبار سے قطعاً صحیح ثابت ہوتی ہے۔ طبقات میں ہے کہ "اور مکہ جمعہ کے دن ۲۰ رمضان کو فتح ہوا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وہاں پندرہ دن قیام فرمایا۔" بہرصورت یہ تاریخ قطعاً درست ہے کیونکہ یکم رمضان کو یکشنبہ ہو گا تو ۲۰ کو جمعہ ہونا یقینی ہے" (نقوش رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۰)

۲ـــــ حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی تھے انہوں نے قریش کو مخفی خط لکھ بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی۔ حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ حضرت مقدادؓ اور حضرت ابو مرثدؓ غنوی کو بھیجا کہ قاصد سے خط چھین لائیں۔ خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو تمام لوگوں کو حاطبؓ کے افشائے راز پر حیرت ہوئی۔ حضرت عمرؓ بیتاب ہو گئے اور عرض کی کہ حکم ہو تو اس کی گردن اڑا دوں؟ لیکن جبینِ رحمت پر شکن نہ تھی۔ ارشاد ہوا عمرؓ! تم کو کیا معلوم کہ خدا نے اہلِ بدر کو مخاطب کر کے کہہ دیا کہ تم سے مواخذہ نہیں ہے۔ حضرت حاطبؓ کے عزیز و اقارب اب تک مکہ میں تھے اور ان کا کوئی حامی نہ تھا اس لیے انہوں نے قریش پر احسان رکھنا چاہا کہ اس کے صلہ میں ان کے عزیزوں کو ضرر نہ پہنچائیں گے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

سامنے یہی عذر پیش کیا اور آپؐ نے قبول کیا۔ (شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۰۶ / سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۲۳۹، ۲۴۰ / انوارِ محمدیہ۔ ص ۴۴۳، ۴۴۴ / الرحیق المختوم۔ ص ۶۴۲، ۶۴۳ / مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۴۷۴ – ۴۷۵۔

۳ ـــــ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ سے ۱۰ رمضان ۸ ہجری یکم جنوری ۶۳۰ بروز پیر (دوشنبہ) روانہ ہوئے (سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۳۱۹)

۴ ـــــ اس سفرِ مبارک میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ آپؐ کے ہمراہ تھیں۔ (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۴۷۶)

محمد کلیم ارائیں اس موقع پر لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ بھی تھیں (سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۳۱۷)

۵ ـــــ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عشاء کے وقت مرّالظہران پہنچے اور پڑاؤ کے بعد لشکرِ اسلام کو حکم دیا کہ "دور دور تک پھیل جاؤ اور کھانا پکانے کے لیے الگ الگ آگ روشن کرو تاکہ دور سے دیکھنے والوں کو فوج زیادہ نظر آئے اور دشمن پر ان کی کثرتِ تعداد کا خوف طاری ہو جائے اور جب مکہ والوں نے دور دور تک آگ کے الاؤ روشن دیکھے تو دہشت زدہ ہو گئے۔ (سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۳۲۰، ۳۲۱ / سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۲۴۱ / الرحیق المختوم۔ ص ۶۴۵ / مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۴۷۷ / عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۲۰۵)

۶ ـــــ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کدید سے مرّالظہران کی طرف بڑھنے ہی والے تھے کہ ذوالحلیفہ یا جحفہ کے مقام پر آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ جو مکہ میں حجاج کو پانی پلانے والے محکمے کے منتظم تھے، ہجرت کر کے اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ منورہ آ رہے تھے کہ سرورِ عالمؐ سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا۔ آپؐ نے عباسؓ کو دیکھ کر مسرت سے فرمایا "میں آخر الانبیاء ہوں اور آپ آخر المہاجرین" حضرت عباسؓ نے اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کو مدینہ منورہ بھیج دیا اور خود لشکرِ اسلام کے ساتھ رک گئے۔ (سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۳۲۰ / سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص

۲۴۰، ۲۴۱ / مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۴۷۶، ۴۷۷ / تاریخِ مدینہ۔ ص ۸۹)

۷ ـــــ حضرت ابوسفیان کا نام صخر اور کنیت ابوسفیان تھی۔ یہ خاندانِ قریش کے رئیس اور بنی ہاشم کے حلیف تھے اس لیے اسلام سے دوہری دشمنی رکھتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت میں تمام رؤسائے قریش میں پیش پیش تھے۔ جنگِ بدر میں بڑے بڑے رؤساءِ قریش مارے گئے تو قریش کی مسندِ ریاست پر ابوسفیان بیٹھے۔ چونکہ مقتولوں کے لواحقین مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے بے تاب تھے اس لیے ابوسفیان نے پوری تیاری کر کے احد کے مقام پر مسلمانوں سے جنگ کی جس میں مسلمانوں کو اپنی غلطی سے نقصان اٹھانا پڑا۔ احد کے بعد یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ ابوسفیان بھی ان میں شریک تھے۔ غزوہ سویق اور غزوۂ خندق میں بھی لشکرِ کفار کے سردار رہے۔ ۶ھ میں شاہِ ہرقل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعوتِ اسلام کا خط بھیجا تو ان دنوں ابوسفیان تجارت کی غرض سے گئے ہوئے تھے۔ ہرقل نے انہیں بلا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق دریافت کیے تو انہوں نے جواب دیا کہ باوجود اختلاف کے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم بڑے شریف، شفیق، کریم اور راست باز ہیں۔

فتحِ مکہ کے دن ابھی مسلمان مکہ میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ ابوسفیان حضرت عباسؓ کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے اور امان طلب کی۔ آپؐ نے انہیں امان دے دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید اعلان کیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گا، اسے بھی امان دی جائے گی۔ (عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۲۰۶، ۲۰۷)

"کہا جاتا ہے کہ جب سے انہوں (ابوسفیانؓ) نے اسلام قبول کیا، حیا کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سر اٹھا کر نہ دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ان سے محبت رکھتے تھے اور ان کے لیے جنت کی بشارت دیتے

تھے اور فرماتے تھے، مجھے توقع ہے کہ یہ حمزہؓ کا بدل ثابت ہوں گے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو کہنے لگے مجھ پہ نہ رونا کیونکہ اسلام لانے کے بعد میں نے کبھی کوئی گناہ کی بات نہیں کی۔ (الرحیق المختوم۔ ص ۶۴۵)

ام المومنین حضرت ام حبیبہ حضرت ابوسفیان کی بیٹی تھیں اور حضرت ابوسفیان کے نامور فرزند حضرت معاویہؓ کاتبِ وحی اور امیرِ شام تھے۔ (عہدِ نبوی کے نادر واقعات۔ ص ۲۰۷)

۸ — "رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کعبے کے گرد بتوں کو اپنے عصا سے چھوتے تھے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ پڑھتے تھے اور بت زمین پر گر پڑتے (پڑتے) تھے حالانکہ وہ زمین میں لوہے اور چونے سے گڑے ہوئے تھے۔ اور سال کے دنوں کے حساب سے کل تین سو ساٹھ بت تھے۔" (انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۵۱/ الرحیق المختوم۔ ص ۶۵۲/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۴۸۵/ سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔ ص ۴۹۴/ سیرت النبیؐ کامل۔ جلد دوم۔ ص ۴۹۴)

۹ — "آپ نے بیت اللہ کے دروازے کے سامنے جلوہ گر ہو کر فرمایا "عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ کو بلاؤ" حضرت عثمان حاضر ہوئے تو ان سے مسکرا کر فرمایا۔ "کعبہ کی چابی لاؤ" عثمان نے آج سے کئی سال پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چابی دینے سے انکار کر دیا تھا حالانکہ آپؐ چند گھڑیوں کے لیے کعبہ کے اندر ربِّ کعبہ کی عبادت کرنا چاہتے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا تھا۔ "ایک دن یہ چابی میرے پاس ہو گی اور میں جسے چاہوں گا، عطا کروں گا" اس وقت تو عثمان نے بڑے تکبر سے کہا تھا "شاید اس وقت تمام قریش ہلاک ہو چکے ہوں گے" لیکن آپؐ نے فرمایا تھا "نہیں وہ تو قریش کی عزت کا دن ہو گا۔ آج اس فرمانِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی صداقت کو سب لوگ دن میں روشنی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔

عثمان نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے کعبہ کا دروازہ کھول دیا اور حضور (صلی

اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے انہیں چابی واپس کرتے ہوئے فرمایا۔ "عثمان یہ چابی اب قیامت تک تمہارے خاندان میں رہے گی اور سوائے ظالم کے کوئی شخص اسے تم سے نہیں چھین سکے گا"۔ آپؐ نے فرمایا۔ آج کا دن نیکی اور وفا کا دن ہے" عثمانؓ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے اندر داخل ہو گئے۔ (عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ ص ۱۲۸، ۱۲۹/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۴۸۷، ۴۸۸/ الرحیق المختوم۔ ص ۶۵۴ / سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک۔ ص ۲۲۶، ۲۲۷)

۱۰ — حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم پر حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اپنی بلند، دلکش اور پُراثر آواز میں اذان کہی (عہدِ نبوی کے نادر واقعات۔ ص ۱۲۹)

اس وقت "ابوسفیان بن حرب اور عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اذان کی آواز سن کر عتاب بولا کہ خدا نے اسید اگر یہ حق ہوتا تو میں اس کی پیروی کرتا۔ ابوسفیان نے کہا، میں تو کچھ نہیں کہتا اگر کہوں تو یہ کنکریاں ان کو میرے قول کی خبر دیں گی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان لوگوں کے پاس سے ہو کر نکلے تو فرمایا۔ کہ تمہاری باتیں مجھے معلوم ہو گئیں، تم نے ایسا ایسا کہا ہے۔ حارث و عتاب یہ سنتے ہی کہنے لگے "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔ ان باتوں کی اطلاع کسی اور کو نہ تھی ورنہ ہم کہہ دیتے کہ اس نے آپ کو بتا دیں۔ (سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۲۴۷، ۲۴۸/ الرحیق المختوم۔ ص ۶۵۴/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۴۹۱/ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اول۔ ص ۳۱۱)

۱۱ — حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جن کو معاف کر دیا، وہ کون تھے؟۔ شبلی لکھتے ہیں "ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں سب سے پیش رو تھے،

وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں ۔ وہ بھی تھے جن کی تیغ وسنان نے پیکرِ قدسی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ گستاخیاں کیں تھیں ۔ وہ بھی تھے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے ، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایڑیوں کو لہولہان کردیا کرتے تھے ۔ وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آآکر ٹکراتا تھا ، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریگ پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے ۔
سیرۃ النبیؐ ۔ جلد اوّل ۔ ص ۳۱۰ ، ۳۱۱)

مکہ والوں کی زیادتیوں کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ میں فوجوں کے داخلے سے پہلے اعلان کردیا گیا کہ جو شخص حرم میں داخل ہوجائے یا ابوسفیان کے گھر پناہ لے یا خود اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے اُس کو امن ہے ۔
(نقوش ۔ رسولؐ نمبر ۔ جلد ۲ ۔ ص ۱۸۹)

۱۲ —— اسلام قبول کرنے کے بعد ہندہ گھر گئی تو اپنے بت توڑنے شروع کردیئے وہ بت توڑتی جاتی اور کہتی جاتی کہ ہم تیرے متعلق دھوکے میں تھے ۔ (الرحیق المختوم ۔ ص ۶۶۰)

۱۳ —— سیرۃ النبیؐ ۔ جلد اوّل ۔ ص ۳۰۹ ، ۳۱۰ / سیرتِ رسولِ عربیؐ ۔ ص ۲۴۴ ، ۲۴۵ / الرحیق المختوم ۔ ص ۶۵۷ / مدارج النبوت ۔ جلد دوم ۔ ۴۹۰ ، ۴۹۳ ۔

۱۴ —— رحمتِ عالمؐ ۔ ص ۹۸ ۔ ۱۰۳ / سیرۃ النبیؐ ۔ جلد اوّل ۔ ص ۳۰۵ ۔ ۳۱۶ / الوفا ص ۷۳۰ ۔ ۷۳۲ / انوارِ محمدیہؐ ۔ ص ۱۴۳ ۔ ۱۵۳ / الرحیق المختوم ۔ ص ۶۳۶ ۔ ۶۶۳ / مدارج النبوت ۔ جلد دوم ۔ ص ۴۷۰ ۔ ۵۰۸ / سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک ۔ ص ۳۱۷ ۔ ۳۱۹ / غزواتِ نبویؐ ۔ ص ۶۴ ۔ ۶۸ ۔

۱۵ —— صفوان کا خون اگرچہ رائیگاں نہیں قرار دیا گیا تھا لیکن قریش کا ایک بڑا لیڈر ہونے کی حیثیت سے اسے اپنی جان کا خطرہ تھا اسی لیے وہ بھی بھاگ گیا ۔ عمیر

بن وہب جُمحی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کے لیے امان طلب کی ۔ آپ نے امان دے دی اور علامت کے طور پر عمیرؓ کو اپنی وہ پگڑی بھی دے دی جو مکہ میں داخلے کے وقت آپؐ کے سر پر باندھ رکھی تھی ۔ عمیرؓ صفوان کے پاس پہنچے تو وہ جدّہ سے یمن جانے کے لیے سمندر پر سوار ہونے کی تیاری کر رہا تھا ۔ عمیرؓ اسے واپس لے آئے ۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ۔ مجھے دو مہینے کا اختیار دیجیے ۔ آپؐ نے فرمایا تمھیں چار مہینے کا اختیار ہے ۔ اس کے بعد صفوان نے اسلام قبول کرلیا ۔ اس کی بیوی پہلے ہی مسلمان ہوچکی تھی ۔ آپؐ نے دونوں کو پہلے ہی نکاح پر برقرار رکھا ۔ (الرحیق المختوم ۔ ص ۶۵۷ / مدارج النبوّت ۔ جلد دوم ۔ ص ۴۹۹ / نقوش ۔ رسولؐ نمبر ۔ جلد ۲ ۔ ص ۱۸۹)

۱۶ —— "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتح مکہ کے بعد عکرمہ بن ابی جہل کے قتل کا حکم صادر فرمادیا تھا ۔ لیکن عکرمہ کی بیوی حکیمہ بنت حارث نے اسلام قبول کرلیا اور اپنے شوہر عکرمہ کو ساتھ لے کر امن طلب کرنے دربارِ رسالت میں پہنچ گئیں وہاں عکرمہ بھی ایمان لے آئے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں شہید کیے گئے ۔ (تاریخِ مدینہ ۔ ص ۸۹)

۱۷ —— سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک ۔ ص ۳۲۴ ، ۳۲۵ ۔

کتاب "الرحیق المختوم" میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کے دو آدمی کُرز بن جابر فہری اور خُنیس بن خالد بن ربیعہ شہید ہوئے اور بارہ مشرک مارے گئے ، باقی بھاگ گئے ۔ (الرحیق المختوم ۔ ص ۶۵۱ / سرورِ عالمؐ کے سفر مبارک ۔ ص ۳۲۴ (حاشیہ)
یہی بات "سیرتِ رسولِ عربیؐ" میں ہے مگر وہ خُنیس بن خالد بن ربیعہ کا نام جیش بن اشعر لکھتے ہیں ۔ (سیرتِ رسولؐ عربی ۔ ص ۲۴۲)
شبلی لکھتے ہیں کہ فتح مکہ میں تین صحابہ حضرت کُرز بن جابر فہری اور حضرت جیش بن اشعر اور حضرت سلمہ بن المیلا شہید ہوئے اور دشمن ۱۳ لاشیں چھوڑ کر بھاگ

گیا۔ (سیرۃ النبی۔ جلد اوّل۔ ص ۲۰۸)

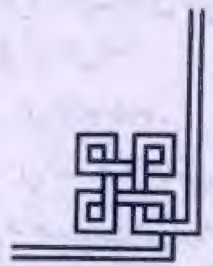
"الوفا" میں لڑائی کا ذکر ہے اور یہ کہ خالد بن ولید کے چوبیس افراد کو قتل کیا اور ہذیل میں سے بھی چار اشخاص کو ٹھکانے لگا دیا۔ (الوفا۔ ص ۱۳۷)

"انوارِ محمدیہ" میں ہے کہ خالدؓ بن ولید کے ساتھ جنگ میں بنو بجر کے بیس اور بنو ہذیل کے تین یا چار آدمی مارے گئے"۔ (انوارِ محمدیہ۔ ص ۱۴۷)

۱۸ —— انوارِ محمدیہ۔ ص ۱۵۰، ۱۵۱۔

۱۹ —— الرحیق المختوم۔ ص ۶۵۷۔

۲۰ —— الوفا۔ ص ۷۳۳۔



غزوۂ تبوک[۴]

غزوۂ تبوک[۱] کے لیے مدینہ سے روانگی کی تاریخ رجب ۹ھ اور واپسی رمضان یا شوال ۹ ہجری پر سب کا اتفاق ہے مگر ابنِ حبیب اس میں اس بات کا اضافہ کرتے ہیں کہ مدینہ سے روانگی یکم رجب ۹ ہجری کو ہوئی اور یکم رجب کو دوشنبہ کا دن تھا۔ اسحاق علوی نے اپنے جدولِ تقویمی کے حساب سے ابنِ حبیب کی اس بات کو درست قرار دیا ہے[۲]۔

"اس زمانہ میں شام اور مصر کے ملک عیسائی رومیوں کے ہاتھوں میں تھے جن کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا۔ شام کی حدیں حجاز سے ملی ہوئی تھیں۔ حجاز میں اسلام کی نئی قوت کا حال سن کر رومیوں میں کھلبلی مچی تھی۔ حجاز اور شام کی سرحد پر تبوک نام کا ایک[۳] مقام تھا۔ اس کے آس پاس کچھ عرب سردار جو عیسائی ہو گئے تھے، رومیوں کی ماتحتی میں حکومت کر رہے تھے۔ اب عرب سرداروں میں غسانی خاندان کے عرب سب میں طاقتور تھے اور وہی رومیوں کی طرف سے اس کام پر متعین ہوئے۔ دمِ بدم مدینہ میں یہ خبریں پھیلتی تھیں کہ غسانی[۴] مدینہ پر چڑھائی کی فکر کر رہا ہے۔ شام کے قبطی سوداگروں نے آکر بیان کیا کہ رومیوں نے شام میں بڑی بھاری فوج جمع کر لی ہے جو ہر طرح کے سامان سے لیس ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ خبریں سن کر مسلمان غازیوں کو بھی تیاری کا حکم دیا۔ اتفاق یہ کہ سخت گرمیوں کا زمانہ[۵] تھا۔ ملک میں قحط کے آثار بھی تھے۔ منافق[۶] جو دل سے مسلمان نہ تھے۔ ان کے لیے یہ بڑی آزمائش کا وقت آ گیا۔ وہ لڑائی سے جی چراتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی در پردہ روکتے تھے مگر پُرجوش مسلمانوں کے لیے یہ اُن کے ایمان کی تازگی کا نیا موقع ہاتھ آیا۔ کہ اب عرب کے چند قبیلوں کا

سامنا نہیں بلکہ دنیا کی ایک سلطنت کا مقابلہ ہے۔ دولت مند صحابیوں نے بھی بڑی بڑی رقمیں پیش کیں چونکہ سفر کا دور تھا اور سواری کا انتظام تھوڑا تھا اس لیے بعض معذور مسلمان تو رو رو کر عرض کرتے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سفر کا سامان مہیا فرما دیں تو ساتھ چلنے کی سعادت ملے۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمان رضؓ نے فوج کے لیے تین سو اونٹ پیش کیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو دعا دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے باہر جاتے تو کسی نہ کسی کو شہر کا حاکم بنا کر جاتے۔ ازواجِ مطہرات رضؓ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیویاں اس دفعہ ساتھ نہیں جا رہی تھیں۔ اس لیے کسی عزیز خاص کو یہاں چھوڑ جانا مناسب تھا اس لیے اس دفعہ یہ منصب حضرت علیؓ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ ارشاد ہوا، کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی۔ آپؐ کا یہ ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے وہ فخر ہے جس کو بھلایا نہیں جا سکتا۔

غرض آپؐ تیس[11] ہزار فوج کے ساتھ مدینہ[12] سے نکلے جس میں دس[13] ہزار سوار تھے۔ تبوک[14] پہنچ[15] کر معلوم ہوا کہ رومیوں کے حملہ کی خبر صحیح نہ تھی مگر اتنا صحیح تھا کہ اسلام کی نئی قوت کے مقابلہ کے لیے غسانی رئیس دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تبوک میں بیس[16] دن قیام کیا۔ اس قیام کا اثر یہ ہوا کہ تیس ہزار مسلمانوں کی یہ پاکیزہ جماعت جو ظاہر میں سپاہی اور حقیقت میں عاشقِ الٰہی تھی، آس پاس کے شہروں پر اپنا اثر ڈالے بغیر نہ رہی۔

اسلام میں اگلے پیغمبروں کی امتوں کے ساتھ یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ اگر تھوڑا سا محصول دے کر مسلمانوں کی رعایا بن جائیں تو مسلمان ان کی ہر طرح کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھا لیں۔ اس محصول کا نام قرآنِ پاک میں جزیہ رکھا گیا ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی غیر مسلم قوم مسلمانوں کی حکومت میں آئی۔ ایلہ خلیج عقبہ کے پاس عربوں

کی ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ اس کے رئیس یوحنا[17] نے خدمتِ نبویؐ میں آ کر جزیہ دے کر مسلمانوں کی حفاظت میں رہنا منظور کیا۔ جرباء اور اذرح کے عیسائی عربوں نے بھی جزیہ دے کر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ دمشق کے پانچ منزل ادھر ہی دومۃ الجندل میں ایک عرب سردار اکیدر نامی تھا جو قیصرِ روم کے اثر میں تھا۔ مسلمانوں نے چار سو سواروں کے ساتھ اس پر حملہ کیا اور اس کو پکڑ کر خدمتِ نبویؐ میں لائے۔ اس نے اس شرط پر رہائی پائی کہ وہ مدینہ آ کر صلح کی شرطیں پیش کرے۔ چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ آیا اور امان پائی۔

تبوک کا سفر[18] اس حیثیت سے کہ یہ عرب کے باہر کی دو سب سے بڑی طاقتوں میں سے ایک سے ٹکرانے کے سبب سے پہلی کامیاب کوشش تھی۔ بہت اہم تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بخیر و عافیت واپسی پر مسلمانوں نے بڑی خوشی منائی۔ مدینہ کے لوگ شوق کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لینے کے لیے شہر سے باہر نکلے۔ عورتیں بھی گھروں سے نکل آئیں اور لڑکیوں نے خیر مقدم کا یہ گیت گایا۔

طلع البدر علینا
من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا
مادعا للہ داع

ہم پر چاند نکلا
وداع کی گھاٹیوں سے۔
خدا کا شکر اس وقت تک ہم پر فرض ہے
جب تک دنیا میں خدا کا کوئی پکارنے
والا باقی ہے[19]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے حضرت حذیفہ رضؓ آپؐ کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر آگے آگے چل رہے تھے اور حضرت عمار[20] اونٹنی کو پیچھے سے دھکیل رہے تھے کہ راستے میں ایک مقام پر کچھ آدمی جو تعداد میں چودہ تھے اپنا مُنہ سر لپیٹے اونٹوں پر سوار آئے اور پیچھے سے حضرت عمارؓ پر حملہ کر دیا۔ عمارؓ نے ان کو ڈنڈے مار مار کر بھگا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمارؓ سے فرمایا

کہ ان کا ارادہ تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کو ڈرا کر گھرے کھڈ میں گرا دیں اور جانتے ہو یہ کون تھے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حذیفہؓ اور عمارؓ کو ان کے نام بتا دیئے ۔ اور حکم دیا کہ ان کے نام کسی کو نہ بتائیں ۔ حذیفہؓ کو "رازدار" کہا جاتا ہے [20]۔

" روایت ہے کہ دس آدمی ایسے تھے جو غزوۂ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ دے سکے تھے ۔ جب حضور علیہ السلام واپس تشریف لائے تو ان میں سے سات آدمیوں نے خود کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا اور واپسی پر آپؐ کا گزر وہیں سے ہوتا تھا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا ، یہ کون ہیں ۔ لوگوں نے عرض کیا ۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) یہ ابو لبابہؓ اور ان کے ساتھی ہیں جو آپ کے ساتھ جا نہیں سکے تھے ۔ آپ انہیں آزاد فرما دیں اور ان کا عذر قبول فرمائیں ۔ آپ نے فرمایا ، نہ تو میں انہیں آزاد کروں گا اور نہ ان کا عذر ہی قبول کروں گا جب تک خدا انہیں خود آزاد نہ کرے ۔ مجھ سے انہوں نے منہ پھیرا اور جنگ میں شامل نہ ہوئے ۔ جب یہ آیت اتری (بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہ کا اقرار کیا اس بات سے کہ انہوں نے اعمالِ صالحہ اور سیئات کو مخلوط کر دیا ہے قریب ہے کہ حق تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے کہ وہ بے شبہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے)
تو آپ نے انہیں آزاد کر دیا ۔ اور عذر قبول فرما لیا [21]

مخلص اہلِ ایمان میں سے تین حضرات ساتھ نہ جا سکے (اگرچہ کوئی خاص مانع امر ان کو در پیش نہ تھا اور تخلف کا ارادہ بھی نہ تھا) اور بعض حضرات وہ تھے جو عند اللہ اور عند الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معذور تھے اور شریکِ جنگ ہونے کے قابل نہیں تھے [22]
تین مخلص آدمی کعبؓ بن مالک ، مرارہؓ بن ربیع اور ہلالؓ بن امیہ بھی کسی قسم کے شک اور نفاق کے بغیر پیچھے رہ گئے تھے ۔ پیچھے رہ جانے کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سفر پر روانہ ہوتے تو تیز تیز چلنے لگے ۔ انہوں نے جانے میں سستی کی ، اور پیچھے رہ گئے ۔ مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام صحابہ کو ان کے ساتھ

قطع تعلق کا حکم دیا اور اس طرح تمام صحابہؓ نے ان تینوں سے سلام دعا بند کر دی ۔ کعب کہتے ہیں کہ قسمیں کھانے کے بعد جن لوگوں کا عذر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول کر لیا ۔ ہم تین آدمیوں کو ان سے مؤخر کر دیا ۔ آپؐ نے ان سے بیعت لی اور ان کے حق میں استغفار بھی کیا ۔ لیکن ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ آنے میں تاخیر ہو گئی ۔ مقاطعہ کی پچاس راتیں پوری ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ (ترجمہ) ان تینوں آدمیوں کی توبہ بھی قبول ہو گئی ہے جن کو مؤخر کر دیا گیا تھا ۔ اس تاخیر سے ہمارا جنگ سے پیچھے رہنا مراد نہیں بلکہ اس سے مراد ہمارا معاملہ ان لوگوں سے مؤخر کرنا ہے جنہوں نے قسمیں کھائی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا عذر قبول فرما لیا [23]

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تبوک سے واپس آئے تو راستے میں کئی جگہ مساجد تعمیر کیں [24] اور سفر کی واپسی پہ مسجدِ ضرار پہ گزر ہوا ۔ یہ مسجد منافقوں نے بوجہ حسد اہلِ قبا کے بنائی تھی تاکہ اس مسجد کی جماعت کم ہو جائے ۔ آپؐ نے اس مسجد کو وحیِ الٰہی کی وجہ سے خراب کر کے جلا دیا [25]

تبوک کے راستے میں ایک معجزہ ہوا کہ " راستے میں لشکر کو پانی کی سخت ضرورت پڑی حتیٰ کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکوہ کیا ۔ آپ نے اللہ سے دعا کی ۔ اللہ نے بادل بھیج دیا ۔ بارش ہوئی ۔ لوگوں نے سیر ہو کر پانی پیا اور ضرورت کا پانی لاد بھی لیا ۔[26]
اسی طرح کے ایک اور معجزہ کے بارے میں " حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمان تبوک کے چشمے پر پہنچے تو اس سے تھوڑا تھوڑا پانی رس رہا تھا صحابہ کرام نے اس سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھر لیے ۔ پھر ایک پرانی مشک میں اسے جمع کر لیا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اپنے ہاتھ اور منہ دھوئے پھر وہ پانی اس چشمے میں انڈیل دیا چنانچہ اس سے کافی پانی پھوٹ نکلا ، اور ساری سپاہ نے پیاس بجھائی [27]
اس غزوہ کے دوران ایک عاشقِ رسولؐ فوت ہوئے ان کا نام عبد اللہ العزیٰ تھا یہ مسلمان ہوئے تو ان کی قوم نے انہیں بہت ستایا ۔ ایک دن اپنی قوم سے بھاگ کر دربار

رسالت میں پہنچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تم کون ہو؟ بولے: میں آپ کا عاشق ہوں اور میرا نام عبد اللہ العزی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارا نام عبداللہ اور لقب ذوالبجادین ہے۔ ہمارے کاشانۂ اقدس کے قریب ہمارے پاس رہو۔ یہ اصحابِ صفہ میں اس جگہ رہتے تھے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان ٹھہرا کرتے تھے۔ اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآنِ پاک پڑھا کرتے تھے۔ یہ مسجدِ نبوی میں بلند آواز سے قرات کرتے۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے ان کی شکایت کی کہ یہ بہت بلند آواز سے قرآن شریف پڑھتے ہیں، جس کی وجہ سے نماز و قراءت میں لوگوں کو دقت ہوتی ہے۔ اس پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو کچھ نہ کہو۔ اس لیے کہ یہ اپنوں کا نکالا ہوا ہے اور خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے والا ہے۔ جب غزوۂ تبوک کا لشکر روانہ ہونے لگا تو یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میری خواہش ہے کہ خدا کی راہ میں شہید ہو جاؤں۔ اس لیے آپؐ دعا کریں کہ مجھے شہادت نصیب ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جاؤ کسی درخت کی چھال لے آؤ۔ جب یہ چھال لے آئے تو آپؐ نے چھال کو ان کے بازو پہ باندھ کر فرمایا "اے خدا میں اس کے خون کو کافروں پر حرام قرار دیتا ہوں"۔ حضرت عبداللہؓ نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) مجھے تو شہادت کی آرزو ہے۔ آپؐ نے فرمایا جب تم جہاد کی نیت سے جاؤ اور تم بخار سے فوت ہو جاؤ تو بھی تم شہید ہو گے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہؓ آپؐ کے ہمراہ تبوک کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر انہیں بخار آیا اور یہ فوت ہو گئے۔[۲۸]

عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ "میں غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔ میں نصف شب میں جاگا تو لشکر کے ایک کنارے پر آگ کا شعلہ دیکھا۔ میں اس آگ کی طرف چلتا گیا تو دیکھتا کیا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکرؓ اور عمرؓ موجود ہیں اور ذوالبجادین مزنیؓ وفات پا گئے ہیں۔ ان لوگوں نے قبر کھود دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں اترے۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ نے میّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف گڑھے میں اتاری۔ آپؐ فرماتے جاتے تھے "اپنے بھائی کو میری طرف اتارو"۔ ان دونوں نے ذوالبجادینؓ کو ان کی طرف اتار دیا۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پہلو پر لٹایا تو دعا فرمائی: "اے اللہ! میں اس سے خوش ہو گیا ہوں، تو بھی خوش ہو جا"۔ محمد بن ابراہیم نے کہا: ہم اور عبداللہ بن مسعود کہا کرتے تھے (ترجمہ) کاش میں اس قبر میں دفن ہو جاتا۔ ابنِ ہشام نے کہا، ان کا نام ذوالبجادین اس لیے رکھا گیا کہ یہ اپنی قوم کے لوگوں سے اسلام کے لیے جھگڑا کرتے تھے اور اس لیے انہوں نے ان کی زندگی تنگ کر رکھی تھی۔ یہاں تک کہ ان کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ جسم پر صرف ایک بجاد (موٹی اور کھردری چادر) رہ گئی تھی۔ آخر اپنی قوم سے بھاگ کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آ گئے۔ جب وہ قریب ہوئے تو انہوں نے اپنی چادر پھاڑ کر دو ٹکڑے کر لیے۔ ایک ٹکڑے کو تہبند اور دوسرے کو چادر بنا لیا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چنانچہ اسی بنا پر انہیں ذوالبجادین (دو چادروں والے) کہا گیا۔[۲۹]

حواشی

۱ — غزوۂ تبوک کو غزوۂ فاضحہ اور غزوۃ العسرۃ بھی کہا جاتا ہے۔

"چونکہ اس جنگ میں منافقوں کے نفاق کا پردہ چاک ہوا تھا۔ اس لیے اس کو غزوۂ فاضحہ (یعنی رسوا کرنے والی جنگ) بھی کہا جاتا ہے"۔ (مختصر سیرۃ الرسولؐ ص ۴۲۲/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۵۷۷)

"اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خشک سالی اور شدت کی گرمی میں روانہ ہوئے۔ راستے میں اونٹ ذبح کرتے تھے اور اس کے معدے کا پانی پی لیتے تھے۔ یہ تھی صورتِ حال پانی، سواری اور راشن کی کمی کی، اس وجہ سے اسے غزوۃ العسرۃ کہتے ہیں۔ (انوارِ محمدیہ۔ ص ۱۶۹/ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۲۶۲/ مختصر سیرۃ الرسول ص

۶۲۲/ عروہ بن زبیرؓ۔ مغازیٔ رسول اللہ۔ ص ۲۲۵/ محمد میاں صدیقی۔ خطباتِ رسولؐ۔ ص ۱۴۹/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۵۰۷)

۲۔۔۔ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۵، ۱۹۶۔

۳۔۔۔ "خطباتِ نبویؐ" میں لکھا ہے کہ تبوک گاؤں یا چشمہ کا نام ہے۔ (خطباتِ نبویؐ۔ ص ۱۱۱)

سیّد اولادِ حیدر فوق بلگرامی اور شبلی کے مطابق، تبوک مدینہ اور دمشق کے بیچ میں چودہ منزل کی مسافت پر ایک مشہور مقام ہے۔ قدیم زمانہ میں اقوامِ قدیم کا مرکز تھا۔ (اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۲۸۱/ شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۳۶) مدارج النبوت میں ہے کہ تبوک ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ طیبہ اور شام کے درمیان مدینہ منورہ سے چودہ منزل کے فاصلے پر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک قلعہ کا نام ہے اور قاموس میں ہے کہ مدینہ اور شام کے درمیان ایک خطۂ اراضی کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک چشمہ کا نام ہے جو اس جگہ واقع ہے چونکہ اس سفر میں لشکر کی آخر مسافت اس چشمہ تک ہوئی تھی، اس بنا پر اس کو اس نام سے موسوم و منسوب کیا گیا۔ (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۵۰۷)

۴۔۔۔ شام سے تیل لے کر آنے والے نبطیوں سے معلوم ہوا کہ ہرقل نے چالیس ہزار سپاہیوں کا ایک لشکرِ جرّار تیار کیا ہے اور روم کے ایک عظیم کمانڈر کو اس کی کمان سونپی ہے۔ اس جھنڈے تلے عیسائی قبائل لخم و جذام وغیرہ کو بھی جمع کر لیا ہے اور ان کا ہراول دستہ بلقاء پہنچ چکا ہے۔ اس طرح ایک بڑا خطرہ مجسم ہو کر مسلمانوں کے سامنے آگیا تھا۔ پھر جس بات سے صورتِ حال کی نزاکت میں مزید اضافہ ہو رہا تھا، وہ یہ تھی کہ زمانہ سخت گرمی کا تھا۔ لوگ تنگی اور قحط سالی کی آزمائش سے دوچار تھے۔ سواریاں کم تھیں، پھل پک چکے تھے۔ اس لیے لوگ پھل اور سائے میں رہنا چاہتے تھے۔ وہ فی الفور روانگی نہ چاہتے تھے۔ ان سب پر مستزاد مسافت کی دوری

اور راستے کی پیچیدگی اور دشواری تھی"۔ (الرحیق المختوم۔ ص ۶۹۹)

۵۔۔۔ یہ بڑا ہی نازک موقع تھا اس لیے کہ جاہلیتِ قدیمہ کے بچے کھچے قبائل روم اور اسلام کی اس ٹکر پر بڑی امید لگائے بیٹھے تھے۔ خصوصاً منافقین کے لیے امید کی یہ آخری شعاع تھی۔ وہ منتظر تھے کہ اس جنگ میں مسلمان شکست کھائیں تو وہ مدینہ میں اسلام کے خلاف شورش برپا کریں۔ یہود نے تو یہاں تک کہا کہ مسلمانوں کی یہ جنگ عرب سے نہیں بلکہ دنیا کی ایک بڑی طاقت سے ہے اس میں سب مسلمان باندھ لیے جائیں گے۔ قحط سالی اور شدید گرمی کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں کی مالی حالت بھی ابتر تھی، اور یہ زمانہ کھجوریں کو جمع کرنے اور فصل کاٹنے کا تھا۔ سواریوں اور رسد کا کام بھی مشکل تھا۔ (عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا۔ ص ۲۳۶)

۶۔۔۔ بدوؤں میں سے کچھ عذر خواہ (بہانہ تراش) بھی آگئے، تاکہ انہیں معذور سمجھا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور ان کی تعداد بیاسی تھی اور منافقین کی ایک جماعت بغیر کسی وجہ اور دلیل کے خدا اور رسولؐ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے خلاف ڈھٹائی سے پیچھے رہ گئی (انوارِ محمدیہ۔ ص ۱۰۰/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۶۲۵/ سیرت النبیؐ کامل۔ جلد دوم۔ ص ۶۲۳/ عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا۔ ص ۲۳۷، ۲۳۸)

۷۔۔۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبائلِ عرب اور اہلِ مکہ کی طرف جو اس وقت سب حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے، پیغام بھیجا کہ وہ جہاد کے لیے فوج میں بھرتی ہوں اور جو مسلمان آپ کے گرد و پیش رہتے تھے، ان کو بھی جہاد کی ترغیب دی اور اس کے لیے چندہ دینے اور صدقہ خیرات کرنے کی اپیل کی۔ چنانچہ لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بہت صدقات جمع کیے۔ سب سے پہلے صدقہ لانے والے حضرت ابوبکرؓ تھے۔ وہ اپنا سب مال لے آئے جو تعداد میں چار ہزار درہم تھا۔ حضرت عمرؓ اپنا آدھا مال لائے۔ حضرت عباسؓ نے بھی بہت چندہ دیا۔ حضرت

طلحہؓ نے بھی بہت مال پیش کیا۔ عبد الرحمٰن بن عوف نے دو سو اوقیہ چاندی دی۔ سعدؓ بن عبادہ اور محمدؓ بن مسلمہ نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ عاصم بن عدی نے ٣٩٠ من کھجوریں دیں۔ عورتوں نے بھی اپنی اپنی طاقت کے مطابق کنگن، بازو بند، پازیبیں، ڈنڈیاں اور انگوٹھیاں بھیجیں۔ (مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ٤٢٣/ الرحیق المختوم۔ ص ٦٩٣/ واقدی۔ مغازی الرسولؐ۔ ص ٣٢٥/ اُسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ٢٨٢، ٢٨٣/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ٥٧٩/ عہدِ نبویؐ کے غزوات و سرایا۔ ص ٢٣٧)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی جن کا نام علبہؓ بن زید تھا، دربارِ رسالت میں آئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) میں مال و دولت سے محروم ہوں مگر دل چاہتا ہے کہ خدا کی راہ میں کچھ پیش کروں۔ کچھ پاس نہ ہونے کی وجہ سے اپنی عزت و آبرو کو پیش کرتا ہوں۔ لوگ میرے ساتھ جیسا بھی سلوک کریں، ان سے میں کوئی باز پرس نہ کروں گا یعنی خود خدمت چاہیں اور جس طرح کی مدد چاہیں، میں حاضر ہوں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمہارے صدقہ کو قبول کیا۔ (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ٥٨٢)

اسی موقع پر ایک اور صحابی ابو عقیلؓ انصاری کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ حضرت ابو عقیلؓ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صرف دو سیر خشک چھوہارے لے کر حاضر ہوئے اور چھوہارے پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں نے تمام رات پانی کھینچ کھینچ کر ایک آدمی کے کھیت کو سیراب کیا تھا جس کے عوض یعنی مزدوری میں مجھے چار سیر چھوہارے ملے تھے۔ میں نے دو سیر بچوں کے لیے رکھے اور باقی دو سیر لے آیا ہوں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دو سیر چھوہاروں کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو قیمتی مال کے اوپر بچھا دو۔ آپؐ نے اس طرح ایک مزدور کی سخت محنت کی کمائی کو قیمتی ساز و سامان کے اوپر پھیلا کر اس عطیے کو قیمتی قرار دیا۔
(مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ٥٨٢/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ٢٨٢)

"اسی غزوۂ تبوک میں صدیقِ اکبرؓ نے اپنا تمام مال اور عمرِ فاروقؓ نے اپنا نصف مال لا کر حاضر کر دیا تھا"۔ (تاریخِ مدینہ۔ ص ٩٢/ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ٢٦٢/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ٥٧٣)

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکرِ تبوک کی تیاری کا شوق دلایا تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ آج میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جاؤں گا۔ آج تو میرے پاس بہت مال ہے جس میں سے آدھے مال کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آیا۔ حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دریافت فرمایا "اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا ہے"؟ میں نے عرض کیا۔ اتنی ہی مقدار میں ان کے لیے چھوڑ دیا ہے"۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے۔ اور جتنا مال ان کے پاس تھا سب لے آئے۔ ان سے بھی حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پوچھا "اپنے اہل و عیال کے لیے کتنا ذخیرہ چھوڑا ہے؟ انہوں نے کہا (ترجمہ) میں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو چھوڑا ہے"۔ اس پر حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا (ترجمہ) تمہارے درمیان میں فرقِ مراتب اور تفاوت اتنا ہی ہے جتنا تمہاری ان دو باتوں کے درمیان"۔ پھر میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔ میں آپؓ سے کسی بات میں سبقت نہیں کر سکتا۔ (مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ٥٧٩/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ٢۔ ص ٩٥)

٤ ——— غربت کی وجہ سے کچھ لوگ اپنی سواری کا انتظام نہیں کر سکتے تھے مگر اس غزوہ پر جانے کے لیے بے تاب بھی تھے۔ انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گزارش کی۔ آپ نے جس کے لیے ہو سکا، اپنی طرف سے بندوبست کر دیا اور باقی لوگوں سے معذرت کر لی۔ اس پر انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ ان کے زار و قطار رونے کی وجہ سے ان کا لقب "بکائین" پڑ گیا۔ (حیاتِ محمدؐ۔ ص ٥٧٣/

الوفا۔ص ۴۳۸/ الرحیق المختوم۔ص ۶۹۲/ مغازی الرسولؐ۔ص ۳۴۵/ اسوۃ الرسولؐ جلد سوم۔ص ۲۸۴/ سیرت النبیؐ کامل۔جلد دوم۔ص ۶۲۳/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ص ۵۸۲/ عہدِ نبویؐ کے غزوات و سرایا۔ص ۲۳۷)

"بکائین" تعداد میں سات ہیں اور انصار اور دوسرے قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ بنو عمرو بن عوف سے سالمؓ بن عمیر، بنو حارثہ سے علبہؓ بن زید، بنو مازن بن نجار سے ابولیلیٰ عبدالرحمٰنؓ۔ بنو سلمہ سے عمروؓ بن حمام بن جموح، عبداللہؓ بن معقل مازنی۔ بعض راوی ان کو عبداللہؓ بن عمرؓ مازنی کہتے ہیں۔ بنو واقف سے ہرمیؓ بن عبداللہ اور عرباضؓ بن ساریہ۔ یہ لوگ بہت حاجتمند تھے۔ (مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ص ۶۲۵)

۹۔۔۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ (علیکؐ وسلم) دو سو اونٹ مع سازو براق اور دو سو اوقیہ چاندی پیش کرتا ہوں۔ فرمایا اس کے بعد عثمان جو کچھ بھی کرے اس سے باز پرس نہ ہوگی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جیشِ عسرت کے لیے ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے فراہم کیے۔ حضرت عثمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب جیشِ عسرت کی تیاری شروع ہوئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار آستین میں ڈالے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جھولی میں ڈال دیئے۔ میں نے آپؐ کو دیکھا کہ جھولی میں دیناروں کو اُلٹ پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْم۔ یہ روایت ترمذی کی ہے۔ امام طبرانی نے حذیفہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جیشِ عسرت کے لیے دس ہزار دینار بھیجے تھے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ڈال دیئے گئے۔ آپؐ اپنے دستِ مبارک سے دیناروں کو اوپر نیچے اُلٹتے پلٹتے تھے اور فرماتے تھے "عثمانؓ! تجھے اللہ معاف کرے، جو کچھ تم نے علی الاعلان کیا یا خفیہ طور پر کیا،

وہ قیامت تک باقی رہے گا تو اس کے بعد جو کچھ بھی کرے گا، اس کا کوئی مؤاخذہ نہیں" (انوارِ محمدیہ۔ص ۱۲۹، ۱۰۰/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ص ۶۲۳/ الرحیق المختوم۔ص ۶۹۲/ سیرت النبیؐ کامل۔جلد دوم۔ص ۶۲۲/ مدارج النبوت۔جلد دوم۔ص ۵۸۰، ۵۸۱/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔جلد ۲۔ص ۱۹۴، ۱۹۵)

حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار درہم اور تین سو اونٹ مع پالان و نکیل کے دیئے۔ (حیاتِ محمدؐ۔ص ۵۷۲)

۱۰۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مقامِ "جرف" تک پہنچے تو حضرت علیؓ آپؐ کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچے اور عرض کی "یارسول اللہ (صلی اللہ علیکؐ وسلم) منافقوں نے مشہور کر دیا ہے کہ آپؐ نے مجھے بوجھ سمجھ کر پیچھے چھوڑا ہے اور اس طرح اپنا غم ہلکا کیا ہے۔" آپؐ نے فرمایا انہوں نے جھوٹ بولا ہے۔ میں نے تمہیں اہلِ خانہ کی حفاظت کے لیے چھوڑا ہے۔ جاؤ میرے اور اپنے اہل و عیال میں میرا خلیفہ بنو۔ علیؓ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ میرے بعد تمہیں وہ درجہ حاصل ہو جو موسیٰؑ کے بعد ہارونؑ کو حاصل ہوا۔ مگر یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ یہ سن کر مدینہ کی طرف واپس چلے آئے۔ (مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ص ۶۲۵، ۶۲۶/ الرحیق المختوم۔ص ۶۹۳/ اسوۃ الرسولؐ۔ص ۲۸۷۔۲۹۰/ شبلی۔سیرۃ النبیؐ۔جلد اوّل۔ص ۳۳۷/ مدارج النبوت۔جلد دوم ص ۵۸۶)

۱۱۔۔۔ کوچ کا نقارہ بجنے کے ساتھ ہی لشکر میں حرکت پیدا ہوئی۔ ذرا دیر میں ہر طرف غبار اڑ رہا تھا۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ نے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ (شہر کی عورتیں اپنی اپنی چھتوں پر سے اس کوہ پیکر لشکر کا نظارہ دیکھنے لگیں جو صحرا کو پامال کرتا ہوا شام جیسے دور دراز ملک کی طرف جا رہا ہے۔ خداوندا! اس لشکر کا جذبۂ جہاد و شہادت! انہیں گرمی کا خوف ہے نہ بھوک اور پیاس کا خطرہ۔ (حیاتِ محمدؐ۔ص ۵۷۳)

۱۲ــــ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سفر پر روانہ ہوتے تو کچھ لوگ پیچھے رہ جاتے تھے۔ لوگ کہتے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم فلاں آدمی پیچھے رہ گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے، اگر اس میں ایمان ہوا تو اللہ تعالیٰ اسے تمہارے پاس پہنچا دے گا اور اگر اس میں ایمان نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے شر سے تمہیں نجات دی ہے۔ ابوذرؓ بھی پیچھے رہ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ویسا ہی فرمایا۔ دراصل ابوذرؓ کا اونٹ رک گیا اور وہ کسی طرح نہ چلتا تھا۔ تنگ آکر ابوذرؓ نے اونٹ سے اتر کر اپنا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر پیدل ہی چلنا شروع کر دیا۔ ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اترے تو لوگوں نے کہا کہ دور سے ایک آدمی اکیلا چلا آ رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ خدا کرے وہ ابوذرؓ ہی ہوں۔ اس طرح ابوذرؓ پیدل چل کر لشکر سے مل گئے۔

(مختصر سیرۃ الرسولؐ ص ۴۲۸/سیرت النبیؐ کامل۔ جلد دوم۔ ص ۶۲۹/اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۲۹۱/عہدِ نبویؐ کے غزوات و سرایا۔ ص ۲۳۸، ۲۳۹)

غزوۂ تبوک میں ابوذر کو اس طرح آتا دیکھ کر آپؐ نے فرمایا۔ خدا ابوذرؓ پر رحم کرے۔ جس طرح بحالتِ بے کسی و تنہائی اس وقت آ رہا ہے، اسی طرح بحالتِ تنہائی و بے کسی وفات بھی پائے گا۔ اور یہ پیش گوئی اس طرح درست ہوئی۔ کہ ان کی وفات کے وقت ان کی بیوی اور ایک غلام کے علاوہ، اور کوئی شخص قریب نہ تھا۔ کیونکہ وہ صحرا میں فوت ہوئے تھے۔ ابوذرؓ نے اپنے غلام کو وصیت کی کہ میری میت کو غسل دے کر اور کفن پہنا کر شارعِ عام پر رکھ دینا اور شتر سواروں کا جو پہلا گروہ ادھر سے گزرے اس سے کہنا یہ ابوذرؓ غفاری صحابیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، آپ لوگ ان کے دفن میں میری مدد کریں۔ غلام نے ایسا ہی کیا۔ پہلا گروہ عبداللہؓ بن مسعود صحابی کا تھا ان کے ساتھ عراق سے آنے والے عمرہ کے لوگ تھے جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ ابوذرؓ کی میت پڑی ہے تو بلند آواز سے رونے لگے۔ کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ کہا تھا کہ ابوذرؓ تنہا آیا ہے، تنہائی میں مرے گا اور تنہا ہی قبر سے اٹھایا جائے گا۔ پھر انہوں نے میت پر نماز پڑھ کر حضرت ابوذرؓ کو دفن کر دیا (اسوۃ الرسولؐ جلد سوم۔ ص ۲۹۲/سیرت النبیؐ کامل۔ جلد دوم۔ ص ۶۲۹، ۶۳۰)

۱۳ــــ ہر اٹھارہ آدمیوں کو ایک اونٹ دیا گیا (اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۲۸۴/مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۵۷۷)

مورخین کہتے ہیں کہ اس لشکر کی مجموعی تعداد تیس ہزار تھی جن میں دس ہزار گھڑ سوار فوج کے دستے تھے۔ یہ تعداد اتنی بڑی تھی کہ غالباً سرزمینِ عرب نے اتنی عظیم فوج پہلے نہ دیکھی تھی۔ (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۵)

۱۴ــــ ابھی تبوک کے راستے ہی میں تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی۔ زید بن لصیت جو منافق تھا کہنے لگا کہ اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ خبر نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے۔ باطلاعِ الٰہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الفاظ نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک شخص ایسی باتیں کہتا سنا گیا ہے میری اونٹنی فلاں وادی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت سے اٹک گئی ہے چنانچہ کچھ افراد جا کر اونٹنی کو لے آئے (انوارِ محمدیہ۔ ص ۱۷۱، ۱۷۲/سیرت رسول عربیؐ ص ۲۹۳/سیرت النبیؐ کامل۔ جلد دوم۔ ص ۲۲۸)

۱۵ــــ جب حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک کے مقام پر پہنچے۔ آپؐ نے لشکر سے فرمایا کہ آج کی رات تم پر سخت آندھی چلے گی۔ کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ چلے۔ جن کے اونٹ ہیں، وہ انہیں رسیوں سے جکڑ دیں۔ رات کو آندھی کے دوران میں ایک شخص اپنی جگہ سے اٹھا جسے آندھی نے بنو طے کے پہاڑوں میں پھینک دیا یہ مسلم کی روایت ہے" (انوارِ محمدیہ۔ ص ۱۷۱)

"حیاتِ محمدؐ" میں ہے کہ لشکر گاہ سے دو آدمی رات کے وقت باہر نکل گئے

تھے۔ ان میں سے ایک کو ہوا اٹھا کر لے گئی اور دوسرا ریت اسکے نیچے دب گیا۔ (حیاتِ محمدؐ۔ ص ۵۷۴/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۶۲۷/ سیرت النبیؐ کامل۔ جلد دوم۔ ص ۶۲۲، ۶۲۸)

۱۶—— "اسلامی لشکر تبوک میں اتر کر خیمہ زن ہوا۔ وہ رومیوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تیار تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ لشکر کو مخاطب کر کے نہایت بلیغ خطبہ دیا۔ آپؐ نے جوامع الکلم ارشاد فرمائے۔ دنیا اور آخرت کی بھلائی کی رغبت دلائی، اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور اس کے انعامات کی خوشخبری دی۔ اس طرح فوج کا حوصلہ بلند ہو گیا۔ ان میں توشے، ضروریات اور سامان کی کمی کے سبب جو نقص اور خلا تھا، اس کا بھی ازالہ ہو گیا" (الرحیق المختوم ص ۶۹۶/ محمد میاں صدیقی۔ خطباتِ رسولؐ۔ ص ۱۴۶ — ۱۵۴/ مولوی محمد عبداللہ خطباتِ نبویؐ۔ ص ۱۰۸ — ۱۱۱/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۶۳۱، ۶۳۲/ نقوش۔ رسولؐ نمبر جلد ۸۔ ص ۵۲، ۵۳۔

۱۷—— "عیسائی سردار یوحنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جزیہ دینا منظور کیا اور ایک سفید خچر بھی پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ردائے مبارک عنایت فرمائی" (مصطفیٰ خان۔ بی اے۔ غزواتِ نبوی ص ۷۶/ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۲۶۴/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۲۹۵/ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل۔ ص ۳۳۷)

۱۸—— سفرِ تبوک کے بعد تمام عرب میں اسلام کا اثر و نفوذ بڑھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مسلمانوں کے دشمنوں کی طرف سے خالی الذہن ہو گئے۔ قبائل میں جو خاندان تاہنوز مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے، اپنے رؤسا کی معرفت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حضور قبولِ اسلام کا تحفہ پیش کرنے کے لیے چاروں طرف سے وفود کی صورت میں امڈ آئے۔ تبوک آخری غزوہ تھا جس کے بعد آنحضرت (صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم) خدا کی اس دین پر سکون و طمانیت کے ساتھ مدینہ میں فروکش رہے (حیاتِ محمدؐ۔ ص ۵۷۸/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۲۹۴)

۱۹—— سلیمان ندوی۔ رحمتِ عالمؐ۔ ص ۱۰۷ — ۱۰۹/ مصطفیٰ خان۔ بی اے۔ غزواتِ نبویؐ۔ ص ۷۵ — ۷۷/ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۶۹ — ۱۷۵۔

۲۰—— مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۶۳۷/ الرحیق المختوم۔ ص ۶۹۷/ مغازیِ رسول اللہؐ ص ۲۲۸/ مغازی الرسولؐ۔ ۳۴۸/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۲۹۵، ۲۹۶۔

۲۱—— مغازی الرسولؐ۔ ص ۳۴۸، ۳۴۹۔

۲۲—— الوفا۔ ص ۷۳۸۔

۲۳—— مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۶۲۵، ۶۴۱، ۶۴۷، ۶۴۸/ الرحیق المختوم۔ ص ۶۹۹/ مغازی الرسولؐ۔ ص ۳۴۹، ۳۵۰/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۳۰۲ — ۳۰۶/ سیرت النبیؐ کامل۔ جلد دوم۔ ص ۶۲۳، ۶۳۷ — ۶۴۰/ مدارج النبوت۔ جلد دوم ص ۵۹۹ — ۶۰۵۔

۲۴—— انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۷۳۔

۲۵—— تاریخِ مدینہ۔ ص ۹۲، ۹۳/ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۷۳/ سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ ص ۲۶۴ — ۲۶۶/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۵۷۷/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۶۳۸ — ۶۴۰/ الرحیق المختوم۔ ص ۶۸۹، ۶۹۰/ عہدِ نبویؐ کے غزوات و سرایا۔ ص ۲۴۱، ۲۴۲/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۲۹۹ — ۳۰۳/ سیرت النبیؐ کامل۔ جلد دوم۔ ص ۶۳۵، ۶۳۶/ سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۳۸/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۵۹۵، ۵۹۶۔

۲۶—— الرحیق المختوم۔ ص ۶۹۴/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۵۷۴/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۶۲۸/ سیرت النبیؐ کامل۔ جلد دوم۔ ص ۶۲۷۔

۲۷—— انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۷۲/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۶۳۱/ الرحیق المختوم۔ ص ۶۹۵۔

۲۸—— مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۵۹۱، ۵۹۲۔

۲۹—— سیرت النبیؐ کامل۔ جلد دوم۔ ص ۶۳۳، ۶۳۴/ مدارج النبوت۔ جلد دوم ص ۵۹۰ — ۵۹۲۔

حجۃ الوداع

ابنِ سعد کے مطابق حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ ہجری کو ہفتے کے دن مدینہ سے روانہ ہوتے اور یہ قافلہ دوشنبہ کے دن مرالظہران پہنچا[1]۔" اس سفر میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ تمام اُمہات المومنین اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور مہاجرین و انصار کے قریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار جانثار تھے[2]۔ مسجدِ حرام پہنچ کر حضورِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا، پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کی مگر احرام نہیں کھولا کیونکہ آپ نے حج و عمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھا تھا۔ اور اپنے ساتھ ہَدی (قربانی کے جانور) لاتے تھے۔ طواف و سعی سے فارغ ہو کر آپ نے بالائی مکہ میں حجون کے پاس قیام فرمایا لیکن دوبارہ طوافِ حج کے سوا کوئی اور طواف نہیں کیا آپ کے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے ساتھ (قربانی کا جانور) نہیں لاتے تھے، آپ نے انہیں حکم دیا کہ اپنا احرام عمرہ میں تبدیل کردیں اور بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کرکے پوری طرح حلال ہوجائیں[3]۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ۱۰ ذی الحجہ کو منیٰ پہنچ کر خود اپنے دستِ مبارک سے ترلیسٹھ اونٹ ذبح کیے[4]۔

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ اے لوگو! یہ کونسا دن ہے تو انہوں نے عرض کیا یہ حرمت والا دن ہے یعنی دس ذوالحجہ۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کونسا شہر ہے؟ انہوں نے عرض کیا۔ بلدِ حرام مکہ مکرمہ آپ نے فرمایا۔ یہ کونسا مہینہ ہے تو انہوں نے عرض کیا، ذوالحجۃ المبارکہ۔

آپ نے فرمایا۔ یقین رکھو کہ تمہارے اموال، خون اور عزتیں باہم ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں اور واجب الاحترام جیسے کہ اس دن کی حرمت و عزت۔ اس حرمت والے مہینہ اور عزت و کرامت والے شہر میں ان طیّبات کو بار بار دہرایا، پھر سرِ اقدس کو آسمان کی طرف اٹھا کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا۔ اے اللہ! کیا میں نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا ہے؟ تین مرتبہ ان کلمات کو دہرایا، پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ جو یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں کو یہ احکام پہنچائیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں۔ لبعض تم میں سے کوئی شخص میرے بعد دینِ اسلام سے برگشتہ نہ ہو جائے تاکہ اسلام پر ثابت قدم اور راسخ العقیدہ لوگ ان کو قتل کر دیں اور ارتداد کی سزا دیں۔ یا میرے بعد نعمتِ اسلام اور اخوتِ اسلامیہ کی ناشکر گزاری نہ کرنا اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہنا۔ باہم جنگ و جدال پر نہ اتر آنا۔

حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شہنشاہِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فتح مکہ کے دوسرے دن خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ یقین رکھو کہ مکہ کو کرامت و حرمت اور عزت و عظمت صرف اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے نہ کہ لوگوں نے۔ لہٰذا کسی بھی ایسے شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے، یہ حلال نہیں ہے کہ اس میں خونریزی کرے یا یہاں کے خودرو درختوں اور پودوں کو کاٹے۔ اگر کوئی شخص رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتال کو سند بناتے ہوئے اپنے لیے رخصت ثابت کرنا چاہے تو اسے کہنا اللہ رب العزت نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اذن اور رخصت دی تھی۔ اور تمہارے لیے رخصت نہیں فرمائی اور میرے لیے بھی ایک دن کی ایک ساعت میں رخصتِ قتال و جنگ و جدال تھی۔ جو یہاں حاضر ہیں وہ میرا یہ فرمان غیر حاضر لوگوں تک پہنچا دیں۔

ابو نضرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے ان حضرات صحابہؓ نے بیان فرمایا جنہوں نے میدانِ منیٰ میں ایامِ تشریق کے اندر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خطبہ سنا۔ آپ اس وقت اونٹ پر سوار یوں ارشاد فرما رہے تھے۔ اے لوگو! آگاہ رہو اور غور سے سنو۔ تمہارا رب ایک ہے اور غور سے سنو کہ تمہارا باپ ایک ہے

دل کے کان کھول کر سنو کہ عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر (محض نسب و نسل یا وطن اور علاقہ کے لحاظ سے) کوئی فضیلت نہیں ہے اور اگر کسی کو کسی پر فضیلت ہے تو صرف تقویٰ و پرہیز گاری کی وجہ سے ہے۔ کیا میں نے حقِ تبلیغ ادا نہیں کر دیا اور فریضۂ رسالت سے سبکدوش نہیں ہو گیا ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ نے فرمایا جو یہاں موجود ہیں، وہ غائب لوگوں کو بھی میرا یہ پیغام اور فرمان پہنچا دیں۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسولِ معظم نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ روزانہ پانچ نمازیں ادا کرنا اور ماہِ رمضان کے روزے رکھنا۔ اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرنا اور اپنے حکام (امراء) کی اطاعت کرنا۔ تم اپنے رب کی جنّت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابدی راحت و سکون پا لو گے[۵]" آپ نے فرمایا لوگو! میری بات سن لو کیونکہ میں نہیں جانتا، شاید اس سال کے بعد اس مقام پر تم سے کبھی نہ مل سکوں گا تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارے آج کے دن کی، رواں مہینے کی اور موجودہ شہر کی حرمت ہے۔ سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روند دی گئی ہے۔ جاہلیّت کے خون بھی ختم کر دیئے گئے۔ اور ہمارے خون میں سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں، وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے۔ یہ بچہ بنو سعد میں دودھ پی رہا تھا کہ انھی ایّام میں قبیلۂ ہذیل نے اسے قتل کر دیا۔ اور جاہلیّت کا سود ختم کر دیا گیا۔ اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں، وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے اب یہ سارا کا سارا سود ختم ہے۔

ہاں! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ذریعے حلال کیا ہے۔ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جو تمہیں گوارا نہیں، اگر وہ ایسا کریں

تو تم انہیں مار سکتے ہو لیکن سخت مار نہ مارنا اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انہیں معروف کے ساتھ کھلاؤ اور پہناؤ۔

اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔ لوگو! یاد رکھو میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔ لہٰذا اپنے رب کی عبادت کرنا پانچ وقت نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، خوشی خوشی اپنے مال کی زکوٰۃ دینا، اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرنا اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنا۔ ایسا کرو گے تو اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو گے۔

اور تم سے میرے متعلق پوچھا جانے والا ہے تو تم لوگ کیا کہو گے؟ صحابہؓ نے کہا، ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ کر دی، پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا فرما دیا۔ یہ سن کر آپ نے انگشتِ شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوتے تین بار فرمایا۔ اے اللہ گواہ رہ!"[۶]

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبۂ عرفات سے فارغ ہو کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا اور ظہر و عصر کی دونوں نمازیں ایک ہی وقت[۷] میں ادا فرمائیں اور اللہ رب العزت کی حمد و ثنا، ذکر و شکر اور توبہ و استغفار میں مشغول ہو گئے۔ آپؐ حالتِ دعا ہی میں تھے کہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے ارشاد ہوا۔ (ترجمہ) آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور ہمیشہ کے لیے دینِ اسلام کو تمہارے لیے پسند کیا۔[۸]

"ایامِ تشریق کے خاتمے پر دوسرے یوم النفر یعنی ۱۳ ذی الحجہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منیٰ سے کوچ فرمایا اور وادی اَبطح کے خیف بنی کنانہ میں فروکش ہوتے دن کا باقی ماندہ حصہ اور رات وہیں گزار دی اور ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں وہیں پڑھیں البتہ عشاء کے بعد تھوڑا سا سو کر اٹھے پھر سوار ہو کر بیت اللہ تشریف لے گئے اور طوافِ وداع فرما آئے۔ اور اب تمام مناسکِ حج سے فارغ ہو کر

آپؐ نے سواری کا رخ مدینہ منورہ کی راہ پر ڈال دیا۔ اس لیے نہیں کہ وہاں پہنچ کر راحت فرمائیں بلکہ اس لیے کہ اب پھر اللہ کی خاطر اللہ کی راہ میں ایک نئی جدوجہد کا آغاز فرمائیں۔ ۹

حجۃ الوداع کو حجۃ الاسلام اور حجۃ البلاغ بھی کہتے ہیں۔ ۱۰

حواشی

۱ــــــ نقوش۔ رسولؐ نمبر، جلد ۲۔ ص ۱۹۸، ۱۹۹۔

اس موقع پر اسحاق علوی تقویمی حساب سے لکھتے ہیں "گویا دوشنبہ ۴ ذوالحجہ کے مطابق تھا۔ وسٹنفیلڈ کی تقویم کے بموجب اگرچہ یہ دونوں بیانات صحیح ہیں کیونکہ از روئے حساب ذوالحجہ ۱۰ھ کی پہلی تاریخ کو جمعہ تھا، اس لیے دوشنبے کو ذوالحجہ کی ۴ تاریخ ہی ہونا چاہیے لیکن روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سال حج جمعہ کو ہوا تھا۔ یعنی جمعہ کے دن ۹ تاریخ تھی جس کی رو سے دوشنبہ کو بجائے چار کے پانچ تاریخ ہونا چاہیے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ مکہ معظمہ میں ذوالحجہ کا چاند ۲۹ کا تسلیم کر کے بجائے جمعہ کے پہلی تاریخ قرار دی گئی تھی اور حج اسی حساب سے ادا کیا گیا تھا۔ یہ ایک دن کا فرق ایسا نہیں جو قمری مہینوں میں کوئی اہمیت رکھتا ہو۔" (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۹)

"سرورِ عالمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ مبارک" میں لکھا ہے کہ "حجۃ الوداع کے لیے دولت کدہ سے بروز دوشنبہ روانگی ہوئی۔ تیل لگایا اور خوشبو جسم اقدس پر ملی اور ذوالحلیفہ (جو مدینہ طیبہ سے قریباً تین میل کے فاصلے پہ ایک مقام ہے) قیام فرمایا اور رات گزاری۔ ارشاد فرمایا کہ میرے پروردگار کی جانب سے پیغام آیا ہے کہ اس وادی مبارک میں نماز ادا کرو اور حج و عمرے دونوں کی نیت کرو۔

(سیرت الرسولؐ۔ ص ۱۲ بحوالہ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۲۹۴)

"الرحیق المختوم" میں ہے کہ روانگی ہفتہ کے دن ہوئی تھی (الرحیق المختوم۔

ص ۳۱، ۳۲)

۲ــــــ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۳۸۳۔

شیخ محمد رضا لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد نوّے ہزار تھی اور ایک قول کے مطابق اس سے بہت زیادہ تھی۔ مکہ پہنچ کر مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی کیونکہ مکہ اور یمن کے مسلمان بھی ساتھ شریکِ حج ہوئے تھے۔

(محمد رسول اللہؐ۔ ص ۶۷۵)

۳ــــــ الرحیق المختوم۔ ص ۳۲، ۳۳۔

۴ــــــ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۳۸۷، ۳۸۸

۵ــــــ الوفا۔ ص ۵۷۶۔ ۵۷۸ / سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۳۸۳۔ ۳۸۶ / رسولِ رحمت۔ ص ۵۲۵ / شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۶۷۲۔ ۶۷۴۔

۶ــــــ الرحیق المختوم۔ ص ۳۳، ۳۴۔

۷ــــــ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۶۶۶۔

۸ــــــ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۳۸۷۔

۹ــــــ الرحیق المختوم۔ ص ۳۹۔

۱۰ــــــ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۱۷۷۔

"اس حج کو حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں کیونکہ آپؐ اپنی امّت سے رخصت ہوتے اور اس حج کو حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں کیونکہ حج فرض ہونے کے بعد اسلام میں یہ پہلا حج ہے۔ (سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ ص ۳۸۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد اس کے علاوہ کوئی حج ادا نہیں فرمایا تھا۔ اعلانِ نبوت سے پہلے اور اس کے بعد آپؐ نے بہت سے حج کیے تھے۔ علماء کو اُن کے شمار کی اطلاع نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ان کی تعداد کو احاطۂ منضبط میں نہ لایا جا سکا۔ (تاریخ مدینہ۔ ص ۹۵)

مہم اسامہؓ

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ۲۸ صفر (دوشنبہ) کو جہادِ روم کی تیاری کا حکم دیا[1]۔ اور اس لشکر کا سالار حضرت زیدؓ بن حارثہؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کو مقرر کیا جن کی عمر اس وقت بمشکل بیس[2] سال تھی۔

مفتی عزیز الرحمٰن کے مطابق ۲۶ صفر ۱۱ھ روز دوشنبہ کو آپؐ نے روم کی جانب لشکر کی تیاری کا حکم دیا۔ اور دوسرے دن اُسامہؓ بن زید کو طلب فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے تم کو لشکر پر امیر مقرر کیا۔ جاؤ اپنے والد کی شہادت گاہ[3] کی طرف اور وہاں جہاد کرو اور اللہ تعالیٰ جب تمہیں وہاں کامیابی دے تو کچھ وقت قیام کرنا اور جاسوسوں کو اُدھر روانہ کرو۔ اور ۲۸ صفر ۱۱ھ کو آپؐ کی طبیعت ناساز ہوئی لیکن اس کے باوجود آپؐ نے جھنڈا بنایا اور فرمایا۔ (ترجمہ) اللہ کا نام لے کر غزوہ اللہ کی راہ میں کرو اور کافروں کو قتل کرو۔

جھنڈا لے کر حضرت اُسامہؓ بن زید رخصت ہوئے اور بریدہؓ بن حصیب کو دیا۔ تاکہ لشکر گاہ میں لے جائیں اور مقام "جرف" میں پڑاؤ ڈالا۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت قتادہؓ اور حضرت سلمہ بن اسلمؓ وغیر حضرات معمور تھے۔ اس وجہ سے کہ حضرت اسامہؓ اس لشکر کے امیر تھے۔ یہ بات بعض لوگوں کو گراں ہوئی اور طعن کے طور پر کہا کہ اس غلام کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے امیر بنا دیا ہے؟ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گوش مبارک میں پہنچی، آپؐ کو غصہ آگیا۔ اور بخارِ شدید اور سر کے درد کے باوجود سر پر پٹی باندھ کر مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر پہنچے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا[4]: "تمہارے بعض

لوگوں کا یہ قول مجھ تک پہنچا ہے کہ میں نے اسامہؓ کو امیر بنا دیا ہے۔ اگر طعن کے طور پر کہا ہے تو اس سے پہلے اس کے باپ کے اوپر بھی غزوۂ موتہ کے موقع پر یہی طعن کیا گیا تھا۔ بخدا وہ بھی امارت کے قابل تھے اور اس کا بیٹا بھی اس منصب کے لائق ہے۔ زیدؓ بھی مجھے محبوب تھا اور اس کا بیٹا بھی مجھے محبوب ہے۔" اس کے بعد آپؐ منبر سے نیچے اتر آئے اور گھر تشریف لے گئے۔ یہ واقعہ ۱۰ ربیع الاوّل روز شنبہ کا ہے۔ حضرت اسامہؓ رخصت ہونے کے لیے حاضرِ خدمت ہوئے اور رخصت ہو کر لشکر گاہ میں آ گئے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر مرض کا دباؤ اور بڑھ گیا۔ فرمایا۔ اسامہؓ کا لشکر روانہ کرو۔ یکشنبہ کے دن[5] اور بھی طبیعت ناساز ہو گئی۔ حضرت اسامہؓ رخصت ہونے کے لیے پھر آئے۔ صبح دوشنبہ کو کچھ افاقہ ہوا۔ اور حضرت اسامہؓ کو رخصت کیا اور ارشاد فرمایا "اللہ کی برکت پر غزوہ کرو"۔ مقام "جرف" میں آ کر لوگوں کو حضرت اسامہؓ نے کوچ کا حکم دیا کہ اتنے میں حضرت ام ایمنؓ نے ان کے پاس کسی کو بھیجا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) حالت نزع میں ہیں۔ حضرت اسامہؓ اور اکابرِ صحابہؓ جو باہر تھے، وہ واپس لوٹے اور حضرت بریدہؓ نے بھی وہ جھنڈا لا کر حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دروازے پر گاڑ دیا۔ جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے دفن سے فراغت ہوگئی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ منتخب ہو گئے تو بریدہ بن حصیبؓ کو امر فرمایا کہ وہ جھنڈا اسامہؓ کے دروازے کے سامنے جا کر گاڑ دو۔ اور جس لشکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مقرر فرمایا ہے اس کو کوچ کر دینا چاہیے۔ پس اسامہؓ باہر آئے اور مقام جرف میں پہنچے اور پڑاؤ کیا تاکہ لوگ جمع ہو جائیں۔

اسی اثنا میں مدینہ منورہ میں خبر آئی کہ بعض قبائل عرب مرتد ہو گئے ہیں۔ اور حضرت اسامہؓ کا جانا موقوف کرنا چاہیے۔ اندیشہ ہے کہ کہیں دشمن مدینہ پر چڑھائی نہ کر دیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا، اگر مجھے معلوم ہو جاتے کہ اسامہؓ کے لشکر بھیجنے کے بعد میں درندوں کا لقمہ بن جاؤں گا، تب بھی میں خلافِ فرمانِ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز نہ کروں گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضرت اسامہؓ سے درخواست کی، مناسب ہے کہ آپؐ حضرت عمرؓ کو میرے پاس رہنے کی اجازت مرحمت فرما دیجیے۔ پس اسامہؓ کی اجازت سے حضرت عمرؓ اس لشکر میں نہ جا سکے[۸]

فتح یابی کے بعد جب لشکر واپس مدینہ منورہ آیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مہاجرینؓ انصار کے ساتھ لشکر کے صحیح وسالم واپس آنے کی خوشی میں ان کے استقبال کے لیے نکل آئے[۹]۔ حضرت اسامہؓ بہت زیادہ مالِ غنیمت لے کر ربیع الآخر کے مہینے میں مدینہ منورہ پہنچے[۱۰]

پہلے روم میں مسلمان غزوۂ موتہ کے موقع پر لڑے تھے اور تین جلیل القدر صحابہ حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور عبداللہؓ بن رواحہ یکے بعد دیگرے لشکر کے سردار بنے اور شہید ہوئے۔ ان کے بعد فوج کی کمان حضرت خالد بن ولید نے سنبھالی اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب لشکر کشی کا ارادہ کیا تو ۔ اسامہؓ بن زید کو سپہ سالار مقرر فرمایا وہ اس وقت بیس سالہ نوجوان تھے۔ اور ان کے جھنڈے کے نیچے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ وغیرہ جیسے بزرگ مہاجرین وانصار تھے۔ اور یہ وہ لوگ تھے جو قدیم الاسلام تھے۔ اور اسلام کی خاطر آزمائشوں سے گزرے تھے اور عمر اور مرتبے کے لحاظ سے اسامہؓ سے برتر تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان مرتبے عمر اور فضیلت کے فرق کو مٹانے کے لیے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی یہ بہترین سنت ہے۔ نیز اس سے یہ رہنمائی بھی حاصل ہوتی ہے کہ عمر اور مرتبے کو نظر انداز کرتے ہوئے قابل اور باصلاحیت کارکن کو آگے لانا چاہیے۔ بزرگ مہاجرین وانصار جو تاریخ کی مسلمہ عظیم شخصیتیں ہیں اور جن کی مثل ونظیر ناپید ہے، وہ نوجوان اسامہؓ کی امارت پر راضی ہو گئے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جلیل القدر حضرات انتہائی پاکیزہ نفوس اور مہذب اخلاق کے حامل تھے اور ان کا یہ

تزکیہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہدایت، تربیت اور ارشاد کا مرہونِ منت ہے حضرت اسامہؓ کو حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ جیسے اکابر پر امیر مقرر کرنا ایک عظیم واقعہ ہے جس کی مثال اممِ سالقہ میں سے کسی امت میں بھی نہیں ملتی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں عبقری اور قابل نوجوان کے لیے میدان کھلے ہیں اور بشرطِ صلاحیت ان کو امور کی قیادت سپرد کی جا سکتی ہے۔ یہ ایک بہت بڑا سبق ہے۔ اگر بعد کے ادوار میں مسلمان اس کو یاد رکھتے تو تاریخ اسلام شدائد و آلام سے پاک ہوتی۔ اس اہم سبق کو بھلا دینے کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلمان سلطنتوں کی تاریخ فتنوں اور المیوں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے ارکانِ سلطنت کو ہلا کر رکھ دیا اور ان کی طاقت کو کمزور کر دیا۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو وحیِ آسمانی کی تائید حاصل تھی۔ آپؐ کو ایسی حکمت، راستی، دوراندیشی اور عظیم سیاسی بصیرت عطا کی گئی تھی کہ آپؐ سے قبل کسی نبی پر ایسی نوازشیں نہیں کی گئیں۔ اور تاریخ میں آپ جیسی عظیم شخصیت نہ آپؐ سے پہلے اور نہ آپؐ کے بعد پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اسامہؓ جیسے نوجوان سے راضی ہوا اور یہ امر بھی اسامہؓ کو مبارک ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی اہلیتِ قیادت، صدقِ عزیمت اور حسنِ اسلام پر پورا اعتماد تھا۔ اللہ تعالیٰ اسامہؓ سے راضی ہوا اور انہیں ہمارے ایمان دار اور باعمل نوجوانوں کے لیے پیشوا بنایا[۱۱]۔

حواشی

۱۔ رسالتمآبؐ۔ ص ۱۹۰/ سیرۃ محمدیہؐ۔ جلد اوّل۔ ص ۵۹۸/ عبدالرحمن ابن جوزی۔ النبی الاطہر۔ ص ۱۶۷ (حاشیہ)/ اصح السیر۔ ص ۵۰۰/ تواریخ حبیبِ الٰہ۔ ص ۱۹۲/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۷ (مضمون سیرتِ نبویؐ توقیت کی روشنی میں۔ از مولوی اسحاق النبی علوی) عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ ص ۲۴۶ — ۲۴۸۔

۲ —— آپ کا نام اسامہؓ، کنیت ابو محمد اور لقب حبِّ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) یعنی محبوبِ رسولؐ تھا۔ والد کا نام زیدؓ بن حارثہ تھا۔ (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۷، ص ۴۷۳، ۴۔ (مضمون حضرت اسامہؓ بن زید۔ از راجا محمد شریف)

حضرت اسامہؓ بن زید پندرہ سال کی عمر میں رمضان ۷ ہجری میں جُہینہ کی طرف ایک مہم پر گئے تھے۔ جُہینہ کی اس مہم کی قیادت حضرت اسامہؓ کے سپرد تھی۔ (عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات ص ۱۹۲، ۱۹۳/ نقوش۔ رسولؐ نمبر جلد ۷۔ ص ۴۷۳)

"حضرت اسامہؓ بن زید سے روایت ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے پکڑتے اور اپنی دائیں ران پر بٹھاتے اور حضرت حسن بن علیؓ کو پکڑتے اور اپنی بائیں ران پر بٹھاتے۔ پھر ہم دونوں کو ملا کر آپ دعا فرماتے، اے میرے اللہ! میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں پس تو بھی ان پر رحم فرما۔ ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے۔ اے اللہ! میں ان دونوں کو دوست رکھتا ہوں تو بھی ان دونوں کو دوست رکھ۔ (محمد یوسف۔ حیاۃ الصحابہؓ۔ جلد سوم مشتمل بر حصہ ہشتم، نہم، دہم۔ ص ۳۰۴/ حیاۃ الصحابہؓ حصہ ہشتم، نہم، دہم ص ۳۰۲، ۳/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۴۷۷)

"بارگاہِ نبوتؐ میں حضرت اسامہؓ کے رسوخ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب کوئی ایسی سفارش جس سے حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی جھجکتیں، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کرنی ہوتی تو حضرت اسامہؓ کے سپرد کی جاتی"۔ (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۴۷۸)

"سنّت کی شدت سے پابندی کرتے تھے۔ آخر عمر میں جبکہ قویٰ مضمحل ہو گئے اور جسمانی ریاضت برداشت نہ کر سکتے تھے، اس وقت بھی مسنون روزے التزام سے رکھتے تھے۔ حضرت اسامہؓ کے غلام سے مروی ہے۔

"آپ دو شنبہ اور پنج شنبہ کا روزہ رکھتے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ سفر میں بھی روزہ رکھتے ہیں حالانکہ آپ بوڑھے ہو گئے ہیں۔ فرمایا" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ دو شنبہ اور پنج شنبہ کو روزہ رکھتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ اعمال دو شنبہ اور پنج شنبہ کو پیش کیے جاتے ہیں۔ (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۴۸۰)

حضرت اسامہؓ بن زید حضرت معاویہؓ کے زمانۂ امارت ۵۴ھ میں بعمر تقریباً ساٹھ سال مدینہ میں فوت ہوئے۔ حضرت اسامہؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثرت سے اولاد ہوئی تاہم ابن سعد کے مطابق آپ کے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد کسی زمانہ میں بھی بیس سے زیادہ نہیں ہوئی۔ (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۴۸۰ (مضمون اسامہؓ بن زید۔ از راجا محمد شریف)

۳ —— حضرت اسامہؓ بن زید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کھلائی برکہ (جو ام ایمنؓ کی کنیت سے مشہور تھیں) کے بیٹے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ آپؐ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں جو آخری مہم بھیجی وہ اسامہؓ بن زید کی مہم تھی۔ حضرت اسامہ کی کم عمری اور ایک بڑے لشکر کی سرداری پر کئی صحابۂ کرامؓ کو اعتراض تھا۔ ان کی عمر کے بارے میں ابن سعد کہتے ہیں کہ بیس سال تھی اور ابنِ ابی حیثمہؓ کی روایت کے مطابق اٹھارہ سال عمر تھی۔ (اصح السیر۔ ص ۵۰۲) کچھ اور سیرت نگار بھی ابنِ سعد کی تقلید میں حضرت اسامہؓ کی عمر بیس سال لکھتے ہیں (شیخ محمد رضا۔ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۲۰۶/ الرسولؐ۔ ص ۴۰۸/ نقوش۔ رسول نمبر۔ جلد ۱۲۔ ص ۴۸۹ (مضمون سردارِ انسانیتؐ از ڈاکٹر شیخ مصطفیٰ سباعیؒ)۔ عبد الصمد صارم ۱۷ سال عمر بتاتے ہیں (محمد رسول اللہ۔ ص ۳۵۶)

۴ ـــــ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو حدودِ شام کے عربوں نے شہید کر ڈالا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے قصاص لینا چاہتے تھے۔ آغازِ علالت سے ایک روز پہلے آپ نے اسامہؓ بن زید کو مامور کیا کہ وہ فوج لے کر جائیں اور ان شریروں سے اپنے باپ کا انتقام لیں۔ (شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد دوم ص ۱۰۴) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہؓ کو اس مہم کا امیر مقرر کرنے کے بعد ہدایت فرمائی کہ پہلے انہیں اسلام کی طرف بلانا۔ اگر وہ اسلام کی طرف نہ آئیں تو جنگ کرنا۔ (نذیر احمد سیماب قریشی۔ خاتم النبیینؐ۔ ص ۱۸۶)

حضرت زیدؓ بن حارثہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوتے۔ "موتہ" ملکِ شام میں بلقاء کے مضافات میں واقع ہے۔ یہ مہم ہجرت کے آٹھویں سال جمادی الاوّل کے مہینے میں واقع ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حارث بن عمیر الازدی رضی اللہ عنہ کو ایک خط دے کر شاہِ بصریٰ کی طرف روانہ کیا۔ جب وہ موتہ کے مقام پہ پہنچے تو شرحبیل بن عمرو الغسانی نے مقابلہ میں آ کر انہیں شہید کر دیا۔ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیروں میں سے ان کے سوا اور کوئی آدمی قتل نہیں ہوا۔ حضور نبیؐ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے حضرت زیدؓ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو تین ہزار آدمیوں پہ مامور فرمایا اور حکم دیا کہ اگر زیدؓ بن حارثہ مارا جائے تو تمہارا امیر جعفرؓ بن ابی طالب ہوگا۔ اور اگر وہ بھی مارا جائے تو تمہارا امیر عبداللہؓ بن رواحہؓ ہوگا۔ اور اگر وہ بھی مارا جائے تو مسلمان اپنے آدمیوں میں سے ایک کو امیر بنا لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے سفید علم تیار کرایا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کی قتل گاہ پہ پہنچو تو وہاں ان لوگوں کو اسلام کی طرف بلاؤ۔ اگر مان جائیں تو فبہا، ورنہ خدا سے مدد مانگو اور ان سے جہاد کرو۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "ثنیۃ الوداع" تک ان کی مشایعت فرمائی۔

جب سپاہ روانہ ہوئی تو مسلمانوں نے ان کے لیے دعا کی کہ اللہ مصیبت کو تم سے دفع کرے اور تم سالماً غانماً واپس آؤ۔ جب اسلامی لشکر مدینے سے روانہ ہوا تو دشمن کو ان کی روانگی کا علم ہو گیا اور مسلمانوں کے مقابلے کے لیے جمع ہوئے اور شرحبیل بن عمرو بھی مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گیا۔ اور اس نے ایک لاکھ سے زیادہ فوج جمع کر لی۔ اور جاسوسوں کو لشکر کے آگے آگے روانہ کیا۔ اسلامی لشکر معان کے مقام پہ اترا ہوا تھا۔ انہیں دشمن کی کثیر تعداد اور ان کے اجتماع کا پتا چل گیا تھا۔ نیز یہ خبر موصول ہوئی کہ ہرقل ایک لاکھ سپاہ کے ساتھ بلقاء کے مقام پر پڑاؤ کیے ہوئے ہے۔ مسلمان دو دن ٹھہرے رہے تاکہ اس معاملے کے بارے میں سوچ بچار کر سکیں۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لکھ کر صورتِ حال کے بارے میں اطلاع دیں مگر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے انہیں آگے بڑھنے کی ہمت دلائی۔ چنانچہ وہ موتہ کی طرف چل دیئے۔ وہاں ان کے مقابلے میں مشرکوں کا ایک ایسا لشکر آیا کہ جس کی کوئی حد نہ تھی۔ اسی طرح ہتھیار، گھوڑے، دیبا، حریر اور سونے کا شمار نہ تھا۔ مسلمانوں اور مشرکوں میں مقابلہ ہوا۔ چنانچہ امرائے لشکر پاپیادہ ہو کر لڑے۔ اسلامی علم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا وہ لڑتے رہے اور اسلامی لشکر ان کے ساتھ صف بندی کر کے لڑتا رہا۔ تا آنکہ وہ نیزے کے زخم سے شہید ہو گئے۔ پھر عَلم حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے تھام لیا۔ وہ اپنے سرخ گھوڑے سے اتر پڑے اور لڑائی میں مصروف ہو گئے۔ تا آنکہ ان کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ پہلے انہوں نے علم دائیں ہاتھ میں پکڑا وہ کٹ گیا تو بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ جب وہ بھی کٹ گیا تو سینے سے لگا لیا۔ چنانچہ وہ شہید ہو گئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جعفر کو ہاتھوں کے بدلے میں دو بازو (پر)

عطا کیے ہیں، جن کی مدد سے وہ بہشت میں اڑتے پھرتے ہیں اور ان کے بدن کے اگلے حصے پر تلوار اور نیزے کے بہتّر زخم تھے۔ پھر علم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لیا وہ بھی شہید ہو گئے۔ اس کے بعد علم ابن اقرم عجلانی رضی اللہ عنہ نے تھام لیا، مگر صلاح و مشورہ کے بعد لوگوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر منتخب کیا۔ چنانچہ علم انہوں نے لے لیا۔ شدت کی لڑائی ہوئی جس میں کافی مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ پھر سب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔

موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں لکھا ہے کہ جب یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ اہلِ موتہ کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنانے کے لیے آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تو چاہتا ہے تو واقعات تو بیان کر، اور اگر تیری مرضی ہو تو میں بیان کر دیتا ہوں۔ حضرت یعلیٰ نے عرض کیا۔ آپؐ فرمائیں۔ آپؐ نے واقعات من و عن بیان کر دیئے۔ اس پر یعلیٰ نے عرض کیا۔ اس ذات کی قسم، جس نے آپؐ کو مبعوث فرمایا ہے۔ آپؐ نے تمام واقعات حرف بحرف درست بیان فرماتے ہیں (انوارِ محمدیہؐ ص ۱۳۹ ۔ ۱۴۰/ محمد زکریا۔ حکایاتِ صحابہؓ سچی کہانیاں۔ ص ۸۱ ۔ ۸۶/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۴۷،۴۴ (مضمون حضرت اسامہؓ بن زید۔ از راجا محمد شریف)

۵ ـــــ اگرچہ حضرت اسامہؓ کم عمر تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقعات پر پورے اترے اور آپ کے انتخاب کو درست ثابت کر دکھایا۔ بعض اکابر صحابہؓ کا یہ خیال تھا کہ جبری رومیوں کے مقابلے میں کسی تجربہ کار بزرگ سپہ سالار کو نامزد کیا جانا چاہیے لیکن آپؐ نے اس معاملے میں اظہارِ رائے اور آزادانہ انتخاب کا ایک زرّیں اصول وضع فرمایا کہ ذاتی مرتبہ اور عمر ہی بہادری پر دال نہیں۔ چنانچہ آپؐ نے اسامہؓ کو مسجد میں بلایا اور انہیں پرچم اسلام عطا کرتے ہوئے فرمایا (کہ اپنے باپ کے مقتل کو جاؤ، کفار

کو کچل کر رکھ دو اور) اس پرچم کے عزت و وقار کو کبھی مجروح نہ ہونے دو (الرسولؐ۔ ص ۴۰۸، ۴۰۹)

۶ ـــــ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ وصال سے چند دن پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور خطبہ کے دوران حکم دیا کہ اسامہؓ کے لشکر کو تیار کیا جائے۔ جس جنگ کا میں نے حکم دیا ہے اسے مکمل کیا جائے عرب کی سرزمین پر دو مذہب نہیں رہ سکتے۔" یہ کہہ کر آپؐ منبر سے نیچے اتر آئے۔ (اشرف النبیؐ۔ ص ۴۲۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو لشکرِ اسامہؓ میں جانے سے انکار کرے، اس پر خدا لعنت کرے۔ (اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۴۶۰) اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اپنے باپ کی طرح اسامہؓ بھی سرداری کے اہل ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اسامہؓ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں میں بہت چاہتا ہوں۔ پس آپ ان سے بہتر سلوک کریں کیونکہ وہ بہترین لوگوں میں سے ہیں۔ (الرسول۔ ص ۴۱۳)

جب ایامِ علالت میں آپؐ نے اسامہؓ بن زید کی سرکردگی میں ایک لشکر شام کی طرف روانہ کیا۔ اس وقت ان (حضرت اسامہؓ) کی عمر اکیس سال تھی بعض دلیران اسلام نے اس پر اعتراض کیا کہ اکیس سالہ نوجوان کیا لشکرِ اسلام کی سپہ سالاری کرے گا مگر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وجہ سے کوئی شخص آپؐ کے سامنے کچھ نہ کہہ سکا۔ آپؐ کو اس بات کی اطلاع ملی تو مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ میں نے اسامہؓ کو اس لیے انتخاب کیا ہے کہ وہ زیدؓ کا فرزند ہونے کے علاوہ ایک شجاع و عاقل نوجوان ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ سیادت کے فرائض انجام دے سکے گا۔ رحلتِ پیغمبر کی وجہ سے اسامہؓ اپنے لشکر کو نہ لے جا سکے مگر جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بن

گئے تو انہوں نے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عزم کی تائید کی اور حضرت اسامہؓ کو پھر سپہ سالاری پر متعین کر کے لشکرِ اسلام کو شام کی طرف روانہ کر دیا۔ حضرت اسامہ لشکر لے گئے اور فتح یاب ہوئے۔

ثابت ہو گیا کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ان پر اعتماد کرنا بلا وجہ نہ تھا۔ اسامہؓ کی فتحِ شام نے اہلِ اسلام پر شام کی فتوحات کے دروازے کھول دیئے حتّٰی کہ عہدِ فاروقی میں سارے شام پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا (عبدالصمد صارم۔ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۳۵۶، ۳۵۷)

۷ــــ یک شنبہ کو حضرت اسامہؓ جرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کے لیے آئے تو اس وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت زیادہ ناساز تھی۔ اسامہؓ نے جھک کر آپؐ کو بوسہ دیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھیں کھول کر اسامہؓ کی طرف دیکھا اور اپنے دستِ پاک آسمان کی طرف اٹھائے اور پھر اپنا دستِ مبارک حضرت اسامہؓ پر رکھ دیتے حضرت اسامہؓ کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لیے دعا فرما رہے ہیں۔ اس کے بعد اسامہؓ اپنے لشکر کی طرف گئے اور دوسرے دن دوشنبہ ۱۲ ربیع الاوّل کو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت دیکھنے آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ خدا کا نام لے کر کل روانہ ہو جاؤ۔ (سیرتِ محمدیہؐ۔ ص ۵۹۹، ۶۰۰/ تواریخِ حبیبِ الٰہ ص ۱۹۳/ عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰ۔ ص ۴۲۷، ۴۲۸)

۸ــــ رسالتمآبؐ۔ ص ۱۹۰۔۱۹۳/ الرحیق المختوم۔ ص ۷۴۱، ۷۴۲/ شیخ محمد رضا محمد رسول اللہ۔ ص ۶۷۵، ۶۷۶/ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۲۔ ص ۴۸۸۔۴۹۰ (مضمون سرورِ انسانیتؐ۔ از ڈاکٹر شیخ مصطفیٰ سباعیؒ)/ سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اوّل ص ۵۹۸۔۶۰۰/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۳۳/ نبیؐ رحمتؐ۔ ص

۱۴۸، ۱۴۹/ مختصر سیرت الرسولؐ۔ ص ۲۴۴، ۲۴۶/ تواریخِ حبیبِ الٰہ۔ ص ۱۹۲، ۱۹۳/ رسولِ رحمتؐ۔ ص ۶۴۱، ۶۴۲/ ساجد الرحمٰن۔ سیرتِ رسول ص ۱۳۵، ۱۳۶/ مصطفیٰ سباعی، ڈاکٹر۔ سیرتِ نبویؐ۔ ص ۲۰۹۔۲۱۲/ عمر ابوالنصر۔ رسولِ عربیؐ۔ ص ۱۷۵۔۱۷۷/ محمد میاں صدیقی۔ خطباتِ رسول ص ۴۴، ۴۵/ محمد شریف راجا۔ حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۴۶۹۔۴۷۱/ اسوۂ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۵۴۔۴۶۴۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی خلافت سنبھالتے ہی حضرت اسامہؓ کی مہم کو روانہ کر دیا اور خود دور تک پیادہ پا حضرت اسامہؓ کے گھوڑے کے ساتھ دوڑتے گئے اور انہیں ہدایات فرماتے رہے۔ (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۷۔ ص ۷۵ (مضمون اسامہؓ بن زید۔ از راجا محمد شریف)

۹ــــ عبدالرحمٰن ابنِ جوزی۔ النبی الاطہر۔ ص ۱۲۷۔

۱۰ــــ رسالتمآبؐ۔ ص ۱۹۲۔

۱۱ــــ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۲۔ ص ۴۸۹، ۴۹۰ (مضمون سرورِ انسانیتؐ از ڈاکٹر شیخ مصطفیٰ سباعیؒ)/ مصطفیٰ سباعیؒ۔ سیرتِ نبویؐ۔ ص ۲۱۱۔



حضرت عائشہؓ کے گھر مستقل قیام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کا آخری ہفتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گزارا۔ اور ان کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک کے لیے اپنی اس چہیتی بیوی حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے میں رہنا پسند فرمایا۔

تمام محدثین و مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جنت البقیع میں شہداء کے لیے دعا فرمانے کے بعد ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت کا سلسلہ شروع ہوا تھا رات جنت البقیع میں گئے اور صبح اٹھنے پر سر میں شدید درد تھا۔[1]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چہار شنبہ کے دن ماہِ صفر میں گیارہ ہجری کو جنت البقیع میں تشریف لے گئے تھے۔[2]

حضرت عائشہؓ خود بیان فرماتی ہیں: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض کی ابتداء میمونہ رضؓ کے گھر سے ہوئی۔ وہ انہی کی باری کا دن تھا۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپؐ اس دن میمونہؓ کے گھر سے ہو کر میرے گھر میں آئے۔ اتفاق سے مجھے بھی اس دن دردِ سر تھا اور میں بھی سر پکڑے کھڑی تھی اور کہہ رہی تھی ہائے میرا سر۔ آپؐ بھی دردِ سر کی اسی حالت میں تشریف لائے۔ بیٹھے اور مجھ سے فرمانے لگے۔ اے عائشہ رضؓ کیا اچھا ہوتا کہ تم میرے سامنے دنیا سے گزر جاتیں تو میں تمہاری تجہیز و تکفین کر کے تم پر نماز پڑھتا۔ عائشہ رضؓ کا بیان ہے کہ میں نے از راہِ غیرت کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) شاید اس سے آپؐ کی یہ خواہش ہے اور میرا یہ گمان ہے کہ آپؐ مجھے دفن کر کے اسی روز ایک نئی عورت میرے ہی گھر میں بیاہ کر لیں گے۔ یہ سن کر آپ متبسم ہوئے اور فرمایا

لیکن افسوس ہے میرے سرکار درد وہ درد ہے جس سے نجات مشکل ہے۔"[3]

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طبیعت کی خرابی کے باوجود از راہِ عدل و کرم تمام بیویوں کے ہاں ان کی باری کے مطابق جاتے رہے۔ اس طرح پانچ دن کے بعد دوشنبہ کے دن ۲۴ صفر کو مرض میں شدت ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار پوچھا کہ اب میں کس کے گھر میں رہوں گا۔ وہ دن (یعنی دوشنبہ ۲۴ صفر) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن تھا۔ تمام ازواجِ مطہراتؓ نے اجازت دے دی کہ بیماری کے دن جہاں آپؐ خوشی سے رہنا چاہیں، انہیں کوئی اعتراض نہیں۔ اجازت لینے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مستقل طور پر حضرت عائشہ رضؓ کے ہاں منتقل ہو گئے۔ اس طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مستقل قیام پیر کے دن ہوا۔[4]

مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ بیماری کا آخری ہفتہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت عائشہ رضؓ کے گھر بسر فرمایا۔[5]

قسطلانی نے ابن ابی ملیکہ کی ایک روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے لکھی ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے گھر میں سوموار کے روز آئے اور دوسرے سوموار کو آپؐ کا انتقال ہو گیا۔[6]

مولوی محمد عبداللہ خان لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علالت کی حالت میں ربیع الاول ۱۱ھ کے پہلے پیر کو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں تشریف لائے۔[7]

حواشی

۱۔ سید اولاد حیدر فوق بلگرامی؛ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۴۲۲۔

۲۔ محمد عابد سید۔ رحمۃ للعالمین۔ ص ۲۵۵/ سیرۃ الرسولؐ من القرآن۔ ص ۳۶۲/ عبدالعزیز ہزاروی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۴۹۶۔

۳ — اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۴۲۲، ۴۲۳/ رسالتمآبؐ۔ ص ۱۹۶، ۱۹۷/ اصح السیر۔ ص ۵۰۹، ۵۱۰/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۶۳۲/ تواریخ حبیبِ الٰہ۔ ص ۱۸۸/ سرورِ عالم کے سفرِ مبارک۔ ص ۳۹۷/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۲۷، ۲۸/ نبیِ رحمتؐ۔ ص ۱۴۷۔

شبلی کی تحقیق میں یہ صفر ۱۱ھ کی انیسویں تاریخ تھی اور چہار شنبہ کا دن تھا (اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۴۲۳)

۴ — نبیِ رحمتؐ۔ ص ۱۴۷/ شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۰۵، ۱۰۶/ اسوۃ الرسولؐ۔ جلد سوم۔ ص ۴۲۴/ محمد عابد سید۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ ص ۳۵۵/ پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۶۰۷/ حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۴۴/ اردو ترجمہ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۲۸/ سیرۃ الرسولؐ من القرآن۔ ص ۳۶۲/ عبدالمصطفیٰ اعظمی سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۱۳۴/ عارف بٹالوی۔ حیاتِ رسولؐ۔ ص ۶۷/ عبدالعزیز ہزاروی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۴۹۶۔

۵ — حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۴۴/ عبدالمقتدر فاضل فتح پوری۔ سیرتِ طیبہ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۲۲۳۔

"احادیث کے تتبع اور قول راجح کی بنیاد پر یہی معلوم ہوتا ہے اور اغلب ہے کہ دوشنبہ کا دن تھا۔" (نبیِ رحمتؐ۔ ص ۱۴۷ (حاشیہ))

۶ — اصح السیر۔ ص ۵۱۲۔

۷ — نام عائشہؓ، لقب صدیقہ اور حمیرا، خطاب ام المؤمنین اور بنت الصدیق اور کنیت ام عبداللہ ہے۔

حضرت عائشہؓ کی کنیت حضرت عبداللہؓ بن زبیر کے نام پر ہے جو حضرت عائشہ کی بہن حضرت اسماءؓ کے بیٹے تھے۔ عرب کے رواج کے مطابق تمام امہات المومنینؓ نے اپنی سابق اولادوں کے نام پر اپنی اپنی کنیت رکھ لی

اس پر حضرت عائشہؓ نے بڑی حسرت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا کہ میں کس کے نام پر کنیت رکھوں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے بھانجے عبداللہؓ کے نام پر رکھ لو۔ اس طرح حضرت عائشہؓ کی کنیت "ام عبداللہ" قرار پائی۔ (سلیمان ندوی۔ سیرتِ عائشہؓ ص ۱۹، ۲۰)

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عائشہؓ! یہ جبرائیل تم کو سلام کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ" (قاضی غلام محمود ہزاروی۔ فضائلِ محبوبہ محبوبِ خدا سیدہ عائشہ صدیقہؓ۔ ص ۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت عائشہؓ سے نہایت محبت رکھتے تھے اور یہ تمام صحابہؓ کو معلوم تھا۔ چنانچہ لوگ قصداً ہدیے اور تحفے بھیجتے تھے جس روز حضرت عائشہؓ کی باری ہوتی۔ (سلیمان ندوی۔ سیرتِ عائشہؓ۔ ص ۴۷/ آغا اشرف۔ حضرت عائشہؓ۔ ص ۲۶)

ایک بار عید کے موقع پر مسجدِ نبویؐ میں سوڈان کے چند حبشیوں نے نیزہ بازی کے کرتب دکھانے شروع کر دیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے محسوس کیا کہ حضرت عائشہؓ یہ کرتب دیکھنا چاہتی ہیں۔ آپؐ ان کی خوشی کی خاطر حجرے کے دروازے میں کھڑے ہو گئے اور حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اوٹ میں تماشا دیکھا۔ جب تھک گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے ہٹے۔ (سیوطی۔ عائشہؓ۔ ص ۱۰/ آغا اشرف۔ حضرت عائشہ۔ ص ۲۲)

"اولین جہاد فی سبیل اللہ غزوۂ بدر میں ہوا۔ جس میں پرچمِ رسالت کے نیچے بدری صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ ملائکہ نے کفار سے معرکہ آرائی کی اور فتحِ مبین سے نوازے گئے۔ یہ پرچم سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اوڑھنی

سے بنا تھا (میاں محمد سعید۔ ام المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ۔ ص ۲۵/ سلمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمین ؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۵۶)

حضرت عائشہ رضؓ کے جملہ اوصاف و خصائل کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر عادات و اخلاق انہیں اپنے والد محترم سے ورثہ میں ملے تھے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ جنگِ جمل کے واقعات کے ذریعے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کو تقریر میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ جب وہ اپنے ہودج پر سوار ہو کر فوج سے خطاب فرماتیں تو سارے لشکر پر خاموشی چھا جاتی۔ ان کی تقریر ہر شخص خاموشی سے سنتا۔

حضرت عائشہ رضؓ اپنے باپ کی طرح خوبصورت اور دبلی پتلی تھیں۔ اور ان کے مزاج میں تیزی بھی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی طرح ذکی اور فہیم اور بے حد رحم دل، سخاوت اور فیاضی میں نمایاں۔ اپنے باپ کی طرح صدیقہ کا لقب پایا۔ حضرت ابوبکرؓ بڑے فصیح و بلیغ تھے۔ حضرت عائشہؓ کی طلاقتِ لسانی سے احادیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت عائشہ رضؓ کی گفتگو سنتے تو فرمایا کرتے "کیوں نہ ہو، آخر ابوبکر کی بیٹی ہے" (سیوطی۔ عائشہ رضؓ۔ ص ۴۲، ۴۳)

حضرت عائشہؓ پر واقعہ افک کے موقع پر بہتان تراشی کرنے والوں میں حضرت حسّان رضؓ بن ثابت کا نام بھی آتا تھا۔ مگر حضرت عائشہ رضؓ نے انہیں معاف کر دیا تھا۔ ایک بار یوسف بن مالک کی والدہ حضرت عائشہ رضؓ کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہی تھیں کہ باتوں باتوں میں حضرت حسّان رضؓ کا ذکر آ گیا۔ اس پر یوسف بن مالک کی والدہ نے حضرت حسان کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا تم حسّان کو بُرا بھلا کہتی ہو حالانکہ انہوں نے یہ شعر کہا ہے۔

فان ابی و والدہ و عرضی
لعرض محمدؐ منکم وقاء

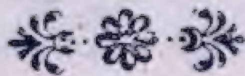
(میرے باپ دادا کی اور میری عزت و آبرو محمدؐ کی عزت تم (کافروں) سے بچانے کے لیے سپر ہے)

اس پر حضرت یوسف بن مالک کی والدہ نے کہا کہ حسّانؓ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے آپؓ پر بہتان لگایا تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے جواب میں فرمایا یہ حسّان رضؓ وہی تو ہیں جنہوں نے میرے متعلق یہ اشعار کہے ہیں۔

حصان رزان ما تزن بریبۃ   وتصبح غرثیٰ من لحوم الغوافل
فان کان ماقد جاء عنی قلتہ   فلا رفعت سوطی الی انامل

(عائشہ رضؓ تو بہت باوقار اور پاکباز خاتون ہیں۔ ان رضؓ کی عصمت و عفت کے متعلق شبہہ بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ بھولی بھالی لڑکیوں کا گوشت نہیں کھاتیں اگر وہ باتیں میری طرف سے منسوب کی جاتی ہیں تو خدا کرے میرا ہاتھ بالکل شل ہو جائے"۔ (سیوطی۔ عائشہ رضؓ۔ ص ۴۴، ۴۵)

۸ ــــــ مولوی محمد عبداللہ خان۔ خطباتِ نبویؐ۔ ص ۱۳۱۔



آخری روز بیٹی رضؓ سے باتیں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حیاتِ طیبہ کے آخری دن دوشنبہ (پیر) ۱۲ ربیع الاوّل کو اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے کچھ باتیں کیں۔[1]

"سوموار کی صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے وہ پردہ اٹھایا جو حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے حجرہ اور مسجدِ طیبہ کے درمیان پڑا ہوا تھا اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی امامت میں نمازِ فجر ادا ہو رہی تھی۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) اس مقدس نظارہ کو جو آپؐ کی پاک تعلیم کا حاصل تھا، ملاحظہ فرماتے رہے۔ صحیح روایات کے مطابق اس روح پرور نظارے سے رخِ انور پر شگفتگی اور ہونٹوں پر تبسم تھا۔

جب صحابہ رضؓ نے آہٹ سنی تو اس خیال سے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) باہر تشریف لانا چاہتے ہیں، فرطِ مسرت سے بے چین اور بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نمازیں ٹوٹ جائیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں مگر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اشارے سے روکا اور حجرہ شریف کے پردے چھوڑ دیئے۔ ضُعف اس قدر تھا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پردے بھی اچھی طرح نہ ڈال سکے۔ یہ آخری موقعہ تھا کہ صحابہ رضؓ نے جمالِ اقدسؐ کی زیارت کی۔ حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا چہرہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ مصحف کا کوئی ورق ہے۔ اس نماز کے بعد کسی دوسری نماز کا وقت حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی حیاتِ اقدس میں نہیں آیا۔ اور یہ آخری نماز تھی، جس کا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نظارہ فرمایا۔ سورج کے طلوع کے بعد حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اپنی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ کو اپنے قریب

بلایا۔[2] حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ان کو اپنے پاس بٹھایا، پھر ان کے ساتھ سرگوشی کے انداز میں گفتگو فرمائی اور کوئی راز کی بات بتائی۔ وہ رو پڑیں۔ میں نے کہا تمہیں محبوبِ کریم علیہ السلام نے اسرار کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور تم رو رہی ہو۔ پھر آپؐ نے دوبارہ انہیں راز کی بات بتائی تو وہ ہنس پڑیں۔ میں نے کہا، میں نے آج کے دن کی مانند کبھی خوشی کو غم سے اتنا قریب نہیں دیکھا اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں کیا اسرار اور بھید بتائے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا، میں آپؐ کی موجودگی میں آپؐ کے راز فاش نہیں کر سکتی۔ جب آپؐ کا وصال ہو گیا تو پھر میں نے دریافت کیا تو انہوں نے بتلایا کہ آپؐ نے مجھے جو راز کی بات بتلائی تھی، وہ یہ تھی کہ جبریل علیہ السلام ہر سال ایک مرتبہ میرے ساتھ قرآنِ مجید کا دور کرتے تھے اور اس سال دو مرتبہ دور کیا ہے اور میرا اعتقاد یہی ہے کہ میرا وقتِ وصال قریب آچکا ہے اور اہلِ بیت میں سے تم سب سے پہلے فوت ہو کر میرے پاس پہنچو گی۔ اور میں تمہارے لیے بہت بہتر سلف و فرط ہوں اور تمہارے لیے سہولت کا ہر ممکن انتظام کروں گا اور ہر موجب رنج والم اور درد و غم کو دور کرنے والا ہوں گا"۔ میں نے آپؐ کے وصال کی خبر سنی تو رو پڑی اور اس المناک اور موجب درد و کرب جانکاہ خبر کو سننے کی تاب نہ لا سکی تو آپؐ نے فرمایا کیا تم! اس پر راضی نہیں ہو کہ مومنین کی عورتوں پر جنت میں تمہیں سیادت اور سرداری عطا کی جاتی گی ہیں اس وقت ہنس پڑی۔[3]

طبرانی نے حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت فاطمہ رضؓ سے فرمایا کہ مسلمان خواتین میں کوئی عورت بھی فضیلت میں تجھ سے زیادہ نہیں ہے اس لیے تجھے صبر میں بھی ان سے کم نہیں ہونا چاہیے۔[4]

"اصح السیر" میں ہے کہ "حضرت فاطمہ رضؓ کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اپنے وفات کی خبر دی تھی مگر ہنسنے کی وجہ میں اختلاف ہے

حضرت عروہ رضؓ کی روایت میں ہنسنے کی وجہ یہ ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت فاطمہ رضؓ سے کہا کہ میرے اہل میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی۔ مگر مسروق کی روایت میں ہنسنے کی یہ وجہ نہ تھی بلکہ وفات کی خبر کا ایک حصہ تھا جس پر حضرت فاطمہ رضؓ روئیں۔ ہنسنے کی وجہ یہ تھی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو جنّت کی تمام عورتوں پہ سردار بتایا۔ مسروق کی روایت راجح ہے کیونکہ وہ مزید علم پر مبنی ہے اور ثقہ کی زیادتی باتفاق معتبر ہے۔ ایک اختلاف اور ہے۔ عروہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وفات کی خبر وثوق کے ساتھ دی اور مسروق کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جبریل عؑ کے دو دفعہ قرآن پیش کرنے پر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنا ایسا گمان ظاہر کیا۔ اس کے علاوہ ترمذی میں ایک روایت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کی حضرت عائشہؓ سے ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بکا کی وجہ تو وفات کی خبر تھی مگر ضحک کی وجہ دونوں تھی۔ اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے ملنے کی خوش خبری بھی اور جنت کی عورتوں کا سردار ہونے کی خوش خبری بھی اور اصل یہ ہے کہ ایک ہی خبر بعض وجوہ سے خوشی کی خبر تھی، بعض وجوہ سے غم کی۔ لہذا ایک ہی خبر پہ غم اور خوشی دونوں ممکن ہے [۶]

حواشی

۱ــــــ محمد عابد، سعید۔ رحمۃ للعلمینؐ۔ ص ۳۶۳/ شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۱/ عبدالمقتدر، مولانا۔ سیرتِ طیبہ محمد رسول اللہؐ۔ ص ۲۲۴، ۲۲۵۔

۲ــــــ حیاتِ رسالتمآبؐ۔ ص ۷۹۴، ۸۰۰/ الرحیق المختوم۔ ص ۴۹، ۷۵۰۔

۳ــــــ الوفا۔ ص ۸۰۳، ۸۰۴/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۶۹۸، ۷۰۹، ۷۳۰/ رسالتمآبؐ۔ ص ۲۰۰/ حیاتِ محمدؐ۔ ص ۶۳۵/ اصح السیر۔ ص ۵۲۰ - ۵۲۲/ رحمتِ

رحمتؐ۔ ص ۶۵۱/ تواریخِ حبیبِ الٰہ۔ ص ۱۸۸/ محمد عابد، سعید۔ رحمۃ للعلمین ص ۳۶۳/ شبلی۔ سیرۃ النبیؐ۔ جلد دوم۔ ص ۱۱۰/ سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک ص ۴۰۲، ۴۰۵/ محمد میاں صدیقی۔ خطباتِ رسولؐ۔ ص ۴۵۴/ عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ سیرتِ مصطفیٰؐ۔ ص ۴۳۰/ عبدالمقتدر، مولانا۔ سیرتِ طیبہ محمدؐ رسول اللہ۔ ص ۲۲۴، ۲۲۵/ پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۶۱۳/ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۶۸۸، ۶۹۴/ ولیدالاعظمی۔ معجزاتِ سرورِ عالمؐ۔ ص ۲۳۶/ جامی۔ شواہد النبوۃ۔ ص ۱۸۶، ۱۸۷/ شرف النبیؐ۔ ص ۴۱۷، ۴۱۸/ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۵۳۵۔

۴ــــــ انوارِ محمدیہؐ۔ ص ۶۹۴۔

۵ــــــ حضرت فاطمہ رضؓ حضور علیہ السلام کی چوتھی صاحبزادی ہیں۔ ان کا نام فاطمہ رضؓ اور زہرا اور بتول لقب ہیں۔ جمال و کمال کے سبب زہرا اور ماسوا کے انقطاع کے سبب بتول تھیں۔ بعثت سے ایک سال یا پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ ہجرت کے دوسرے سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں حضرت علی رضؓ کی زوجیت میں دے دیا۔ آپؐ نے حضرت علی رضؓ سے پوچھا کہ مہر ادا کرنے کے لیے تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ حضرت علی رضؓ نے کہا کہ ایک گھوڑا اور زرہ ہے۔ فرمایا۔ گھوڑا جہاد کے لیے ضروری ہے۔ زرہ بیچ ڈالو۔ زرہ کو حضرت عثمان رضؓ نے ۴۸۰ درہم میں خرید لیا۔ حضرت علی رضؓ نے قیمت لاکر حضور علیہ السلام کے سامنے رکھ دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ رقم حضرت بلال رضؓ کو دی کہ وہ خوشبو خرید لائیں اور باقی جہیز کے لیے ام سلیم کو دے دی۔ اس طرح نکاح ہوگیا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت زہرا کو ایک لحاف، چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری تھی۔ دو چکیاں ایک مشکیزہ، دو گھوڑے عنایت فرمائے۔ ماہ ذی الحجہ میں رسمِ عروسی ادا کی گئی۔ حضرت علی رضؓ نے الگ مکان کرایہ پہ لیا۔

حضور علیہ السلام کو حضرت فاطمہ سے بے حد محبت تھی۔ جب بھی عازمِ سفر ہوتے، سب سے آخر میں ان سے مل کر جاتے۔ جب سفر سے مراجعت فرماتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ سے ملاقات فرماتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ فاطمہؓ میرا پارۂ گوشت ہے۔ جس نے فاطمہؓ کو ناراض کیا اس نے مجھ کو ناراض کیا...... اور فرمایا کرتے۔ فاطمہؓ میرا جگر گوشہ ہے جس نے انہیں تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی جس نے ان سے بغض رکھا بلاشبہ اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

حضرت فاطمہؓ کو گھر کا سارا کام کاج کرنا پڑتا تھا۔ ایک روز خبر ملی کہ حضور علیہ السلام کے پاس لونڈی، غلام آتے ہیں۔ اس لیے وہ ایک خادمہ مانگنے کے لیے درِ اقدس پر حاضر ہوئیں لیکن حضور علیہ السلام نے اصحابِ صفّہ کی ضروریات کے پیشِ نظر خادمہ دینے سے معذوری کا اظہار فرمایا۔

خانگی معاملات کے سلسلے میں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کبھی رنجش ہو جایا کرتی تھی۔ حضور علیہ السلام ان میں مصالحت کرا دیا کرتے تھے ایک روز حضور علیہ السلام حضرت فاطمہؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضرت علیؓ کو گھر پر نہ پایا۔ آپؐ نے حضرت فاطمہؓ سے پوچھا۔ میرے چچا کا بیٹا کہاں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم دونوں میں کچھ رنجش ہو گئی ہے وہ ناراض ہو کر چلے گئے ہیں۔ اور میرے ہاں قیلولہ نہیں کیا۔ حضور علیہ السلام نے ایک شخص سے کہا۔ دیکھو تو کہاں ہیں؟ اس نے آکر عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مسجد میں تشریف لے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ پہلو کے بل لیٹے ہیں۔ چادر پہلو سے گری ہوئی ہے اور خاک آلود ہو رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاک جھاڑنے لگے اور فرمایا۔ اے ابوتراب اٹھ۔ حضرت علیؓ کو اس

نام سے زیادہ پیارا اور کوئی نام نہ تھا۔

حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت فاطمہؓ اکثر غمگین رہا کرتیں اور وصال شریف کے چھ ماہ بعد ۳ رمضان ۱۱ھ میں وفات پاگئیں۔ حضرت عباسؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ بقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں حضرت علیؓ، عباسؓ اور فضلؓ نے قبر میں اتارا۔

حضرت فاطمہؓ کے تین لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ امام حسنؓ و امام حسینؓ، محسن و رقیہ جو بچپن میں انتقال فرما گئے۔ ام کلثومؓ جن کی شادی حضرت فاروقِ اعظمؓ سے ہوئی۔ زینب جن کا نکاح عبداللہ بن جعفر سے ہوا ان میں صرف حسنینؓ کی نسل موجود ہے۔ (غلام نبی حکیم۔ سراپائے اقدسؐ۔ ص ۲۴۷ - ۲۴۹)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے کسی شخص کو بھی فاطمہؓ سے بڑھ کر طور اطوار اور متانت اور وقار میں حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے مشابہ نہیں دیکھا۔ جب حضور علیہ السلام سے ملنے آتیں تو آپؐ کھڑے ہو کر انہیں چومتے اور اپنے پاس بٹھاتے۔ جب آپؐ فاطمہ کے گھر جاتے تو ایسا ہی کرتے۔ جب حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بیمار ہوئے تو فاطمہ آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر گر پڑیں اور میں نے انہیں بوسہ دیا۔ (انوارِ محمدیہ۔ ص ۶۹۴ / شرف النبی۔ ص ۴۱۷ / اردو ترجمہ مختصر سیرۃ الرسولؐ۔ ص ۴۳۵ / رسولِ رحمتؐ۔ ص ۶۵۱ / الوفا۔ ص ۸۰۳ / سراپائے اقدسؐ۔ ص ۲۴۸)

حضرت فاطمہؓ آپؐ کے بعد فقط چھ ماہ زندہ رہیں اور پھر ان کا انتقال ہو گیا۔ یعنی اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے فوت ہوئیں۔ (الرسولؐ۔ ص ۴۱۰ / الوفا۔ ص ۸۰۷ / انوارِ محمدیہ۔ ص ۶۹۴)

۶ —— اصح السیر۔ ص ۵۲۰ - ۵۲۲۔

وصال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حیاتِ طیبہ کا آغاز دوشنبہ کے دن ہوا۔ اور کئی اہم واقعات کے علاوہ دوشنبہ کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ دنیا سے پردہ فرمانے کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی دن کا انتخاب کیا۔ تمام اہلِ سیر اس بات پر متفق ہیں کہ وصال مبارک پیر کے دن ہوا اسحاق علوی بھی اپنے تقویمی جدول کے ذریعے جانچتے ہیں تو دوشنبہ کا دن ہی نکلتا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ماہ پہلے اپنے وصال کی خبر دی تھی۔ یہ بات اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ آپؐ نے وصال سے قریباً ایک ماہ پہلے خاص خاص صحابہؓ کو حضرت عائشہ کے حجرے میں اکٹھا کیا اور فرمایا۔ میں تم کو تقویٰ اور خدا سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور اپنا خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تم کو خدا کے عذاب سے ڈراتا ہوں، میں نذیر مبین ہوں۔ تم کو تکبر ہرگز نہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو امر فرمایا ہے۔ صحابہ کہتے ہیں، ہمارے پوچھنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جدائی کا وقت قریب ہے اور خدا کے پاس جانے کی مدت کم۔ ہم نے عرض کی «آپ کو کن کپڑوں میں کفنائیں۔ فرمایا جو لباس میں پہنے ہوتے ہوں۔ اگر چاہو تو مصری کپڑے یا یمنی حُلہ یا سفید کپڑے میں۔ ہم نے رو کر عرض کیا۔ کیا ہم آپؐ پر نماز پڑھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ صبر کرو۔ خدا تم کو تمہارے پیغمبر کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے گا۔ مجھ کو کفن میں لپیٹ کر میری قبر کے کنارے رکھ کر تھوڑی دیر کے لیے ہٹ جانا۔ سب سے پہلے مجھ پر جبریلؑ پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر تمام فرشتوں کے گروہ کے ساتھ ملک الموت نماز پڑھیں گے اور فرمایا کہ تم لوگ فوج در فوج آنا۔ یاد رکھو کہ نوحہ اور فریاد کر کے مجھ کو اذیت نہ دینا۔ اور نماز کی ابتداء مجھ پر اہلِ بیت کریں، پھر اہلِ بیت کی عورتیں اور تمام اصحاب۔ اور میرا اسلام ان لوگوں تک پہنچا دینا جو غائب ہیں اور جو بھی میرے دین اور سنت کی پیروی کریں۔ قیامت تک ان پر میرا اسلام ہو۔ ہمارے پوچھنے پر آپؐ نے فرمایا کہ میرے اہلِ بیت فرشتوں کے ساتھ مجھ کو قبر میں اتاریں گے تم دیکھو گے کہ جگہ نہ ہوگی [1]

" اوائل صفر ۱۱ھ میں آپؐ دامنِ احد میں تشریف لے گئے اور شہداء کے لیے اس طرح دعا فرمائی گویا زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ پھر واپس آ کر منبر پر فروکش ہوئے اور فرمایا میں تمہارا امیرِ کارواں ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ بخدا میں اس وقت اپنا حوض (حوضِ کوثر) دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں اور بخدا مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے بلکہ اندیشہ اس کا ہے کہ دنیا طلبی میں باہم مقابلہ کرو گے۔

ایک روز نصف رات کو آپ بقیع تشریف لے گئے اور اہلِ بقیع کے لیے دعائے مغفرت کی۔ فرمایا اے قبر والو! تم پر سلام۔ لوگ جس حال میں ہیں، اس کے مقابل تمہیں وہ حال مبارک ہو جس میں تم ہو۔ فتنے تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ایک کے پیچھے ایک چلے آ رہے ہیں اور بعد والا پہلے سے زیادہ بُرا ہے۔ اس کے بعد یہ کہہ کر اہلِ قبور کو بشارت دی کہ ہم بھی تم سے آ ملنے والے ہیں۔

۲۹ صفر ۱۱ھ روز دوشنبہ [2] کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جنازے میں بقیع تشریف لے گئے۔ واپسی پر راستے ہی میں دردِ سر شروع ہو گیا اور حرارت اتنی تیز ہو گئی کہ سر پر بندھی ہوئی پٹی کے اوپر سے محسوس کی جانے لگی۔ یہ آپ کے مرض الموت کا آغاز تھا۔ آپ نے اسی حالتِ مرض میں گیارہ دن نماز پڑھائی۔ مرض کی کل مدت ۱۳ یا ۱۴ دن تھی [3]

جب مرض کی شدت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دوسری بیویوں سے چھپے الفاظ میں حضرت عائشہ کے گھر رہنے کی اجازت مانگی جو انہوں نے بخوشی دے دی اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوشنبہ کے دن حضرت عائشہ رضؓ کے گھر ہمیشہ کے لیے منتقل ہو گئے [5]

یہاں یہ بات اہم ہے کہ دو جہانوں کے سردار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیویوں

کو جو حکم دیتے، وہ خوشی سے مان جاتیں مگر انتہائی بیماری کے عالم میں اجازت لینے کا مقصد یہ ہے کہ بیویوں میں برابری اور ایک بیوی کے پاس رہنے کے لیے دوسری بیویوں کی رضامندی ضروری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روم کی طرف بھیجے جانے والے لشکر کی تیاری کا حکم ۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ دوشنبہ کے دن دیا اور اس لشکر کا سردار زیدؓ بن حارثہ کے بیٹے اسامہ بن زید کو مقرر فرمایا ۷

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری کے زمانے میں انصار آپؐ کی عنایات اور مہربانیوں کو یاد کر کے نہایت ہی آہ وزاری کرتے۔ ایک دفعہ اسی حالت میں کہ وہ رو رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عباسؓ کا گزر ہوا انہوں نے انصار کو روتے دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ انہوں نے بیان کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا عشق اور آپ کی صحبت کا فیض ہمیں کسی کل چین اور آرام نہیں لینے دیتا۔ ان میں سے ایک صاحب نے جا کر جناب رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس کے بعد آپؐ نے انصار کی نسبت لوگوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ لوگو! میں انصار کے معاملہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تمام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نمک۔ وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے۔ اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا ہے۔ وہ میرے جسم میں بمنزلہ معدہ کے ہیں اور جو تم میں خلیفہ ہو اس کو چاہیے کہ ان میں جو لوگ ہوں، ان کو قبول کرے اور جن سے خطا ہوئی ہو، اسے معاف کرے۔ اللہ اکبر۔ جس وقت جناب رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیماری کی حالت میں حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف فرما ہوتے تب ارشاد فرمایا کہ انصار اور مہاجرین کو بلاؤ میں انہیں کچھ وصیت کروں اور صبر کی تلقین دوں۔ انصار اور مہاجرین مسجد نبوی میں جمع ہوئے اور آپ نے بستر پر لیٹے لیٹے فرمایا کہ اے میری امت خدا تم کو میرے بعد زندہ سلامت رکھے تم میری نشانی ہو ۸

وفات سے پانچ دن پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر پر پٹی باندھ کر مسجد گئے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا صحابہؓ کرام آس پاس جمع تھے۔ آپؐ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کر دیا اور فرمایا میں نے کسی کو پیٹھ پر کوڑا مارا ہو تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے۔ وہ بدلہ لے لے اور کسی کی بے آبروئی کی ہو تو یہ میری آبرو حاضر ہے، وہ بدلہ لے لے۔ اس کے بعد آپ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ ظہر کی نماز پڑھائی اور منبر پر تشریف لے گئے اور عداوت وغیرہ کے متعلق اپنی پچھلی باتیں دہرائیں۔ ایک شخص نے کہا۔ آپ کے ذمہ میرے تین درہم باقی ہیں۔ آپ نے فضل بن عباسؓ سے فرمایا انہیں ادا کر دو۔ اس کے بعد انصار کے بارے میں وصیت فرمائی ۸

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال سے پانچ دن پہلے سات مشکیزوں کے پانی سے نہائے ۹ اور حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ آپ کو تھام کر مسجد میں لائے۔ حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ کی آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹ گئے۔ آپ نے اشارہ سے روکا اور کھڑا رہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے اور جماعت پڑھائی۔ نماز کے بعد حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک خطبہ دیا۔

ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر بیٹھے اور فرمایا کہ ایک بندہ ہے کہ اس کو خدا نے اختیار دیا ہے کہ خواہ وہ دنیا اور مافیہا کو اختیار کرے اور خواہ وہ اس کو قبول کرے جو اللہ کے پاس ہے۔ اس بندہ نے جو خدا کے پاس ہے، اس کو قبول کیا۔ (اس بات کو سن کر) ابوبکر رو پڑے اور کہا، ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) راوی کہتا ہے، ہم نے ابوبکرؓ کے اس کلمے سے تعجب کیا۔ لیکن ابوبکرؓ ہم سب سے زیادہ نبوت کی ادا کو سمجھنے والا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ جس کے مال اور صحبت کا سب سے زیادہ میں

ممنون ہوں وہ ابوبکر ہی تھا۔ کوئی دریچہ مسجد کی طرف بجز ابوبکرؓ کے دریچہ کے رہنے نہ پائے [۱۰]

آپ نے ۸ ربیع الاوّل کو خطبہ دیا۔ اس خطبہ کی وجہ حضرت اسامہ کی نامزدگی پر لوگوں کی سرگوشیاں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ میں مسلمانوں کو اسامہ کے لشکر میں شرکت کے لیے کہا۔ اس لیے اسی دن اکثر صحابہؓ ”جرف“ کے مقام پر روانہ ہو گئے جہاں لشکر کا پڑاؤ تھا [۱۱]

ابوبکر بن عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ دوشنبہ کا دن تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح سر کو باندھے ہوئے نماز [۱۲] کو تشریف لائے۔ اور ابوبکرؓ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے تو لوگ کشادہ ہو گئے۔ ابوبکرؓ نے جان لیا کہ لوگ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خاطر کشادہ ہوئے ہیں اور وہ اپنی نماز کی جگہ سے پیچھے کو لوٹے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ابوبکرؓ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا اور فرمایا، لوگوں کو نماز پڑھاؤ اور خود حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے اور ابوبکرؓ کی دائیں طرف آپؐ نے نماز پڑھی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں سے مخاطب اور متوجہ ہوئے اور بڑی اونچی آواز سے لوگوں سے باتیں کیں [۱۳]

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین روز پہلے حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ اے محمدؐ (صلی اللہ علیک وسلم) اللہ پاک آپ کو سلام فرماتا ہے اور یہ ارشاد کرتا ہے کہ آپ کا مزاج کس طرح ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے جبریل میں بہت غمگین ہوں۔ اسی طرح دو روز تک حضرت جبریلؑ پوچھتے رہے اور آپ یہی جواب فرماتے رہے۔ تیسرے روز جبریل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کو کس بات کا غم ہے۔ گو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے لیکن آپ اپنی زبان سے فرمائیں۔ تب آپ نے فرمایا کہ مجھے گنہگار امت

کا اس وقت بہت خیال ہے کہ گنہگاروں کی مغفرت کس طرح ہوگی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور میں عرض کی کہ خداوندا تیرا محبوب گنہگار امت کی مغفرت کا سوال کر رہا ہے حکم ہوا کہ اے جبریلؑ میرے محبوبؐ سے کہہ دو کہ آپؐ کا رب آپ کو سلام فرماتا ہے اور یہ ارشاد فرما رہا ہے کہ اگر آپؐ کی امت کا کوئی مسلمان گنہگار مرنے سے ایک سال پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرے گا تو ہم اس کی توبہ قبول فرما کر اسے بخش دیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خداوندا ایک سال کی مدت بہت ہے۔ میری امت کی مشکل آسان فرما! ۔ یہ سن کر حضرت جبریل علیہ السلام چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد پھر واپس آئے اور کہا، یا حضرتؐ حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر آپ کی امت کا گنہگار مرنے سے ایک مہینہ پہلے توبہ کرے گا تو ہم اس کی توبہ قبول کریں گے۔ عرض کیا کہ الٰہی ایک مہینہ بہت ہے۔ اے میرے اللہ، امت کی مشکل آسان فرما۔ حضرت جبریلؑ واپس گئے۔ کچھ عرصہ بعد پھر آئے اور یہ فرمایا کہ یا حضرت! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور یہ ارشاد کرتا ہے کہ اگر ایک مہینا کی مدت بہت ہے تو جو گنہگار آپ کی امت کا، مرنے سے ہفتہ بھر پہلے توبہ کرے گا، وہ بخشا جائے گا۔ عرض کیا کہ الٰہی ایک ہفتہ بہت ہے۔ ارشاد ہوا کہ جو شخص مرنے سے ایک روز پہلے توبہ کرے گا ہم اسے بخشیں گے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عرض کیا کہ مولا! ایک دن بھی بہت ہے۔ ارشاد ہوا کہ جو شخص مرنے سے ایک گھڑی پہلے توبہ کرے گا، وہ اپنے گناہوں سے پاک ہو جائے گا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عرض کیا کہ میرے رب ایک گھڑی بھی بہت ہے۔ یہ سن کر حضرت جبریل علیہ السلام آسمان پر گئے اور پھر واپس آ کر کہا کہ حضور حق تعالیٰ آپؐ کو سلام فرماتا ہے اور یہ ارشاد کرتا ہے کہ اگر مرنے والے گنہگار شخص کی روح گلے میں پہنچ جائے اور زبان بند ہو جائے، اس وقت اگر اپنے دل میں اپنے گناہوں سے شرمندہ اور نادم ہو جائے گا تو میں اسے بخش دوں گا اور کچھ بھی اس کے گناہوں کی پرواہ نہ کروں گا۔ یہ سن کر جناب رحمۃ للعالمینؐ حضرت محمد مصطفیٰؐ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کا مبارک دل نہایت ہی خوش ہوا اور امت کی طرف سے غم رفع ہوا [14]

وصال سے تین چار دن پہلے عشاء کی نماز کے وقت تمام صحابہ رضؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر طبیعت بہتر نہ ہونے کی وجہ سے آپؐ نے صحابہ رضؓ کو کہلوا بھیجا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضؓ کے بار بار کہنے پر کہ نماز پڑھانے کی ذمہ داری آپؐ حضرت ابو بکر صدیق کے علاوہ کسی کے سپرد کر دیں مگر آپؐ نے انکار کر کے اس بات پر اصرار کیا کہ ابو بکر رضؓ ہی نماز پڑھائیں گے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے نماز پڑھائی [15]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ دوشنبہ کے روز (آخری دوشنبہ یعنی ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ) مسلمان نمازِ فجر میں مصروف تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ امامت فرما رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ ہٹایا اور صحابہ کرام رضؓ پر جو صفیں باندھے نماز میں مصروف تھے، نظر ڈالی۔ پھر تبسم فرمایا۔ ادھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی ایڑی کے بل پیچھے ہٹے کہ صف میں جا ملیں۔ انہوں نے سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں۔ حضرت انس رضؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اچانک ظہور سے مسلمان اس قدر خوش ہوئے کہ چاہتے تھے کہ نماز کے اندر ہی فتنے میں پڑ جائیں۔ (یعنی آپؐ کی مزاج پرسی کے لیے نماز توڑ دیں) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کر لو۔ پھر حجرے کے اندر تشریف لے گئے اور پردہ گرا لیا [16]

سہل بن یوسف اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے ناقل ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال شریف کے قریب چالیس غلام آزاد فرمائے [17]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیادہ تر وصیّت علالت کے زمانہ میں نماز کے بارے میں اور غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کے بارے میں تھی [18]

آپؐ کی حالت زیادہ خراب ہو گئی اور اب رحلت کا وقت آن پہنچا۔ یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس سات دینار امانت رکھے تھے۔ ان دیناروں کے علاوہ آپؐ کے پاس کچھ نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ کو طلب کیا اور کہا "کیا میرے سات دینار تمہارے پاس ہیں" انہوں نے عرض کیا" ہاں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) فرمایا، وہ سات دینار مسکینوں میں تقسیم کر دو کیونکہ مجھے شرم آتی ہے کہ سات دینار کا سرمایہ چھوڑ کر اپنے پروردگار کے دربار میں جاؤں [19] حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ وصال سے تھوڑی دیر پہلے عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ میرے گھر آئے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دیئے ہوئے بیٹھی تھی میں نے دیکھا کہ آپ کی نگاہِ اقدس مسواک پر لگی ہے تو میں سمجھ گئی کہ آپؐ مسواک پسند فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا' ان سے آپؐ کے لیے مسواک لے لوں۔ آپؐ نے سرِ اقدس سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ہاں (مسواک آپؐ نے منہ مبارک میں ڈال لی اور چبانے لگے مگر وہ سخت تھی) میں نے عرض کیا چبا کر نرم کیے دیتی ہوں۔ میں نے مسواک دھوتے بغیر اپنے منہ میں رکھ لی اور اسے نرم کیا۔ دھونے کے لیے اٹھنا چاہتی تھی کہ آپؐ نے مسواک میرے ہاتھ سے لے کر اپنے منہ مبارک میں ڈال لی اور اپنے دانتوں پر پھیرنے لگے [20]

وقتِ وصال حضرت جبریلؑ آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام فرمایا ہے اور آپ کا مزاج پوچھا ہے۔ فرمایا کہ اے جبریلؑ اس عالم میں میرے لیے کیا تیار کیا گیا ہے۔ عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیک وسلم) دوزخ ٹھنڈی ہو گئی اور جنت آراستہ کی گئی اور حور و ملک آسمان پر آپ کے منتظر ہیں اور رضوانِ جنت دروازہ کھولے آپؐ کا انتظار کر رہا ہے۔ تب آپ نے فرمایا کہ اے جبریلؑ اب یہ تو بتاؤ کہ میری امت کے لیے کیا حکم ہے۔ جبریل نے کہا کہ جس کے ہونٹوں میں جان رہ جائے گی وہ بھی اگر دل میں توبہ کرے یا توبہ کے لیے ہونٹ ہلائے گا تو بھی ہزار برس کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور جس نے توبہ نہ کی، اس کو آپؐ اپنی شفاعت سے بخشوائیے

گا۔ آپؐ جس کی شفاعت فرمائیں گے وہی بخشا جائے گا۔ آپؐ غم نہ کھائیں۔

اتنے میں ایک اور فرشتے نے حاضرِ خدمت ہونے کے لیے اجازت طلب کی آپؐ نے فرمایا کہ اے جبریلؑ یہ کون ہے۔ عرض کیا کہ آسمانِ دنیا کے دروازے کا داروغہ اسمٰعیل فرشتہ ہے کہ جس دن سے اس نے آپؐ کو معراج کی شب میں دیکھا ہے، اس دن سے آپؐ کے جمال کا عاشق ہوا ہے۔ آج اسے معلوم ہوا کہ آپؐ دنیا سے وفات پائیں گے۔ اس لیے اس نے جنابِ باری میں عرض کیا کہ الٰہی مجھے ایک دفعہ اپنے پیارے نبیؐ کی زیارت ان کی زندگانی میں اور نصیب کر دے چنانچہ حق سبحانہ وتعالیٰ سے اذن لے کر حضور کی زیارت کرنے حاضر ہوا ہے [21]

مروی ہے کہ ملک الموت نے حاضر ہونے کی اجازت مانگی، پھر وہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پاس آئے اور آپؐ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہؐ یا احمد! (صلی اللہ علیک وسلم) حق تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ میں آپؐ کی اطاعت کروں۔ جو کچھ بھی آپ فرمائیں، کہ میں آپؐ کی روح قبض کر دوں، اگر آپؐ اجازت دیں اور اگر فرمائیں تو قبض نہ کروں۔ اس میں حق تعالیٰ نے آپ کو اختیار مرحمت فرمایا ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام نے آ کر عرض کیا۔ اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) حق تعالیٰ آپ کا مشتاق ہے اور آپ کو بلاتا ہے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ملک الموت جو تمہیں حکم دیا گیا ہے، اپنے اس کام میں مشغول ہو جاؤ۔" جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔ زمین پر میرا آنا یہ آخری ہے اور دنیا میں میرے آنے کی ضرورت آپؐ کا وجودِ گرامی تھا۔ میں آپ کے لیے دنیا میں آتا تھا [22]

حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اگر آپ کی خوشی ہو تو آپ کی وفات کے بعد آپ کے جسم مبارک کو جنت میں پہنچا دوں۔ تب آپؐ نے فرمایا کہ نہیں مجھے میری امت کے اندر رہنے دو، اور یہیں مجھے دفن کرو۔ میں اپنی قبر میں اپنی امت کے لیے استغفار کروں گا۔ اب ہر پیر اور جمعرات کے دن امت کے اعمال آپ کی قبر شریف

میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر نیکیاں زیادہ ہوتی ہیں تو آپؐ اللہ کا شکر کرتے ہیں اور اگر گناہ زیادہ ہوتے ہیں تب آپؐ جنابِ الٰہی میں امت کے لیے بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں [23]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ دوشنبہ (پیر) کے دن ہوا [24]

اسحاق علوی لکھتے ہیں کہ ابنِ سعد نے وصال کی تاریخ دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بیان کی ہے۔ یہ تاریخ اس اعتبار سے متفق علیہ ہے کہ کلینی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ تقویمی قاعدے سے ۲۹ کا چاند مان کر یکم ربیع الاوّل چہارشنبہ تھی لیکن اگر ۳۰ کا چاند مان لیا جائے تو ۱۲ ربیع الاول کو ٹھیک دوشنبہ پڑتا ہے [25]

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس قبض ہوئی تو آپ کا سرِ اقدس میرے کندھے اور گردن کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ جب وہ روحِ پاک جسدِ اطہر سے نکلی تو میں نے ایسی پاکیزہ خوشبو مہکتی محسوس کی کہ کبھی بھی ویسی خوشبو اور مہک نہیں سونگھی [26]

آپ کی آخری آرام گاہ کے بارے میں بھی صحابہ کرام کی رائیں مختلف تھیں لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی نبی بھی فوت نہیں ہوا مگر اس کی تدفین وہیں ہوئی جہاں فوت ہوا۔ اس فیصلے کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپؐ کا وہ بستر اٹھایا جس پر آپ کی وفات ہوئی تھی اور اسی کے نیچے قبر کھود دی [27]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرات اہلِ بیت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے لیے جمع ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں کو بلا کر فرمایا کہ تم میں سے ایک ابوعبیدہ بن الجراح کے پاس جائے وہ اہل مکہ کے لیے شق کھودا کرتے تھے اور دوسرا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس جائے، وہ اہل مدینہ کے لیے لحد کھودا کرتے تھے۔ جب ان دونوں کو روانہ

کر چکے تو دعا کی اے اللہ اپنے نبی کے لیے شق اور لحد میں سے ایک کو پسند اور اختیار فرما (یعنی جو پسندیدہ و مختار ہو، اس کا کھودنے والا پہلے پہنچ جائے) چنانچہ جو شخص حضرت ابو عبیدہ کو بلانے گیا تھا، وہ آپؓ کو نہ پاسکا اور جو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلانے گیا تھا، اس نے آپؓ کو پالیا۔ چنانچہ وہ حاضر ہو گئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لحد کھود دی[۲۹]

آپؐ کو دفن کرنے میں سب کے بعد آپؐ کی قبر مبارک سے حضرت قثمؓ نکلے جو حضرت عباس کے صاحبزادے تھے۔ جب وہ قبر مبارک سے نکلنے لگے تو آخری بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور سے کپڑا ہٹا کر دیکھا۔ حضرت قثمؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹوں میں حرکت محسوس کی اور کان لگا کر سنا تو "یارب امتی امتی" آپ کے لبوں پر جاری تھا۔[۳۰]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جن صحابہ کرام نے مرثیے لکھے ان میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت حسانؓ بن ثابت[۳۱] کے مرثیے شیخ محمد رضا نے اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے مرثیہ کے دس اشعار اور حضرت حسان بن ثابتؓ کے مرثیے کے ۴۳ اشعار نقل کیے ہیں۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ مزید مرثیہ نگاروں میں ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب، حضرت کعب بن مالک، اروی بن عبدالمطلب، عاتکہ بن عبدالمطلب، صفیہ، ہند بنت الحارث، ہند بنت اثاثہ، عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل اور ام ایمن (رضی اللہ عنہم) شامل ہیں[۳۲]

حواشی

۱ــــ رسالتمآبؐ۔ ص ۱۹۳، ۱۹۴/ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ ص ۶۹۷/ الوفا ص ۸۰۷/ محمد عابد، سید۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ ص ۳۵۸/ مولوی محمد عبداللہ۔ خطبات نبویؐ۔ ص ۱۲۹، ۱۳۰۔

۲ــــ الرحیق المختوم میں ہے کہ مرض کی ابتدا پیر کو شروع ہوئی (ص ۷۴۳، ۷۴۴) مگر سلیمان ندوی کے مطابق وہ بدھ کا دن تھا (رحمتِ عالم۔ ص ۱۳۰) "انوارِ محمدیہ" میں لکھا ہے کہ حافظ ابنِ رجب سے مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری ماہ صفر کے آخر میں شروع ہوئی اور بقول خطابی سوموار کا دن تھا۔ آپ کی بیماری کی مدت تیرہ دن تھی۔ (انوارِ محمدیہ۔ ص ۶۹۰)

۳ــــ علامہ قسطلانی حافظ ابنِ رجب حنبلی سے نقل کرتے ہیں۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی بیماری صفر کے آخر میں شروع ہوئی اور مشہور یہ ہے کہ آپ تیرہ دن بیمار رہے۔ یہی اکثر کا قول ہے۔ خطابی سے منقول ہے کہ سوموار کے روز آپؐ کا مرض شروع ہوا۔ اور حاکم ابو احمد جو حاکم ابو عبداللہ کے استاد ہیں کہتے ہیں کہ آپ کا مرض بدھ کے دن شروع ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ سنیچر کے روز۔ مدتِ مرض میں بھی اختلاف ہے۔ اشتداد مرض کا وہ زمانہ جس میں آپؐ کا نکلنا بند ہو گیا۔ اور آپؐ حضرت عائشہ صدیقہ کے مکان میں رہے، سات دن ہے۔ قسطلانی نے ابن ابی ملیکہ کی ایک روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے لکھی ہے کہ حضور میرے گھر میں سوموار کے روز آئے اور دوسرے سوموار کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ (اصح السیر۔ ص ۵۱۱، ۵۱۲

۴ــــ الرحیق المختوم۔ ص ۷۴۳، ۷۴۴/ رسالتمآبؐ۔ ص ۱۹۴ – ۱۹۶/ پیغمبرِ انسانیت۔ ص ۶۰۶، ۶۰۷/ سلمان ندوی۔ رحمتِ عالمؐ۔ ۱۲۹، ۱۳۰۔

۵ــــ خطباتِ نبویؐ۔ ص ۱۳۱/ الوفا۔ ص ۷۸۹/ پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۶۰۷/ الرحیق المختوم۔ ص ۷۴۴/ محمد عابد، سید۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ ص ۳۵۵۔

۶ــــ الوفا۔ ص ۷۸۳، ۷۸۴۔

۷ــــ محمد عابد، سید۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ ص ۳۵۷، ۳۵۸/ الرحیق المختوم۔ ص ۷۴۵، ۷۴۶۔

۸ــــ الرحیق المختوم۔ ص ۷۴۵/ الوفا۔ ص ۷۹۴/ خطباتِ نبویؐ۔ ص ۱۳۴–۱۳۷

٩ ـــــ الوفا۔ص ٧٩٣/ خطباتِ نبویؐ۔ص ١٣١/ الرحیق المختوم۔ص ٧٤٥۔

١٠ ـــــ خطباتِ نبویؐ۔ص ١٣٢، ١٣٣/ انوار محمدیہ۔ص ٦٨٩/ الرحیق المختوم۔ص ٧٤٦/ الوفا۔ص ٧٩٣، ٧٩٤/ محمد عابد، سید۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ص ٣٥٦

١١ ـــــ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ٢۔ص ٢٠٢

١٢ ـــــ یہاں اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ یہ کونسا دوشنبہ تھا (خطباتِ نبویؐ ص ١٣٣، ١٣٤۔

١٣ ـــــ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونچی آواز سے لوگوں سے جو باتیں کہیں وہ یہ تھیں کہ لوگو دوزخ بھڑکائی گئی ہے اور فتنے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح آنے دکھائی دیتے ہیں اور اللہ کی قسم میں نے تم کو کوئی چیز نہیں دی اور نہیں حلال کی، مگر وہی جو قرآن نے حلال کی اور میں نے تم پر کوئی چیز حرام نہیں کی مگر وہی جو قرآن نے حرام کی۔ جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے کلام سے فارغ ہوئے تو ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ میں دیکھتا ہوں کہ آپؐ خدا کے فضل اور اس کی نعمت سے مالا مال ہوگئے جیسا کہ آپ چاہتے تھے۔ اس کے بعد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) داخلِ حجرہ ہوگئے اور ابوبکرؓ اپنے گھر کو سدھارے۔ (خطباتِ نبویؐ۔ص ١٣٣، ١٣٤۔

١٤ ـــــ محمد عابد، سید۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ص ٣٦٢، ٣٦٣۔

١٥ ـــــ الرحیق المختوم۔ص ٧٤٨/ الوفا۔ص ٧٩٨/ محمد عابد، رحمۃ للعالمینؐ۔ص ٣٥٥، ٣٥٦

١٦ ـــــ الرحیق المختوم۔ص ٧٤٩/ الوفا۔ص ٧٩٩۔

١٧ ـــــ الوفا۔ص ٨٠٣۔

ایک دن پہلے بروز اتوار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تمام غلام آزاد فرما دیئے (الرحیق المختوم۔ص ٧٤٩)

١٨ ـــــ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ص ٧٢٨/ الوفا۔ص ٨٠٨۔

آخر وقت لبِ مبارک ہلے تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے "نماز اور غلام" (نقوش۔ جلد ٢۔ص ٢٠٣)

١٩ ـــــ عبدالصمد صارم۔ محمد رسول اللہؐ۔ص ٣٦٠، ٣٦١/ الرحیق المختوم۔ص ٧٤٩/ الوفا۔ص ٨٠١/ محمد عابد، سید۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ص ٣٦٤۔

٢٠ ـــــ الوفا۔ص ٨٠٤/ الرحیق المختوم۔ص ٧٥١۔

٢١ ـــــ محمد عابد، رحمۃ للعالمینؐ۔ص ٣٦٤۔

٢٢ ـــــ مدارج النبوت۔ جلد دوم۔ص ٧٢٩/ الوفا۔ص ٨١٠۔

٢٣ ـــــ محمد عابد، رحمۃ للعالمینؐ۔ص ٣٦١۔

٢٤ ـــــ الرحیق المختوم۔ص ٧٥٢/ الوفا۔ص ٨١٤/ محمد عابد، سید۔ رحمۃ للعالمینؐ۔ص ٣٦٩۔

حضرت مکحول رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ دوشنبہ کا روزہ نہ چھوڑو۔ اس لیے کہ میں دوشنبہ کے روز پیدا ہوا، دوشنبہ کے روز وحی بھیجی گئی۔ دوشنبہ کو میں نے ہجرت کی اور دوشنبہ کو میری وفات ہوگی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تمہارے نبیؐ دوشنبہ کو پیدا ہوئے، دوشنبہ کو نبی بنائے گئے، دوشنبہ کے دن ہجرت کے لیے روانہ ہوئے، مدینہ میں دوشنبہ کو پہنچے، دوشنبہ کے روز مکہ فتح کیا اور دوشنبہ کے روز انتقال فرمایا۔ (الخصائص الکبریٰ۔ جلد دوم۔ص ٥٠٤)

٢٥ ـــــ نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ٢۔ص ٦٠۔

اسحاق علوی یوں وضاحت کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی تاریخِ وفات میں اگرچہ اختلاف ہے اور مورخین یکم ربیع الاوّل اور بعض ٢ کو ترجیح دیتے ہیں، حتیٰ کہ واقدی کی کتاب المغازی میں بھی ٢ ربیع الاوّل مذکور ہے لیکن واقدی کی مشہور تر روایت جس کو اکثر علماء نے قبول کیا ہے' ١٢ ربیع الاول ہے۔ اس تاریخ

پر علماء کی ایک جماعتِ کثیر کا اتفاق ہے حتیٰ کہ شیعہ روایت بھی اس کی تائید میں ملتی ہے۔ کلینی میں ہے کہ تم قبض الحاشی عشرۃ لیلۃ مضت من ربیع الاوّل یوم الاثنین (ابواب التاریخ) اس سے قطع نظر دوشنبہ کا دن جو متفق علیہ ہے، ۱۲ ربیع الاول کے علاوہ کسی اور تاریخ کو نہیں پڑتا۔ ڈیکم کو ۲ کو۔ مارگولیتھ نے دوشنبے کی ۸ جون قرار دی ہے جو غلط ہے دوشنبہ ۸ جون ۶۳۲ء کو پڑتا ہے (نقوش۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۲۰۳، ۲۰۴ (حاشیہ)/ شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہ۔ ص ۶۸۶۔

۲۶—— الوفا۔ ص ۸۱۳/ ۸۱۴

۲۷—— حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ میرا مقامِ ہجرت، میری جائے وفات اور میرا مقامِ حشر ہے (الخصائص الکبریٰ۔ جلد دوم۔ ص ۵۰۴۔

۲۸—— الرحیق المختوم۔ ص ۷۵۵

۲۹—— الوفا۔ ص ۸۲۶

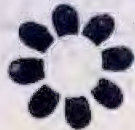
۳۰—— محمد عابد، سید۔ رحمۃ للعالمین ؐ۔ ص ۳۷۶

۳۱—— حضرت حسان رضؓ مرثیے کے ایک شعر میں دوشنبہ کا ذکر کرتے ہیں لکھتے ہیں

بابی وامی من شھدت وفاتہ　　فی یوم الاثنین النبی المھتدی

ترجمہ:۔ نبیؐ ہادی کی وہ ذاتِ اقدس جن کے ذریعے پر میں دوشنبہ کے دن حاضر ہوا۔ ان پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ (شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہ۔ ص ۶۹۰)

۳۲—— شیخ محمد رضا۔ محمد رسول اللہ۔ ص ۶۸۶، ۶۸۸ —— ۶۹۲۔



حضور کا بچپن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شہناز کوثر (ڈپٹی ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور) کی زیر ترتیب کتاب

جس میں

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن اور لڑکپن کے واقعات کا سال بہ سال ذکر کیا گیا ہے۔
- سیرت نگاروں کی لغزشوں پر بے باکانہ گرفت کی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعت کے بارے میں قلمکاروں کی بے احتیاطیوں کی نشاندہی ہے۔
- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش کرنے والے دس بزرگوں کا پہلی بار تذکرہ کیا گیا ہے۔
- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصف درجن منہ بولی ماؤں کا ذکر ہے۔
- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک شفیق بزرگ پر لگائے جانے والے الزامات کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔
- بچپن میں ظاہر ہونے والے معجزات کے حوالے سے اس مفروضے کی حقیقت ظاہر کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چالیس برس کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔
- تجزیہ کیا گیا ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان واقعی اتنا غریب تھا کہ کوئی دائی ادھر کا رخ نہیں کرتی تھی یا حضرت حلیمہؓ اس مقصد کے لیے چن لی گئی تھیں۔

ان شاء اللہ جلد زیور طباعت سے آراستہ ہو گی۔

ماخذ و مراجع

- "آستانہ" (ماہنامہ) دہلی۔ رسولؐ نمبر۔ دسمبر ۱۹۵۳ء
- آنحضرتؐ بحیثیت سپہ سالار۔ محمود خطاب شیث
- اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ۔ جلد ۱۹
- ارضِ تمنّا مکہ و مدینہ۔ غلام الثقلین نقوی
- اُسوۃ الرسولؐ۔ جلد اول و دوم۔ سید اولاد حیدر فوق بلگرامی
- اُسوۂ حسنہ۔ ابن قیم جوزی (اُردو ترجمہ از عبد الرزاق ملیح آبادی)
- اُسوۂ حسنہ۔ قاضی محمد شریف
- اصح السیر۔ مولانا عبد الرؤف داناپوری
- الانوار المحمدیہ۔ علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانیؒ (علامہ قسطلانیؒ کی "المواہب اللدنیہ" کی تلخیص۔ اردو ترجمہ از پروفیسر غلام ربانی عزیز)
- البدایہ والنہایہ۔ حصہ دوم
- التنویر فی مولد السراج المنیر۔ امام عمر بن حسن محدث اندلسی
- الخصائص الکبریٰ۔ جلد اول و دوم۔ امام جلال الدین سیوطیؒ (اردو ترجمہ از راجا رشید محمود و سید حامد لطیف)
- الرحیق المختوم۔ صفی مبارکپوری
- الرد الشافی الوافر۔ احمد بن حجر
- الرسولؐ۔ باڈلے (اردو ترجمہ از ڈاکٹر ایم الیس ناز)
- السیرۃ النبویہ۔ ابی الفدا اسماعیل ابن کثیر۔ حصہ اول
- الغزوات الکبریٰ و معارک الفتح فی العراق والشام و مصر۔ عبد الکریم غزال
- الفاروق۔ حصہ اول و دوم (مکمل) شبلی نعمانی
- "الفقیہ"۔ امرتسر۔ میلاد نمبر ۱۹۳۲ء
- المحمدؐ۔ میرزا حیرت دہلوی
- المشاہد۔ حکیم رحمان علی
- النبیؐ الاطہر۔ علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزی (اردو ترجمہ از علیم الدین نقشبندی)
- "النجم" (پندرہ روزہ) لکھنؤ۔ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ
- "الوارث" (ماہنامہ) کراچی۔ اپریل ۱۹۹۱ء

- الوفا باحوالِ المصطفیؐ۔ عبد الرحمٰن ابنِ جوزی (اردو ترجمہ از مولانا محمد اشرف سیالوی)
- الوفا۔ عبد الرحمان ابن جوزی (اُردو ترجمہ عبد الحلیم شررؔ)
- اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہؓ۔ میاں محمد سعید
- انوارِ جمالِ مصطفیٰؐ۔ مولانا شاہ نقی علی خاں
- بخاری شریف۔ جلد دُوم۔ کتابُ المغازی (اردو ترجمہ از اختر شاہجہانپوری)
- بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی۔ جلد دوم
- بناتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ مولانا اللہ یار خاں
- بہاراں مسکرائیاں۔ صائم چشتی
- پاکستان سے دیارِ حرم۔ نسیم حجازی
- پیغمبرِ اعظم و آخر۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
- پیغمبرِ انسانیت۔ مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری
- پیغمبرِ عالمؐ۔ عبد الصمد رحمانی (یہ کتاب پہلے بھارت میں شائع ہوئی۔ پھر پاکستان میں مقبول اکیڈمی لاہور نے اسی نام سے اور مکتبۂ عالیہ لاہور نے "حیاتِ پیغمبرِ اعظمؐ" کے نام سے شائع کی)
- تاریخِ اسلام۔ محمد عاشق الٰہی میرٹھی
- تاریخُ الخلفاء۔ امام جلال الدین سیوطیؒ (اردو ترجمہ از محمد بشیر صدیقی)
- تاریخُ الخلفاء۔ امام سیوطیؒ (اردو ترجمہ از بشیر احمد انصاری)
- تاریخ المدینۃ المنورہ۔ محمد عبد المعبود
- تاریخِ مدینہ۔ شیخ عبد الحق محدّث دہلوی (اردو ترجمہ سید عرفان علی)
- تب و تابِ جاودانہ۔ مفتی محمد سعید خاں
- تبرکاتِ صدرُ الافاضل (مرتبہ غلام معین الدین نعیمی)
- تذکارِ صحابیاتؓ۔ طالب الہاشمی
- تذکرۂ حجاز۔ بریگیڈیر گلزار احمد
- ترجمہ و تفسیر القرآن الکریم۔ حافظ سید فرمان علی
- تقویمِ تاریخی۔ مولانا سیّد عبد القدوس ہاشمی
- تواریخِ حبیبِ الٰہ۔ مفتی عنایت احمد کاکوروی
- "توحید" (دوماہی) قم ایران۔ اگست ستمبر ۱۹۹۱ء
- جامِ طہور۔ صابر براری
- جامِ نور۔ عزیز حاصلپوری
- جمالِ مصطفیٰؐ۔ جلد اول، دُوم، سُوم، چہارُم۔ عبد العزیز عرفی
- جنات النعیم فی ذکر نبی الکریمؐ۔ نظام الدین محمد جعفری
- جوامع السیرۃ۔ امام ابن حزم ظاہری (اردو ترجمہ از محمد سردار احمد)
- چودہ ستارے۔ سید نجم الحسن
- حافظ الاسلام۔ حصۂ دوم۔ حافظ جونپوری
- حبیبِ خدا۔ مولانا اشرف علی تھانوی
- حرفِ ثنا۔ محشر بدایونی
- حضرت عائشہؓ۔ آغا اشرف
- حضرت عمر فاروقِ اعظمؓ۔ محمد حسین ہیکل
- حضرت محمدؐ نزولِ وحی سے ہجرت تک۔ جلد اول، دوم، سوم۔ علی اصغر چودھری
- حضرت محمد مصطفیٰؐ۔ شیخ عبد الرحمان چشتی (اُردو ترجمہ از واحد بخش سیال)
- حضرت محمد مصطفیٰؐ۔ ادارہ "در راہِ حق" قم
- حکایاتِ صحابہؓ سچی کہانیاں۔ مولانا محمد زکریا
- حیات الصحابہؓ۔ جلد اول و جلد سوم۔ مولانا محمد یوسف کاندھلوی
- حیاتِ رسالتمآبؐ۔ راجا محمد شریف
- حیاتِ رسولؐ۔ ڈاکٹر کرنل محمد ایّوب خاں
- حیاتِ رسولؐ۔ عارف بٹالوی
- حیاتِ طیّبہ۔ عبد الحیٔ
- حیاتِ محمدؐ۔ محمد حسین ہیکل (اردو ترجمہ از ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی)
- خاتم النبیینؐ۔ نذیر احمد سیماب قریشی
- "خاتونِ پاکستان" (ماہنامہ) کراچی۔ رسول نمبر ۱۹۶۴ء
- خدا کی رحمت۔ خواجہ محمد مرتضیٰ
- خطباتِ رسولؐ۔ محمد میاں صدیقی
- خطباتِ سیرت۔ حافظ محمد یُونُس
- خطباتِ نبویؐ۔ مولوی محمد عبد اللہ
- دیوانِ سالکؔ۔ مفتی احمد یار خاں سالکؔ نعیمی
- ذکر النبیؐ۔ بنتِ منظور حسین اہلیہ ظریف احمد تھانوی

- ذکرِ حبیبؐ۔ عبدالشکور فاروقی لکھنوی
- ذوقِ نعت۔ حسن رضا خاں بریلوی
- راہِ عقیدت۔ مولانا محمد شفیع اوکاڑوی
- رحمتِ دو عالمؐ۔ مولانا عطاءاللہ خاں عطاؔ
- رحمتِ عالمؐ۔ مولانا سید سلیمان ندوی
- رحمۃ للعالمینؐ۔ جلد اول و دوم۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری
- رحمۃ للعالمینؐ۔ سید محمد عابد
- رسالتمآبؐ۔ حصہ اول و دوم۔ مفتی عزیز الرحمان
- رسولِ اکرمؐ کی سیاستِ خارجہ۔ محمد صدیق قریشی
- رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ڈاکٹر حمید اللہ
- رسول الکلام فی بیان المولد والقیام۔
- رسول اللہؐ کا نظامِ زندگی۔ خواجہ عبدالقدوس صدیقی
- رسولِ رحمت۔ مولانا ابوالکلام آزادؔ
- رسولِ عربیؐ۔ عمر ابو النصر (اردو ترجمہ از شیخ محمد احمد پانی پتی)
- رسولِ کائناتؐ۔ حکیم عبدالکریم ثمرؔ
- رسولِ کریمؐ۔ مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی
- رسولِ کریمؐ کی جنگی اسکیم۔ عبدالباری
- روحِ اسلام۔ سید امیر علی (اردو ترجمہ از محمد ہادی حسین)
- رہبرِ کاملؐ۔ عبدالمجید سوہدروی
- سراپائے اقدس۔ حکیم غلام نبی
- سفرنامۂ حرمین شریفین۔ حکیم محمد محی الدین حسین
- سرورُ القلوب بذکر المحبوبؐ۔ مولانا نقی علی خاں
- سرورُ المحزون ترجمہ نور العیون۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
- سرورِ عالمؐ۔ محمد صالح نقشبندی
- سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک۔ محمد کلیم ارائیں
- سوئے حرمین۔ محمد سعید اختر
- "سیارہ ڈائجسٹ"۔ رسولؐ نمبر۔ جلد اول و دوم
- سیر الصحابیاتؓ۔ مولانا سعید انصاری

- سیر الصحابیاتؓ مع اسوۂ صحابیات۔ مولانا سعید انصاری و عبدالسلام ندوی
- سیرِ صحابہؓ۔ جلد دوم۔ مہاجرین۔ حصۂ اول۔ شاہ معین الدین
- سیرتِ ابنِ اسحاق۔ (انگریزی ترجمہ از پروفیسر اے گیلوم)
- سیرۃ ابنِ ہشام (اردو ترجمہ عبدالجلیل صدیقی) جلد اول
- سیرتِ احمدِ مجتبیٰؐ۔ جلد اول و دوم۔ شاہ مصباح الدین شکیل
- سیرۃ النبیؐ۔ جلد اول۔ مولانا شبلی نعمانی
- سیرتُ الرسولؐ من القرآن۔ سید محمد رضوان اللہ و انتظام اللہ شہابی
- سیرتُ المصطفیٰؐ۔ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی
- سیرۃ المصطفیٰؐ۔ جلد اول و دوم۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی
- سیرتِ خاتم الانبیاءؐ۔ مولانا مفتی محمد شفیع
- سیرتِ دحلانیہ۔ احمد بن زین دحلان (اردو ترجمہ از صائم چشتی)
- سیرتِ رسولؐ۔ صاحبزادہ ساجد الرحمان
- سیرتِ رسولِ اکرمؐ۔ مولانا مفتی محمد شفیع
- سیرتِ رسولِ عربیؐ۔ مولانا نور بخش توکلی
- سیرتِ سرورِ انبیاءؐ۔ غلام احمد حریری
- سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد اول و دوم۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
- سیرتِ سلمانؓ۔ علامہ فضل احمد عارف
- سیرتِ سید الشہدا حضرت حمزہؓ۔ ابن عبدالشکور
- سیرتِ سید المرسلینؐ۔ جلد اول۔ عبدالمصطفیٰ محمد اشرف
- سیرتِ طیبہ۔ جلد اول و دوم۔ غلام ربانی عزیز
- سیرتِ طیبہ محمد رسول اللہ۔ عبدالمقتدر فاضل فتحپوری
- سیرتِ عائشہؓ۔ سید سلیمان ندوی
- سیرتِ محمدیؐ۔ سرسید احمد خاں
- سیرتِ محمدیہؐ۔ جلد اول و دوم۔ علامہ قسطلانی (اردو ترجمہ از عبدالجبار آصفی)
- سیرۃ مصطفیٰؐ۔ عبدالعزیز ہزاروی
- سیرۃ مصطفیٰؐ۔ عبدالمصطفیٰ اعظمی
- سیرتِ نبویؐ۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی (اردو ترجمہ از مزمل حسین فلاحی)
- سیرتِ نبوی رسولِ کریمؐ۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی

- شرفُ النبیؐ۔ عبدالمالک بن عثمان نیشاپوری (اردو ترجمہ از اقبال احمد فاروقی)
- شریف التواریخ۔ جلد اول۔ سیّد شریف احمد شرافت نوشاہی
- شواہدُ النبوۃ۔ علاّمہ عبدالرحمٰن جامی (اردو ترجمہ از بشیر حسین ناظم)
- شہدائے عہد نبویؐ۔ راجا محمد شریف
- صحابہؓ کا عشقِ رسولؐ۔ صوفی محمد اکرم رضوی
- صحابیاتؓ۔ علامہ نیاز فتحپوری
- ضیاءُ القرآن۔ جلد پنجم۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری
- "ضیائے حرم" (ماہنامہ) لاہور۔ میلادُ النبیؐ نمبر۔ نومبر دسمبر ۱۹۸۹ء
- طبری۔ جلد دوم
- طبقاتِ ابنِ سعد۔ حصہُ چہارم
- عائشہؓ۔ علامہ جلالُ الدین سیوطیؒ (اردو ترجمہ از شیخ محمد احمد پانی پتی)
- عَلِّمُوا اَولادکُم محبۃَ رسولِ اللہ۔ ڈاکٹر محمد عبدہٗ یمانی
- عہدِ نبویؐ کا اسلامی تمدن۔ رضی الدین احمد فخری
- عہدِ نبویؐ کے غزوات و سرایا۔ ڈاکٹر روفہ اقبال
- عہدِ نبویؐ کے نادر واقعات۔ علی اصغر چودھری
- غزواتُ النبیؐ۔ مولانا نور بخش توکلی
- غزواتِ رسولؐ اللہ۔ بریگیڈیر گلزار احمد
- غزواتِ نبویؐ۔ مصطفیٰ خان
- غلامانِ اسلام۔ مولانا سعید احمد
- غلامانِ محمدؐ۔ شیخ محمد احمد پانی پتی
- فروغِ ابدیت۔ جعفر سبحانی (اردو ترجمہ از نصیر حسین)
- فضائلِ محبوبۂ محبوبِ خدا سیدہ عائشہ صدیقہؓ۔ قاضی غلام محمود ہزاروی
- "فیض الاسلام" (ماہنامہ) راولپنڈی۔ اگست ۱۹۹۱ء
- قرآن مجید۔ سورہ النساء۔ سورہ الغاشیہ
- قوسِ قزح۔ شہناز کوثر
- کاروانِ حجاز۔ ماہر القادری
- "ماہِ نو" کراچی۔ سیرتِ پاک کے مضامین کا انتخاب
- مجموعۂ نعت۔ حصہُ دوم۔ مرتبہ انیس احمد نوری

- محبوبِ خدا۔ چودھری افضل حق
- "محفل" (ماہنامہ) لاہور۔ خیر البشرؐ نمبر
- محمدؐ رسول اللہ۔ شیخ محمد رضا (اردو ترجمہ از محمد عادل قدوسی)
- محمدؐ رسول اللہ۔ عبدالصمد صارم
- محمدؐ کی سرکار۔ سردار گوردت سنگھ دارا
- مختصر سیرۃُ الرسولؐ۔ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب (اردو ترجمہ از حافظ محمد اسحٰق)
- مدارج النبوت۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی (اردو ترجمہ از غلام معین الدین نعیمی)
- مدینۃ الرسولؐ۔ ابو النصر منظور احمد شاہ
- مرقعِ نبوّت۔ آغا اشرف
- مُسلم شریف
- مقامِ مصطفیٰؐ۔ ملک شیر محمد خاں اعوان
- "ملتان روڈ نیوز" (ہفتہ وار) لاہور۔ ۷۔۱۰ اگست ۱۹۹۰ء
- معارج النبوۃ۔ جلد دوم۔ ملاّ معین واعظ کاشفی (اردو ترجمہ از محمد اصغر فاروقی)
- معجزاتِ سرورِ عالمؐ۔ ولید الاعظمی (اردو ترجمہ از حافظ محمد ادریس)
- معراجِ انسانیت۔ غلام احمد پرویز
- مغازی الرسولؐ۔ واقدی (اردو ترجمہ از بشارت علی خاں)
- مغازیٔ رسولؐ اللہ۔ عروہ بن زبیرؓ (اردو ترجمہ از محمد سعید الرحمان علوی)
- مفردات القرآن۔ امام راغب اصفہانی (اردو ترجمہ از محمد عبدہٗ فیروز پوری)
- "مولوی" (ماہنامہ) دہلی۔ رسولؐ نمبر۔ صفر و ربیع الاول ۱۳۵۱ھ
- میرے حضورؐ کے دیس میں۔ جاوید جمال ڈسکوی
- میرے سرکارؐ۔ راجا رشید محمود
- میلاد نامہ اور رسولؐ بیتی۔ خواجہ حسن نظامی
- نبیٔ امیؐ۔ عمر ابو النصر (اردو ترجمہ از شیخ محمد احمد پانی پتی)
- نبیٔ رحمتؐ۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی
- نبیٔ کریمؐ کی معاشی زندگی۔ ڈاکٹر نور محمد غفاری
- نبیؐ نامہ عرف حملۂ احمدی۔ جلد اول
- نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ۔ مولانا اشرف علی تھانوی (یہی کتاب حبیبِ خدا کے نام سے بھی شائع کی گئی ہے)

- نطق الہلال بارخ ولاد الحبیب والوصال۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی
- "نعت" (ماہنامہ) لاہور۔ اکتوبر ۱۹۸۸ء۔ "میلادُ النبی حصّہ اول"
- "نعت"۔ نومبر ۱۹۸۸ء۔ "میلادُ النبی حصہ دوُم"
- "نعت"۔ دسمبر ۱۹۸۸ء۔ "میلادُ النبی حصہ سوُم"
- "نعت"۔ مارچ ۱۹۸۹ء۔ "معراجُ النبیؐ۔ حصّہ اول"
- "نعت"۔ اپریل ۱۹۸۹ء۔ "معراج النبیؐ۔ حصّہ دوم"
- "نعت"۔ مئی ۱۹۹۱ء۔ "شہیدانِ ناموسِ رسالت۔ حصّہ پنجم"
- "نعت"۔ اگست ۱۹۹۱ء۔ "فیضانِ رضا"
- نعت حافظ۔ مرتبہ راجا رشید محمود
- نعت گل۔ سیّد محمد مرغوب اختر الحامدی
- نغمۂ ربانی۔ علامہ ضیاءُ القادری بدایونی
- نغمۂ روح۔ حافظ پیلی بھیتی
- "نقوش"۔ رسولؐ نمبر۔ جلد اول
- "نقوش"۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۲
- "نقوش"۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۴
- "نقوش"۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۵
- "نقوش"۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۷
- "نقوش"۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۱
- "نقوش"۔ رسولؐ نمبر۔ جلد ۱۲
- ہادیٔ عالمؐ۔ محمد ولی رازی
- ہمارے پیارے نبیؐ۔ سید آلِ احمد رضوی
- ہمارے حضورؐ۔ امۃ اللہ تسنیم (مولانا ابوالحسن علی ندوی کی ہمشیرہ)
- یومِ ولادتِ مصطفیؐ۔ سید محمد سلطان شاہ

